خلاصۃ القرآن

(دوسرا ایڈیشن مع اضافہ جات)

مرکز اھل السنۃ والجماعۃ سرگودھا

فہرست

پارہ نمبر:4 ------------------------- 88

پارہ نمبر:6 ---------------------- 102

سورۃ المائدہ ---------------------- 103

پارہ نمبر:7 ------------------------ 111

سورۃ الانفال ---------------------- 138

پارہ نمبر:10 ---------------------- 143

سورہ توبہ ---------------------- 146

پارہ نمبر:11 ----------------------------- 155

سورۃ یونس ------------------------ 159

پارہ نمبر:12 ---------------------------- 166

سورۃ یوسف ---------------------------- 174

پارہ نمبر:13 ------------------------ 181

پارہ نمبر:15 ---------------------- 208

سورۃ الاسراء---------------------- 208

سورۃ الکہف ------------------------- 218

پارہ نمبر:16 ------------------------- 224

پارہ نمبر:17 ---------------------- 239

سورۃ الانبیاء ---------------------- 239

سورۃ المؤمنون ------------------------- 253

سورۃ النور ------------------------- 259

سورۃ الفرقان ---------------------- 268

پارہ نمبر:19 ---------------------- 271

سورۃ سبا------------------------ 316

سورۃ الفاطر ------------------------ 319

سورۃ المؤمن ------------------------ 338

سورۃ حم السجدہ ------------------------ 344

سورۃ الدخان ---------------------- 358

سورۃ الجاثیہ ---------------------- 360

سورۃ الفتح ---------------------- 370

سورۃ الحجرات ---------------------- 376

سورۃ النجم---------------------- 386

سورۃ القمر ---------------------- 389

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا آخری کلام ہے جو اس نے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ انسانوں کے لیے یہ کتاب سرچشمہ ہدایت ہے۔ اس کتاب کے الفاظ کو یاد رکھنا، اس کے معانی و مطالب سمجھنا اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنا دنیا کی کامیابی اور آخرت کی کامرانی کا ذریعہ ہے۔

قرآن کریم کی خدمت کے حوالے سے ہمارے پیشِ نظر تین اہداف تھے جن میں سے دو بحمد اللہ مکمل ہو چکے ہیں اور ایک باقی ہے۔

1: منتخب آیات کی تفسیر:

قرآن کریم کی وہ آیات جو اعتقادات اور احکام و مسائل سے متعلق ہیں ان کی ایسی عام فہم تشریح و تفسیر کی جائے جس سے بنیادی عقائد واحکام کھل کر سامنے آئیں۔ ساتھ ساتھ اگر ان آیات کا معنی سمجھنے میں کسی سے غلطی ہوئی ہے تو اس کی بھی دلیل کی روشنی میں نشاندہی کی جائے۔ بحمد اللہ ہم نے اس ہدف کو مکمل کر لیا ہے۔ "دروس القرآن" کے عنوان سے منتخب آیات کی تفسیر پر مشتمل پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ اہل علم کی حوصلہ افزائی اور حد درجہ پذیرائی سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دروس القرآن کے حوالے سے جو مقاصد ہمارے پیشِ نظر تھے بفضل اللہ ہم ان میں کافی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ علمائے کرام اور طلبائے عظام کے ساتھ ساتھ عوام الناس کے لیے بھی اس کا مطالعہ مفید رہے گا۔

2: خلاصۃ القرآن:

رمضان المبارک میں روزہ اور تراویح اہم عبادتیں ہیں۔ تلاوت اور نمازِ تراویح کی وجہ سے قرآن کریم سے مناسبت عام مہینوں کی بنسبت اس ماہ میں زیادہ ہوتی ہے۔ عوام کے اس ذوق و شوق کے پیشِ نظر قرآن کریم کا مکمل خلاصہ اگر ان کے سامنے پیش کیا جائے تو کم وقت میں قرآن کے اہم مضامین ان کے سامنے آجاتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے "خلاصۃ القرآن" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ہم نے ہر پارے کا مختصر انداز میں خلاصہ پیش کیا ہے۔ رمضان المبارک میں اس کے درس کا طریقہ یہ اختیار کیا جائے کہ تراویح پڑھانے والے امام صاحب اگر عالم ہوں تو اس کا مطالعہ کر کے تراویح کے بعد اسے بیان کر دیا کریں۔ اگر کوئی عالم میسر نہ ہو تو خود امام صاحب یا کوئی مقتدی اس خلاصۃ القرآن سے ایک پارے کا خلاصہ دیکھ کر سنا دیا کریں۔ اس سے ان شاء اللہ رمضان المبارک میں پورے قرآن کریم کا خلاصہ سب کے سامنے آجائے گا۔

قارئین سے گزارش ہو گی کہ اس "خلاصۃ القرآن" میں اگر کہیں کوئی غلطی دیکھیں تو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔

3: مکمل تفسیر القرآن:

ہمارے پیشِ نظر تیسرا ہدف یہ ہے کہ قرآن کریم کی مکمل تفسیر عوام کے سامنے لائی جائے جس میں قرآن کریم کا سلیس ترجمہ، آیات کا شانِ نزول، آیات کی تفسیر اور موجودہ دور میں قرآن کریم سے رہنمائی کے اصول بیان کیے جائیں۔ احباب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کام کے لیے توفیق عطا

فرمائے تاکہ جلد از جلد یہ تفسیر آپ کے سامنے ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کریم کا فہم عطا فرمائے، اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری اس محنت کو اپنی رضا کا سبب بنائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین.

والسلام

محتاجِ دعا

یکم جمادی الاولیٰ-1442ھ

بمطابق 17-دسمبر 2020ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پارہ نمبر:1

سورۃ الفاتحہ

قرآن کریم سورۃ فاتحہ اور تیس پاروں کے مجموعے کا نام ہے۔ فاتحہ فَتۡحٌ سے ہے فَتۡحٌ کا معنی "کھولنا" ہے۔ چونکہ اس سورۃ سے قرآن کریم کو کھولا جا رہا ہے، اس لیے اس سورۃ کا نام سورۃ فاتحہ ہے۔ اس سورۃ کا ایک اور معروف و مشہور نام ام الکتاب، ام القرآن (قرآن کریم کا خلاصہ) بھی ہے۔

خلاصہ قرآن کریم:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے چھ مضامین کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

توحید	رسالت
قیامت	احکام
ماننے والے	نہ ماننے والے

اور ان چھ مضامین کا خلاصہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں بیان فرمایا ہے۔

﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۲﴾﴾ میں توحید کو بیان فرمایا۔ ﴿مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ﴿۳﴾﴾ میں قیامت کو بیان فرمایا۔ ﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ﴿۴﴾﴾ میں احکامات کو بیان فرمایا۔ ﴿صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۙ﴾ میں رسالت اور ماننے والوں کو بیان فرمایا۔ ﴿غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ﴿۷﴾﴾ میں نہ ماننے والوں کو بیان فرمایا۔

ماننے والوں کے لیے ایک ہی قسم کا لفظ " اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ "لائے ہیں۔ اور نہ ماننے والوں کے لیے دو لفظ الگ الگ لائے ہیں:

مغضوب　　ضال

جو شخص ضد، انا اور تکبر کی وجہ سے نہ مانے وہ مغضوب میں شامل ہے جیسے یہود، اور جو لاعلمی وجہالت کی وجہ سے نہ مانے وہ ضال میں شامل ہے، مثلاً نصاریٰ۔

انعام یافتہ چار طبقات:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵﴾

اے اللہ! ہمیں صراط مستقیم پر چلا۔ یعنی ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا اور وہ چار ہیں: انبیاء کرام علیہم السلام۔ صدیقین۔ شہداء اور صالحین۔

گمراہ اور مغضوب طبقہ:

﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷﴾

گزشتہ آیت میں ہم نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! ان کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا۔ اب یہاں سے گمراہ اور مغضوب سے بچنے کی درخواست کی جارہی ہے۔ اے اللہ! ان سے بچا لے جن پر تیرا غضب ہے اور جو گمراہ ہوئے۔ "مغضوب" سے مراد یہود "ضالین" سے مراد نصرانی، عیسائی ہیں۔

سورۃ البقرہ

"بقرۃ" عربی زبان میں گائے کو کہتے ہیں چونکہ اس سورۃ میں گائے کا ذکر اور واقعہ بیان کیا گیا ہے اس لیے اس سورۃ کو سورۃ البقرہ کہتے ہیں۔

حروف مقطعات:

﴿الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾﴾

اس سورۃ کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے: ﴿الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾﴾ مقطعات مُقَطَّعَة کی جمع ہے اور یہ قَطَعٌ سے مشتق ہے جس کا معنی کاٹنا ہے چونکہ ان میں سے ہر حرف کو الگ الگ یعنی کاٹ کر پڑھا جاتا ہے جیسے الف، لام، میم اس لیے ان حروف کو حروفِ مقطعات کہتے ہیں۔

سورہ بقرہ کا آغاز الٓمّٓ سے کیا جارہا ہے اس کا معنی اللہ کی ذات کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اس کی بنیادی حکمت تو قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کو بیان کرنا ہے کہ تین حروف پر مشتمل ایک لفظ جو کہ ایک آیت بھی ہے، سارے عرب باوجود فصاحت وبلاغت کے اس ایک آیت کا مقابلہ بھی نہیں کرسکے۔

اور چونکہ اس کا معنی دنیا میں جانتا ہی کوئی نہیں تو اس کے ذریعے یہ بھی سمجھانا مقصود ہے کہ قرآن کریم کے اسرار ورموز اسی شخص پر کھل سکتے ہیں جو اپنی عاجزی، اللہ تعالیٰ کی طاقت وقدرت اور اللہ تعالیٰ کے علم کا اعتراف کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قدرتِ الٰہی کا صحیح معنوں میں ادراک کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اہلِ ایمان کے اوصاف:

﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ﴿۳﴾﴾

ایمان والوں کی چند ایک صفات کا ذکر فرمایا:

وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی جن چیزوں کو وہ نہیں دیکھ سکتے جیسے جنت

وجہنم وغیرہ اور جن کی حکمت وہ نہیں سمجھ سکتے ان پر بھی ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ وصدقات ادا کرتے ہیں، قرآن کریم اور دیگر تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

منافقین کے اوصاف:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨﴾﴾

پھر منافقین کے اوصاف کا ذکر فرمایا:

وہ دھوکہ دیتے ہیں، زمین میں فساد کرتے ہیں، قلبی بیماریوں حسد، تکبر اور حرص میں مبتلا ہیں۔ احکام الٰہی اور ایمان والوں کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے منافقین کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً..... ﴿٣٠﴾﴾

حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلا شخص جس کو اپنا خلیفہ بنا کر دنیا میں بھیجا وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

بنی اسرائیل کا تذکرہ اور انعاماتِ خداوندی:

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٤٠﴾﴾

بنی اسرائیل میں کثرت سے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ ان کو دنیاوی

خوشحالی دی گئی۔ فرعون کی غلامی اور مظالم سے نجات دی گئی۔ ان کے لیے وادی سینا میں آسمان سے مَنّ اور سَلویٰ اتارا گیا۔ سائے کے لیے بادلوں کا انتظام فرمایا گیا۔ پتھر سے پانی کے بارہ چشمے جاری فرمادیے گئے۔ وغیرہ

انعاماتِ خداوندی کی ناشکری:

بنی اسرائیل نے حق کو چھپایا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا۔ بچھڑے کی عبادت میں مبتلا ہوئے۔ انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کیا۔ عہد شکنی کی۔ کلام اللہ میں لفظی و معنوی تحریف کی۔ بغض وحسد کی بیماری میں مبتلا ہوگئے۔ دنیاوی مال واسباب سے بے حد محبت ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں سے دشمنی رکھتے تھے۔ برے اعمال کے باوجود وہ دعویٰ کرتے تھے کہ جنت میں صرف یہود جائیں گے۔ یہی بات نصاریٰ بھی کہتے تھے۔

قاتل معلوم کرنے کا عجیب طریقہ:

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً..... ﴿٦٧﴾﴾

پھر اس معروف واقعہ کا ذکر ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص قتل ہوگیا۔ قاتل نہیں ملتا تھا۔ یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ہمیں قاتل کا پتہ بتادیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا گائے ذبح کرو اور ذبح شدہ گائے کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کے جسم کے ساتھ لگاؤ تو وہ زندہ ہوکر قاتل کا نام بتائے گا۔

گائے ذبح کرنے کی حکمتیں:

اس سے قاتل کی نشاندہی ہوئی۔ یہود کا ایک گروہ بعث بعد الموت کا منکر تھا

اس سے ان پر حجت تام ہوئی۔ بچھڑے کے ساتھ جو عقیدت و محبت تھی اس کا رد ہوا۔

ہاروت ماروت کا قصہ:

﴿وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ..... ﴿۱۰۲﴾﴾

ہاروت و ماروت کا قصہ بیان کیا۔ یہ دو فرشتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں سحر اور جادو کی تعلیم دے کر بابل کے مقام پر اتارا۔ یہ ایک آزمائش تھی کہ کون جان بوجھ کر کفر اختیار کرتا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی وحی اور جادو میں فرق کر سکیں کہ جادو کیا ہے اور اللہ تعالی کی وحی کیا ہے۔

یہود کی شرارت کھل گئی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾﴾

اس آیت میں یہود کی ایک گستاخانہ شرارت سے مسلمانوں کو آگاہ کیا جارہا ہے۔ اور ساتھ ہی اہل ایمان کو بھی ایک چیز کی تعلیم دی جاری ہے۔ یہود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے "رَاعِنَا" یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے ہماری رعایت فرمایئے۔ لیکن عربی میں "رَاعِيْنَا " کا معنی ہے "ہمارے چرواہے"تو یہود محض حسد کی بنیاد پر جب یہ لفظ کہتے تو عین کو کھینچ کر ادا کرتے تھے جس سے وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہ لفظ رَاعِنَا استعمال کر دیتے معنی معلوم نہ ہونے کی وجہ سے تو یہودی اس سے بہت خوش ہوتے

تھے۔ یہاں اہل ایمان کو تعلیم دی کہ "رَاعِنَا" کے بجائے " اُنْظُرْنَا "یعنی ہم پر شفقت کی نظر فرمایئے! کہا کریں۔

کامیابی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے:

﴿وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ۗ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (۱۱۵)﴾

یہودیوں کا قبلہ بیت المقدس تھا جبکہ مشرکین بیت اللہ کو قبلہ مانتے تھے اور مسلمان بھی بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھتے تھے تو یہود کو اس سے تکلیف ہوتی تھی پھر کچھ عرصہ کے لیے مسلمانوں کو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تو یہود خوش ہوئے اور کہا کہ مسلمان ہمارا قبلہ ماننے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ تو یہاں یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایک جہت میں محدود نہیں بلکہ وہ ہر جگہ موجود ہیں لہذا وہ جس سمت کی طرف بھی نماز پڑھنے کا حکم عنایت فرما دیں تو کامیابی صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے میں ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا امتحانات میں ثابت قدم رہنا:

﴿وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ (۱۲۴)﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر مختلف آزمائشات آئیں، عقیدہ توحید بیان کرنے کی پاداش میں آگ میں ڈالا گیا۔ اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ مکہ مکرمہ کی وادی میں اہلیہ اور بچے کو چھوڑنے کا حکم ملا۔ بیٹے کے بارے میں جو خواب دیکھا اسے

پورا کرنے کا حکم ملا تو اسے قربان کر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سب آزمائشوں کو پورا کرنے لگے، تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا کی امامت کا منصب دینا چاہا، تو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ کیا یہ منصب میری اولاد کو بھی ملے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں، لیکن ظالموں کو نہیں ملے گا۔ آپ کے بیٹے اسحاق علیہ السلام ان کے بیٹے یعقوب علیہ السلام جن کا دوسرا نام اسرائیل تھا؛ ان کی نسل میں سے اللہ تعالیٰ نے کم و بیش چار ہزار انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ اس سے یہود یہ سمجھنے لگے کہ دنیا میں امامت کے مستحق صرف ہم ہی ہیں۔ یہاں ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی نسل؛ اہل عرب سے نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ثمرہ ہیں۔

ملت ابراہیمی کی اتباع:

﴿قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٣٥﴾﴾

اس پارہ کے آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا ذکر فرمایا جس ملت کی تکمیل کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ملتِ ابراہیمی (دین اسلام) کی طرف دعوت دیں جو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ہے۔

صحابہ کرام معیار حق:

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ..... ﴿١٣٧﴾﴾

اگر یہود اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی تیار کردہ جماعت؛ جماعتِ صحابہ کرام واہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایمان لائے ہیں تو یہ ہدایت پا جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین اسلام کو اختیار کرنے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پارہ نمبر:2

تحویل قبلہ کا حکم اور یہود کا اعتراض:

﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا..... ﴿۱۴۲﴾﴾

دوسرے پارے میں سب سے پہلے تحویل قبلہ کو بیان فرمایا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو تقریباً سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز ادا فرماتے رہے۔ لیکن آپ کی تمنا اور آرزو تھی کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں ان کے بنائے ہوئے کعبہ کی طرف منہ کرکے نمازیں ادا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمادیا:﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ اس حکم کے نازل ہونے پر یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے لگے کہ یہ کیسے اللہ کے پیغمبر ہیں کبھی قبلہ بیت المقدس کو بناتے ہیں اور کبھی بیت اللہ کو۔ تو یہود کو جواب دیا گیا:

﴿قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾

اے میرے پیغمبر! آپ کہہ دیجیے کہ مشرق و مغرب سب اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں۔

بعثت نبوی کے مقاصد:

﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾﴾

اس مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے کے بنیادی طور پر چار

مقاصد بیان کیے گئے ہیں:

پہلا مقصد تلاوت آیات، دوسرا مقصد تزکیہ نفوس، تیسرا مقصد کتاب کی تعلیم اور چوتھا مقصد حکمت کی تعلیم ہے۔ یہ مضمون قرآن کریم کے مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔

شعائر اسلام:

﴿اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا..... ﴿۱۵۸﴾﴾

زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروہ پر بت رکھے ہوئے تھے تو مسلمان ان کا طواف کرنے سے بچتے تھے اس شبہ کو دور کرتے ہوئے فرمایا کہ صفا مروہ کی سعی شعائر اسلام میں سے ہے لہذا ان کا طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

حج و عمرہ کے تفصیلی احکامات کے لیے میری کتاب "**حج و عمرہ**" ملاحظہ فرمائیں۔

چار چیزوں کی حرمت کا بیان:

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ..... ﴿۱۷۳﴾﴾

مشرکین اپنی طرف سے کچھ چیزوں کو حلال کہتے تھے اور کچھ چیزوں کو حرام۔ یہاں ان کی تردید فرمائی کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہیں اور یہاں چار چیزوں کا ذکر ہے:

مردار، بہنے والا خون، خنزیر اور وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ پھر اس پارے میں اللہ تعالیٰ نے اور بہت سے احکام تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔

قصاص لینے کا فائدہ:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٩﴾﴾

اگر قصاص کے مسئلہ پر عمل درآمد ہو تو آپ یقین فرمائیں کہ اس میں قاتل اور مقتول دونوں کی زندگی ہے اس طرح کہ جب قاتل کو اپنی سزا کا یقین ہو گا تو وہ قتل کرنے سے گریز کرے گا۔ اس سے مقتول بھی بچ جائے گا اور قاتل بھی۔

وصیت کا حکم:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٨٠﴾﴾

اس آیت میں وصیت کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ فوت ہونے والا اپنی وفات سے پہلے اپنے والدین اور دیگر رشتے داروں کے لیے وصیت کرے کہ کس کو کتنا حصہ ملنا ہے۔ اس آیت کے نزول سے پہلے ورثاء کے حصے متعین نہیں تھے اور مرنے والے کا سارا ترکہ اس کے لڑکوں کو ملتا تھا۔ اس لیے اس آیت میں والدین اور دوسرے رشتے داروں کے لیے وصیت کرنے کا حکم دیا ہے۔ پھر جب سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے تمام ورثاء کے میراث میں حصے متعین فرما دیے تو اب اس آیت میں مذکور وصیت کی فرضیت باقی نہیں رہی۔ ہاں البتہ اب بھی کوئی شخص ورثاء کے علاوہ کسی اور کے لیے اپنے مال کے ایک تہائی حصے کی وصیت کر سکتا ہے۔

روزہ کی فرضیت:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾

یہاں روزے کی فرضیت اور روزے کے احکام و مسائل کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ روزہ دین اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ یہ ایسی عبادت ہے جو تمام شرائع سابقہ میں بھی مشروع رہی ہے، صرف امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم کے ساتھ خاص نہیں۔ روزہ کی شرعی تعریف یہ ہے: روزے کی نیت کے ساتھ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے، پینے اور جماع سے رکنا۔ اگر کسی نے غروب آفتاب سے ایک منٹ بھی پہلے افطار کر دیا تو روزہ نہیں ہو گا۔ روزہ ایسی عبادت ہے کہ بندہ اس کی وجہ سے جلدی تقویٰ کی نعمت حاصل کر لیتا ہے۔ پھر مسافر اور مریض کے لیے رمضان کے روزوں اور فدیہ کے متعلق احکام بیان فرمائے۔

ماہِ رمضان کی فضیلت:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ..... ﴿۱۸۵﴾

رمضان المبارک میں جہاں روزے فرض ہیں وہیں اس کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ قرآن کریم اس ماہ مبارک میں نازل کیا گیا ہے۔ دن کو مؤمن روزہ رکھتا ہے اور رات کو قاری قرآن اور حافظ قرآن بیس رکعات تراویح میں قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے۔ غیر حافظ قرآن کریم کی سماعت کرتا ہے۔ اس لیے اس ماہ مبارک میں زیادہ سے زیادہ قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام کرنا چاہیے۔

شفقت خداوندی:

﴿وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ (۱۸۶)﴾

گزشتہ آیات میں روزے کا ذکر تھا، اس آیت کے بعد پھر روزے اور اعتکاف کا ذکر ہو گا۔ تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی شفقت اور مہربانی کا تذکرہ فرما رہے ہیں کہ اے میرے بندو! میں نے جو تمہیں احکامات عطا فرمائے ہیں اگر ان کی تعمیل کرنے میں تھوڑی بہت مشقت بھی محسوس ہو تو کوئی بات نہیں۔ میں تمہارے بہت ہی قریب ہوں مجھ سے مانگو میں دعا کو قبول کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قریب ہیں اس سے معلوم ہوا کہ دعا آہستہ مانگنی چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ فقط عرش پر نہیں بلکہ ہر جگہ بلا مکان موجود ہیں۔ اس آیت سے اشارۃً معلوم ہو رہا ہے کہ روزے کے بعد خصوصاً افطار کے وقت دعا قبول ہوتی ہے لہذا اس وقت دعا کا خوب اہتمام کرنا چاہیے۔

اعتکاف کا بیان:

﴿وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ..... (۱۸۷)﴾

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ مرد حضرات ایسی مساجد میں اعتکاف کریں جس میں نماز باجماعت ہوتی ہو۔ جبکہ خواتین اپنے گھروں میں مخصوص جگہوں میں اعتکاف کریں۔

چاند کا فائدہ:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ..... (۱۸۹)﴾

چاند سے اسلامی تاریخ معلوم ہوتی ہے اور اس کے علاوہ اس کے ذریعے سے

عبادات یعنی حج، روزہ اور عدت کی مدت کے علاوہ دیگر معاملات اور معاہدوں کی میعاد مقررہ کا پتہ بھی چلتا ہے۔

جہاد و قتال:

﴿وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾﴾

جہاد کا مسئلہ بیان فرمایا، جہاد فرض ہے اور اس کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے جہاد قیامت تک جاری وساری رہے گا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین فرمالیں کہ شریعت کی اصطلاح میں جہاد نام ہے "قتال فی سبیل اللہ "کا، اگر کسی اور حکم شرعی پر جہاد کے لفظ کا استعمال ہوا ہے تو وہ لغت کے اعتبار سے ہے شریعت کی اصطلاح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو دیگر تمام اعمال کرنے والوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے، جہاد بہت عظیم و مبارک اور مقدس عمل ہے۔

حج کا بیان:

﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ ۙ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ۔۔۔۔ ﴿۱۹۷﴾﴾

حج اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ حج میں دو ارکان ہیں ایک وقوف عرفہ دوسرا طواف زیارۃ۔ پانچ دنوں میں، پانچ مقامات پر سات عبادتوں کے کرنے کو حج کہتے ہیں۔

حج کے پانچ دن یہ ہیں: 8، 9، 10، 11 اور 12 ذوالحجہ۔ حج کے پانچ مقامات یہ ہیں: بیت اللہ، صفا، مروہ، منیٰ، مزدلفہ اور عرفات۔ حج کی سات عبادتیں یہ

ہیں: احرام، طواف، سعی، وقوف، رمی، قربانی اور حلق یا قصر۔

مرتدین کی سزا کا بیان:

﴿وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (٢١٧)﴾

پھر مرتدین کی سزا کو بیان فرمایا کہ جو شخص مؤمن ہے اور پھر وہ ایمان کو چھوڑ کر مرتد ہو جاتا ہے اگر وہ سمجھانے کے باوجود باز نہ آئے تو اس کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، وہ قتل اور ہمیشہ کے لیے جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے۔

لیکن یہاں پر یہ بات ذہن نشین فرمالیں کہ مرتد کو سزا دینا ہر آدمی کے اختیار میں نہیں ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اٹھ کر مرتد کو قتل کر دے بلکہ یہ کام حکومت وقت کا ہے۔

حالت حیض میں جماع کا حکم:

﴿وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ..... (٢٢٢)﴾

عورت کے ساتھ حالت حیض میں ہمبستری کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین فرمالیں کہ عورت کو ہر ماہ ماہواری کا جو خون آتا ہے اس کو حیض کا خون کہتے ہیں اور بچے کی ولادت کے بعد جو خون آتا ہے اس کو نفاس کا خون کہتے ہیں۔ قرآن

کریم میں حالت حیض میں بیوی کے ساتھ ہم بستر ہونے کو منع فرمایا۔ قرآن کریم میں حالت نفاس میں عورت کے ساتھ ہمبستری کے منع فرمانے کا ذکر نہیں ہے لیکن حالت نفاس میں ہمبستری بھی اسی طرح حرام و ناجائز ہے۔ حالت نفاس میں ہمبستری کے حرام ہونے کا ذکر احادیث میں بھی آیا ہے اور قران کریم میں حالت حیض پر قیاس کرنے سے حالت نفاس میں بھی ہمبستری کی حرمت سمجھ میں آتی ہے۔ اس کے حرام ہونے کی بنیادی وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ گندگی کے دن ہیں۔

ایک اور بات نوٹ فرمالیں کہ عورت نکاح کے بعد شوہر کے لیے حلال ہے لیکن جس طرح حیض اور نفاس کی حالت میں شوہر اپنی بیوی سے ہمبستری نہیں کر سکتا اسی طرح شوہر اپنی بیوی سے پچھلی جانب سے صحبت کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا، پچھلی جانب سے صحبت کرنا حرام و ناجائز ہے۔

طلاق کا بیان:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ۔---(۲۲۹)﴾

طلاق کے مسئلہ کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ طلاق کے بارے میں ذہن نشین فرمالیں کہ ایک طلاق دی تو ایک واقع ہو گی، دو طلاقیں دیں تو دونوں واقع ہوں گی۔ اگر ایک مجلس میں الگ الگ تین طلاقیں یا اکٹھی ایک ہی کلمہ سے تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔

مسئلہ طلاق کی تفصیلات میری فائل "**مسئلہ طلاق ثلاثہ**" میں ملاحظہ فرمائیں۔

رضاعت کا بیان:

﴿وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ

الرَّضَاعَةَ---- ﴿۲۳۳﴾

پھر بچے کے دودھ پینے کا مسئلہ بیان کیا کہ دو سال تک مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں۔ اسلام نے دودھ پیتے بچوں کے حقوق کا بھی خیال رکھا ہے کہ مدت رضاعت تک کو بیان کیا۔ مدت رضاعت کی مکمل تفصیل میری مرتب کردہ فائل **"فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات"** میں ملاحظہ فرمائیں!

اگر کوئی بچہ مدعت رضاعت میں کسی اجنبی عورت کا دودھ پی لے تو وہ بچہ اس کا رضاعی بیٹا اور وہ عورت اس کی رضاعی ماں بن جاتی ہے۔ جس طرح حقیقی نسب کے ساتھ رشتے حرام ہو جاتے ہیں تو اسی طرح رضاعت کی وجہ سے بھی رشتے حرام ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب بھی ایسی کوئی صورت پیش آئے اپنے علماء سے اس کی تفصیل معلوم کر لینی چاہیے۔

عدت کا مسئلہ:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا..... ﴿۲۳۴﴾

پھر عدت کے مسئلہ کو بیان فرمایا کہ اگر کسی عورت کو طلاق ہو جائے یا اس کا شوہر فوت ہو جائے تو دونوں صورتوں میں عورت پر عدت لازم ہے۔

مطلقہ عورت کی عدت اگر وہ حیض والی ہو تو تین حیض ہے، اگر کسی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو عدت تین ماہ ہے، حاملہ عورت کو طلاق ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ شوہر فوت ہو جائے اور عورت حاملہ نہ ہو تو عدت چار ماہ دس دن ہے، اگر حاملہ ہو تو عدت وضع حمل (بچے کی پیدائش) ہے۔

عدت کے زمانے میں نکاح کا پیغام دینا:

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ----(۲۳۵)﴾

اگر کوئی عورت عدت میں ہو تو اسے واضح لفظوں میں پیغامِ نکاح دینا درست نہیں، البتہ اشارۃً یا کنایۃً نکاح کا پیغام دیا جا سکتا ہے، لیکن اس سے پختہ وعدہ نہ لیا جائے۔

حضرت طالوت کا ذکر:

﴿فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ.....(۲۴۹)﴾

اس پارے کے آخر میں حق کے نمائندے حضرت طالوت اور باطل کے نمائندے جالوت کا واقعہ بیان فرمایا کہ جالوت کے پاس طاقت بھی تھی کثرتِ تعداد بھی تھی، منظم فوج بھی تھی اور حضرت طالوت کے پاس طاقت بھی کم تھی اور فوج بھی کم تھی، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا فرمائی۔

قرآن کریم نے باقاعدہ ضابطہ بیان فرمادیا﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ﴾ کہ کتنی جماعتیں ہیں جو طاقت میں کمزور ہوتی ہیں، ان کی تعداد بھی کم ہوتی ہے لیکن ان کی فرمانبرداری اور اطاعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتے ہیں اور اپنی مدد کے ذریعے انہیں غالب فرمادیتے ہیں۔

ہمیں خدا کے اس بیان فرمودہ اصول سے یہ بات سمجھ میں آجانی چاہیے کہ مسلمان جب بھی کامیاب ہوتے ہیں تو وہ مادیت اور دنیاوی طاقت و قوت کے بل پوتے پر غالب نہیں آتے بلکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان، بھروسہ رکھنے اور نیک اعمال کی بنیاد پر

غالب آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذات پر توکل اور بھروسہ نصیب فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ نمبر: 3

فضائل انبیاء علیہم السلام:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ..... ﴿۲۵۳﴾﴾

تیسرے پارے کے شروع میں انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا۔ ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام میں سے بعض انبیاء کو اللہ تعالی نے دوسرے بعض پر فضیلت دی ہے۔ امت سے تو تمام انبیاء علیہم السلام افضل ہیں لیکن نبیوں میں سے بعض نبی دوسرے نبی سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو براہ راست اپنے ساتھ ہم کلام ہونے کا شرف بخشا ہے تو کسی نبی کو کوئی اور اعزاز بخشا ہے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کو جو معجزات دیے ان کا ذکر کیا ہے۔

آیت الکرسی اور اس کی فضیلت:

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ وَ لَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾﴾

آیت الکرسی قرآن کریم کی افضل ترین آیت ہے اس کے پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس کی ایک فضیلت یہ ہے کہ جو شخص فرض نماز کے بعد اس کے پڑھنے کا اہتمام کرے اس کے جنت میں داخل ہونے کے لیے موت کے سوا کوئی چیز مانع نہیں۔

اس کے پڑھنے سے شیاطین اور چوروں سے حفاظت رہتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ..... (۲۵۸)﴾

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے جو مناظرہ ہوا ہے اس کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، نمرود خود کو سجدے کراتا تھا، خدائی کا دعوی کرتا تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دلیل کی طاقت کے ساتھ اس کو خاموش کرایا۔

مناظرہ کرنا گناہ نہیں:

یہ بات ذہن نشین فرمالیں کہ جس طرح دین کا کام تصنیف ہے، تبلیغ ہے، دعوت ہے، جہاد ہے، وعظ و نصیحت ہے، امامت ہے، خطابت ہے، اسی طرح مناظرہ بھی دین کا حصہ ہے۔ میں ان حضرات سے کہتا ہوں کہ جو مناظروں کی مخالفت کرتے ہیں کہ وہ قرآن کی اس آیت کو سنیں، کیا آپ قرآن کریم کی اس آیت کو قرآن سے نکال دیں گے؟ اور انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، چھوٹا یا بڑا کوئی بھی گناہ کا کام نہیں کرتے؛ اگر مناظرہ کرنا گناہ ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام کبھی بھی اس کو نہ کرتے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ:

﴿اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا..... (۲۵۹)﴾

حضرت عزیر علیہ السلام کا ایک تباہ شدہ بستی سے گزر ہوا ان کے دل میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ کیسے زندہ فرمائیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام پر سو سال تک موت کو طاری کیا، پھر انہیں زندہ کیا۔

موت کے بعد زندہ ہونا:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ..... (٢٦٠)﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: اے اللہ! میں جانتا ہوں آپ زندہ بھی کرتے ہیں اور مارتے بھی ہیں۔ لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں کہ آپ قیامت کے دن بندوں کو کیسے زندہ کریں گے؟ اللہ نے پوچھا: ﴿اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ﴾ کیا آپ کو یقین نہیں؟ تو فرمایا: ﴿بَلٰى﴾ کیوں نہیں! یقین تو ہے ﴿وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ﴾ لیکن آنکھوں سے دیکھ لوں گا تو میرا دل مطمئن ہو گا کہ اللہ جی آپ کیسے زندہ فرمائیں گے! فرمایا چار پرندے لے لیں، ٹکڑے کر کے پہاڑوں پر رکھیں، پھر انہیں اپنی طرف بلائیں وہ دوڑتے ہوئے آئیں گے۔

انفاق فی سبیل اللہ کی مثال:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ..... (٢٦١)﴾

اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے والوں کے اجر کو ایک مثال سے سمجھایا۔ کسان زمین میں ایک دانہ بوتا ہے اس سے سات بالیاں اگتی ہیں ہر بالی میں سو دانے ہوتے ہیں تو کسان ایک دانہ خرچ کر کے سات سو دانے حاصل کرتا ہے۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک روپیہ خرچ کر کے سینکڑوں نیکیاں کما لیتا ہے۔

سود کی حرمت اور سود پر وعید:

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا..... (۲۷۵)﴾

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ..... (۲۷۹)﴾

پھر سود کی حرمت کو بیان فرمایا ہے۔ سود پر جہاں اور وعیدیں ہیں وہاں اہم ترین وعید یہ ہے کہ اللہ تعالی نے سود خور کے ساتھ اعلان جنگ کیا ہے۔ جنگ کا ضابطہ یہ ہے کہ جس سے جنگ ہوتی ہے ایک فریق اس کی سب سے قیمتی چیز کو تباہ و برباد کرتا ہے اور اللہ تعالی کے یہاں سب سے قیمتی چیز ایمان ہے۔ سود خور جب سود کو حلال سمجھتا ہے تو ایمان ختم ہو جاتا ہے اور حرام سمجھ کر کھاتا ہے اور اس پر مداومت کرتا ہے توبہ نہیں کرتا تو بھی خدشہ ہے کہ ایمان ختم نہ ہو جائے۔ سود سے بچنا ضروری ہے۔ سود کا ایک روپیہ کھانا اپنی ماں سے ستّر مرتبہ بد فعلی کرنے سے بڑا جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔

مالی معاملات کا بیان:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ..... (۲۸۲)﴾

قرآن کریم نے مالی معاملات کو بھی بہت اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے، لین دین، تجارت اور رہن کے مسائل کو بیان کیا۔ اگر کبھی لین دین یا سفر میں رہن رکھنے کی ضرورت پڑ جائے تو اس کی تحریری دستاویز تیار کر لینی چاہیے اور اس پر گواہ بھی بنا لینے چاہییں۔

جامع اور مفید ترین دعا:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاغْفِرْ لَنَا ۗ وَارْحَمْنَا ۗ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (۲۸۶)﴾

اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں تو ہماری پکڑ نہ فرمائیے گا۔ اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ رکھیے گا جیسا آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر رکھا تھا۔ اے ہمارے رب! ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھوائیے گا جس کی ہم میں طاقت نہیں۔ ہمیں معاف کر دیجیے، ہمیں بخش دیجیے اور ہم پر رحم کیجیے۔ آپ ہی ہمارے کارساز ہیں، کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کیجیے۔

سورۃ بقرۃ کے آخر میں ایک جامع اور مفید ترین دعا کا ذکر کیا ہے۔ اگر احکام کی تعمیل میں ہم سے کوئی غلطی یا کمی کوتاہی ہو جائے تو یہ دعا مانگنی چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر کا معاملہ فرمائیں۔

سورۃ آل عمران

وجہ تسمیہ:

"آل" اولاد کو کہتے ہیں اور "عمران" ایک شخص کا نام ہے آلِ عمران کے معنی عمران کی اولاد، اس سورت میں چونکہ اولادِ عمران کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے اس لیے اس سورت کا نام آلِ عمران ہے۔

عیسائیوں کے وفد کی خدمتِ نبوی میں آمد:

﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶﴾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجران کے عیسائی ساٹھ افراد کا وفد لے کر آئے۔ انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مکالمہ کیا کہ حضرت عیسی علیہ السلام الہ ہونے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہیں۔ انہوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے قرآن کریم کے ان الفاظ سے استدلال کیا جن میں عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ، روح اللہ فرمایا گیا ہے۔

گفتگو کی ترتیب:

عیسائیوں کو ناز تھا کہ ہمارے یہاں شاعری بہت ہے تو انہوں نے اپنا شاعر کھڑا کیا۔ اس کے مقابلے کے لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو کھڑا کیا تو ان کا شاعر شکست کھا گیا۔

خطابت پر ناز تھا تو انہوں نے اپنا خطیب کھڑا کیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مقابلے میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو کھڑا کیا تو ان کا خطیب بھی شکست کھا گیا اور پھر جب دلائل کی باری آئی خود حضور اکرم صلی علیہ وسلم نے دلائل سے توحید خداوندی کو ثابت کر کے ان کے عقیدہ تثلیث کی تردید فرمائی۔

صفات محکمات، متشابہات:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ

﴿وَأُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ..... ﴿٧﴾﴾

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان ہو رہا ہے۔ اور صفات کی دو قسمیں ہیں:

محکمات متشابہات

صفات محکمات وہ صفات ہیں جن کا معنی ظاہر اور واضح ہے۔ مثلاً سمع، بصر، علم، قدرت وغیرہ اور صفات متشابہات وہ صفات ہیں جن کے معانی غیر واضح اور مبہم ہیں، عقل انسانی کی وہاں تک رسائی نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ید، وجہ، عین وغیرہ جیسے کلمات اللہ تعالی کی صفات متشابہات ہیں۔

پھر صفات محکمات کی دو قسمیں ہیں: صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ

صفات ذاتیہ ان صفات کو کہتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو اور ان کی ضد کے ساتھ موصوف نہ ہو۔ یہ صفات سات ہیں: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔

صفات فعلیہ ان صفات کو کہتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو اور ان کی ضد کے ساتھ بھی موصوف ہو لیکن ان کا وقوع اللہ تعالیٰ کے غیر پر ہوتا ہو جیسے اِحیاء، اِماتت، اِھداء، اِضلال، اِعزاز، اِذلال وغیرہ۔

صفات باری تعالیٰ کی مکمل تفصیل میری کتاب "**شرح الفقہ الاکبر**" میں ملاحظہ فرمائیں۔

اہل کتاب کے جرائم:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ..... ﴿٢١﴾﴾

پھر اس سورۃ میں یہود و نصاریٰ کے جرائم کو بیان کیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم

السلام کو ناحق قتل کیا کرتے تھے، اللہ تعالی کے نیک بندوں کو تنگ کرتے تھے، ظلم و تشدد کرتے تھے۔ ان کے جرائم کی پاداش میں ان کے اعمال ضائع ہونے اور جہنم میں داخلے کی وعید سنائی گئی ہے۔

کفار کو دلی دوست نہ بنائیں:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ.... ﴿۲۸﴾﴾

ہمیں حکم دیا کہ ان کے ساتھ قلبی تعلقات، دوستی اور محبت قائم نہ کرو۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ قلبی محبت جسے موالات کہتے ہیں کفار کے ساتھ جائز نہیں۔ ہاں البتہ رکھ رکھاؤ، وقتی ضرورت اور اپنے ماحول کو سازگار رکھنے کے لیے ایسے تعلقات جسے مدارات کہتے ہیں اس کی گنجائش ہے مگر یہ بھی علماء سے پوچھ لینا چاہیے کہ یہ تعلق کیسا ہے یہ تعلق کیسا ہے۔ کفار کے ساتھ تجارت جائز ہے مگر اس وقت جب کفار مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچاتے ہوں، ان کی املاک نہ تباہ کرتے ہوں اور کفار اپنے تجارتی مال کو اسلام کے خلاف استعمال نہ کر رہے ہوں۔ بہر حال ہر وقت علماء سے رابطہ رکھنا چاہیے اور پوچھ لینا چاہیے کہ اس تعلق کی نوعیت کیا ہے، یہ تعلق کیسا ہے، یہ تعلق کیسا ہے۔

پھر اس سورۃ میں تین بڑے اہم واقعات بیان کیے ہیں:

1: حضرت مریم کی والدہ کا ذکر:

﴿اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ.... ﴿۳۵﴾﴾

حضرت مریم کی والدہ حضرت حنہ بنت فاقوذ کا ذکر ہے کہ ان کی اولاد نہیں تھی تو انہوں نے منت مانی کہ اے اللہ تو مجھے بیٹا دے میں اس کو تیرے دین کے لیے وقف کروں گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹی عطا فرمائی تو حضرت مریم کی والدہ کو شبہ ہوا کہ بیٹا ہوتا تو میں دین کے لیے پیش کرتی لیکن میری تو بیٹی ہوئی ہے اور بیٹی کیا کرے گی؟ تو اللہ تعالی نے بڑا پیارا جواب دیا ﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى﴾ کہ جو بیٹا تونے مانگا تھا وہ اس بیٹی کی طرح نہیں ہے جو ہم نے دی ہے۔

بسا اوقات دینی معاملات میں بیٹیاں بیٹوں سے بھی بڑھ جاتی ہیں۔ بیٹیاں اللہ تعالی کی رحمت ہیں اس لیے بیٹی کی پیدائش پر دل چھوٹا نہیں کرنا چاہیے اللہ تعالی کی رحمت کو خوشی خوشی قبول کرنا چاہیے۔

نذر کا مسئلہ:

پھر نذر کا مسئلہ بیان کیا کہ نذر صرف اللہ کے لیے ہو کسی غیر اللہ کے لیے ہرگز نہیں ہونی چاہیے کیوں کہ نذر عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ کی ہوتی ہے۔

2: حضرت زکریا و یحیٰ علیہما السلام کا ذکر:

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿٣٨﴾﴾

پھر زکریا علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے حضرت مریم جبکہ وہ چھوٹی تھیں، کے پاس بغیر موسم کے پھل دیکھے تو حضرت زکریا علیہ السلام نے پوچھا کہ اے مریم! تمہارے پاس یہ تر و تازہ پھل کہاں سے آئے ہیں؟ حضرت مریم نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ یہ حضرت مریم کی کرامت تھی۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں اولاد نہیں تھی۔ حضرت مریم کے پاس بغیر موسم کے پھل دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعا مانگی کہ اے اللہ! مجھے بھی اپنی طرف سے اولاد عطا فرما جس طرح تو نے مریم کو بغیر موسم کے پھل دیا ہے۔ حالانکہ حضرت زکریا بھی بوڑھے تھے اور ان کی اہلیہ بھی بوڑھی بانجھ تھیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا۔

ہر حال میں اللہ سے مانگنا:

اس واقعے سے یہ واضح طور پر معلوم ہوا کہ ولی کی کرامت دیکھ کر ولی کے خدا سے مانگنا چاہیے نہ کہ خود ولی سے، اور پھر مزارات پر چکر لگانے لگیں یہ شرک ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔ یاد رکھیں کہ ولی کی کرامت کو دیکھ کر ولی سے مانگنا؛ یہ اسلام نہیں ہے، ولی کی کرامت دیکھ کر ولی کے خدا سے مانگنا؛ یہ اسلام ہے۔

3: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر:

﴿قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾﴾

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو بیان فرمایا کہ وہ خدا کے کلمہ کن سے بغیر کسی ظاہری سبب کے پیدا ہوئے۔ مذکورہ تینوں واقعات خرق عادت بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دلالت بھی کرتے ہیں۔

یہودیوں کا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ:

﴿وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾﴾

یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا، دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے انہیں بچانے کی تدبیر فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر ہی غالب رہتی ہے۔

﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ..... ﴿۵۵﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمادیا کہ تجھے دنیا میں دوبارہ اتارنے کے بعد ظاہری موت مَیں ہی دوں گا۔ اس کے بعد فرمایا اور میں تجھے ابھی زندہ آسمان پر اٹھالوں گا اور تجھ تک یہود کے ہاتھ پہنچنے بھی نہیں دوں گا۔ تجھے ان بد بخت یہود سے محفوظ رکھوں گا اور پھر جو تیرے ماننے والے ہیں انہیں کامیاب کروں گا۔

عقیدہ اسلام:

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں۔ قیامت سے پہلے آئیں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی حیثیت سے آئیں گے، جہاد کریں گے اور پھر پوری دنیا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکت سے کوئی ایک شخص بھی کافر نہیں رہے گا۔ اگر آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی زندگی میں دیکھ لیں تو ان کے سپاہی بنیں اور ان کے معاون بنیں۔

نظریہ یہود کی تردید:

رفعِ عیسیٰ علیہ السلام سے یہودیوں کے اس باطل نظریے کا رد ہو گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا گیا ہے اور وہ قتل کر دیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید میں فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر نہیں چڑھایا گیا بلکہ وہ آسمان پر حیات ہیں۔

مباہلہ کی دعوت:

﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ..... (۶۱)﴾

عیسائیوں کا جو وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا تھا دلائل سننے کے باوجود بھی انہوں نے جب حق کا اعتراف نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے انہیں مباہلہ کی دعوت دی وہ مباہلہ پر تیار نہ ہوئے بلکہ جزیہ دینا قبول کر لیا۔

انبیاء علیہم السلام سے عہد:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ..... (۸۱)﴾

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا کہ اگر تمہاری موجودگی میں سید الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو تم سب نے ان پر ایمان لانا ہے۔ انبیاء سے جو عہد لیا ہے حقیقت میں وہ عہد ان کی امتوں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کی نعمت عطا فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ نمبر:4

محبوب ترین چیز خرچ کرنا:

﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ..... ﴿۹۲﴾﴾

چوتھے پارے کے شروع میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی محبوب اور پسندیدہ چیز خرچ کیا کرو۔

خصائص بیت اللہ:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۹۶﴾﴾

پھر بیت اللہ کی خصوصیات اور فضیلت کو بیان فرمایا کہ زمین پر سب سے پہلی عبادت گاہ کعبۃ اللہ ہے۔ اس میں اہم نشانیاں ہیں؛ جن میں مقام ابراہیم وہ پتھر جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر بیت اللہ کی تعمیر کرتے تھے، زمزم کا کنواں ہے، زمزم وہ پانی ہے جو حضرت ہاجرہ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وجہ سے نکلا تھا اور حطیم شامل ہیں۔ جو شخص حرم میں داخل ہو جائے اسے امن مل جاتا ہے۔

حج کی فرضیت:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا..... ﴿۹۷﴾﴾

پھر اس پارے میں اللہ تعالیٰ نے حج کے فرض ہونے کو بیان فرمایا ہے۔ جو شخص سفر وغیرہ کے اخراجات برداشت کر سکتا ہو، پیچھے اہل خانہ کے گذر بسر کا

انتظام بھی ہو اور وہاں قیام کا خرچہ بھی ہو، اگر عورت ہو تو محرم بھی اس کے ساتھ ہو تو ایسے شخص پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ فریضہ حج ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔

اھل السنۃ والجماعۃ کا تذکرہ:

﴿يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ..... (١٠٦)﴾

قیامت کے دن اہل السنۃ والجماعۃ کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

امت محمدیہ کی فضیلت:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ..... (١١٠)﴾

پھر اس امت کی خصوصیت بیان فرمائی ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں، امر بالمعروف کرتے ہیں اور نہی عن المنکر بھی کرتے ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بہت اہتمام کرنا چاہیے۔ جو جائز اسباب ہیں نیکی کی طرف لانے کے ان کو اختیار کرنا چاہیے اور جو جائز اسباب ہیں گناہ سے بچنے کے ان کو اختیار کرنا چاہیے۔

کفار و منافقین سے دلی دوستی کی ممانعت:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَ مَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ

اَكۡبَرُ..... ﴿۱۱۸﴾

مسئلہ بیان فرمایا کہ منافقین اور کفار سے قلبی تعلق نہ رکھو کیونکہ وہ تمہیں نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ ان کے دلوں میں جو بغض اور حسد پوشیدہ ہے وہ ان کی اعلانیہ باتوں سے زیادہ سخت ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو دین اور دنیا کی پریشانی لاحق ہو۔ ہاں البتہ رکھ رکھاؤ اور وقتی ضرورت الگ چیز ہے۔

غزوات کا تذکرہ:

﴿وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ ..... ﴿۱۲۳﴾﴾

پھر غزوات کا ذکر کیا ہے، یعنی غزوہِ بدر، غزوہ احد اور غزوہ حمراء الاسد۔ لیکن یہاں تفصیل سے غزوہ احد کا ذکر ہے جو کہ پچپن آیات پر مشتمل ہے۔ اسلام کی سب سے پہلی جنگ جس نے حق اور باطل کا فیصلہ کیا وہ جنگ بدر ہے، جس میں مشرکین مکہ کو شکست ہوئی۔ انہوں نے اس کا انتقام لینے کے لیے خوب تیاری کی۔ 3 ہجری میں مدینہ منورہ پر چڑھائی کی۔ اولاً مسلمانوں کو فتح ہوئی لیکن پھر مسلمانوں کی اجتہادی خطا (یعنی جبل الرماۃ پر جو پچاس افراد کا دستہ متعین تھا وہ اپنی ذمہ داری چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گیا تھا) کی وجہ سے یہ فتح شکست میں تبدیل ہو گئی جس سے ستر صحابہ کرام شہید ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شہداء میں شامل تھے۔

ان غزوات کے ذکر کرنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اسلام جہاد ہی سے غالب آتا ہے۔

ذاکرین کا تذکرہ:

﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ..... ﴿۱۹۱﴾﴾

دلائل قدرت کا ذکر کرتے ہوئے ذاکرین کی شان بیان کی گئی ہے کہ وہ اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

اہل ایمان کا تذکرہ:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾﴾

پھر سورۃ آل عمران کے آخر میں اہل ایمان کو حکم دیا: تم صبر کرو، یعنی مصائب کی وجہ سے دل چھوٹا نہ کرنا۔ شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ کرو یعنی ڈٹ جاؤ، سرحدوں پر پہرے دو، ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں احکام شریعت پر عمل کرنے کی توفیق دے اور شریعت کی حفاظت کے لیے پہرے دار بننے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

سورۃ النساء

وجہ تسمیہ:

نساء عورتوں کو کہتے ہیں اس میں چونکہ اللہ تعالیٰ نے خواتین کے متعلقہ احکام بیان فرمائے ہیں اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام سورۃ النساء رکھ دیا گیا ہے۔

اسلام کی نظر میں عورت کی عظمت:

حیران کن بات یہ ہے کہ پورے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرجال یعنی

مردوں کے نام سے کوئی سورۃ نازل نہیں فرمائی البتہ عورتوں کے نام سے سورۃ نازل فرمائی ہے۔خواتین کو کس قدر عظمت دی ہے! اب اس پروپیگنڈے سے متاثر ہونا کہ اسلام عورت کو عظمت نہیں دیتا، حقوق کا خیال نہیں رکھتا یہ ناانصافی ہے۔ اسلام نے سب سے زیادہ عورت کے حقوق بیان کیے ہیں اور عزت بھی دی ہے، مگر کوتاہی ہماری ہے کہ ہم اسلام پر عمل نہیں کرتے۔

اس سورۃ میں کئی احکام بیان کیے ہیں:

یتیموں کے مال کی حفاظت:

﴿وَاٰتُوا الۡيَتٰمٰۤى اَمۡوَالَهُمۡ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِيۡثَ بِالطَّيِّبِ..... ﴿۲﴾﴾

یتیموں کا مال ان کے حوالے کر دینا چاہیے،نہ ہی اسے کھائیں اور نہ ہی ان کے عمدہ مال کو ردی مال سے بدلنے کی کوشش کریں کیونکہ ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

تعدد ازواج کا بیان:

﴿فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَـكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ..... ﴿۳﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے تعدد ازواج کا مسئلہ بیان فرمایا کہ ایک سے زائد؛ چار تک نکاح کرنے کی اجازت ہے لیکن ضروری نہیں۔ اگر کسی شخص کے پاس طاقت و ہمت ہو، اسباب ہوں، عدل کرتا ہو تو ذہن نشین فرمالیں کہ ایک سے زائد شادیاں کرنے والا افضل ہے۔ لیکن اگر حقوق ادا نہ کر سکتا ہو تو اس پر مواخذہ بھی سخت ہے۔ اگر ایک سے زائد شادیوں پر قوت و طاقت نہ ہو، اسباب نہ ہوں اور حقوق ادا نہ کر سکتا ہو تو پھر ایک ہی نکاح پر اکتفا کرنا بہتر ہے۔

میراث کا بیان:

﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوۡلَادِكُمۡ ۚ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ..... ﴿١١﴾﴾

پھر میراث کا مسئلہ بیان فرمایا، وراثت کے تفصیلی اصول بیان فرمائے کہ کس کو کتنا حصہ دینا ہے۔ جہاں مردوں کے لیے میراث کے حصص کو بیان کیا ہے وہاں عورتوں اور بچوں کو وراثت کا حق دار قرار دیتے ہوئے ان کے لیے بھی حصص کو بیان کیا ہے اور یہ بتایا کہ عورتوں کو حصہ دینا ان پر کسی کا احسان نہیں بلکہ ان کا حق اور اللہ تعالی کی طرف سے مقرر کردہ فریضہ ہے۔

محرمات کا بیان:

﴿حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ اُمَّهٰتُكُمۡ وَبَنٰتُكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ..... ﴿٢٣﴾﴾

محرمات کو بیان فرمایا یعنی کس سے نکاح کرنا جائز ہے، کس سے ناجائز ہے۔ یہ بات ذہن نشین فرمالیں کہ نکاح حرام ہونے کے بنیادی طور پر تین اسباب ہیں:

1: نسب۔ یعنی جو خونی رشتے ہیں۔

2: رضاعت۔ یعنی دودھ پینے کی وجہ سے جو رشتے ہوتے ہیں۔

3: مصاہرت۔ شادی کرنے کی وجہ سے جو رشتے ہوتے ہیں۔ کسی عورت سے نکاح اور رخصتی ہو گئی ہو تو اس کی والدہ یعنی اپنی ساس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

وَاٰخِرُ دَعۡوَانَآ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ

پارہ نمبر:5

جن عورتوں سے نکاح جائز ہے:

﴿وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ﴿۲۴﴾﴾

چوتھے پارے کے آخر میں محرمات کا ذکر تھا۔ اب پانچویں پارے کے شروع میں محرمات کے علاوہ ان عورتوں کا ذکر ہے جن سے نکاح کرنا حلال وجائز ہے۔ نکاح سے مقصود پاک دامنی ہے نہ کہ صرف شہوت پوری کرنا۔ نکاح کے لیے ایجاب و قبول، دو گواہ اور حق مہر کا ہونا ضروری ہے۔ جب نکاح ہو تو اس کا اعلان بھی لازمی کرنا چاہیے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں کا فلاں سے نکاح ہوا ہے۔ اس سے انسان تہمت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

حرمتِ متعہ:

متعہ کہتے ہیں کہ کوئی آدمی کسی عورت سے کہے میں تجھ سے اتنے دنوں کے لیے اتنے اتنے مال کے بدلے نفع اٹھانا چاہتا ہوں اور وہ عورت اسے قبول کرلے۔ اس میں نہ تو لفظ نکاح استعمال ہوتا ہے اور نہ ہی دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہوتی ہے۔ لہذا جس طرح زنا حرام ہے اسی طرح متعہ بھی حرام ہے۔

مرد کی حاکمیت وفضیلت:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ..... ﴿۳۴﴾﴾

مرد کو اللہ تعالیٰ نے عورت پر فضیلت دی ہے اور اس پر حاکم مقرر کیا ہے اس کی دو وجوہات ہیں:

1: عورت کے تمام اخراجات مرد کے ذمہ ہیں۔

2: تکوینی طور پر فطرت اور طبیعت کے اعتبار سے مرد کو فضیلت دی ہے۔

یہ ضابطہ عام مرد اور عورت کے اعتبار سے ہے لیکن بعض خواتین علم و فضل میں یا کبھی جسمانی قوت و طاقت میں کسی مرد سے آگے نکل جائیں تو یہ اس ضابطے کے خلاف نہیں۔

نافرمان بیوی کی اصلاح کا طریقہ:

﴿فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ..... ﴿٣٤﴾﴾

اگر کبھی بیوی نافرمان اور سرکش بن جائے تو اس کی اصلاح کے لیے تین تدبیریں درجہ بدرجہ اپنائی جائیں:

1: اسے سمجھایا جائے اور نافرمانی کی وجہ سے برے انجام سے آگاہ کیا جائے۔

2: اگر سمجھانے سے اصلاح نہ ہو تو اسے بستر سے الگ کر دیا جائے۔

3: اس کے بعد بھی سرکشی ختم نہ ہو تو شرعی حدود میں رہتے ہوئے مناسب سزا دی جائے۔

طہارت کے مسائل:

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ..... ﴿٤٣﴾﴾

یہاں طہارت کے مسائل بیان فرمائے ہیں مثلاً جب نماز پڑھنی ہو یا قرآن

کریم کو ہاتھ لگانا ہو یا کوئی ایسا مسئلہ ہو جہاں طہارت کی ضرورت ہو تو وہاں وضو کرنا ضروری ہے۔ تین حالتوں میں غسل کرنا فرض ہے:

- احتلام ہو جائے۔
- اپنی اہلیہ سے ہمبستری کے بعد۔
- حیض و نفاس کے بعد۔

تیمم کا حکم ایک نعمت ہے:

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا..... ﴿۴۳﴾﴾

اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ وضو و طہارت کے لیے ایسی چیز کو پانی کے قائم مقام کر دیا جو پانی سے بھی زیادہ آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ زمین اور مٹی ہر جگہ موجود ہے، تیمم کی نعمت صرف امت محمدیہ کی خصوصیت ہے۔

امانت ادا کرنے کی تاکید:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا..... ﴿۵۸﴾﴾

اس آیت کا شان نزول تو خاص واقعہ ہے کہ ہجرت سے پہلے عثمان بن طلحہ؛ جو کعبہ کے کنجی بردار تھے؛ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے روکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ سے فرمایا تھا کہ اے عثمان! شاید تم ایک دن بیت اللہ یہ کی کنجی میرے ہاتھ میں دیکھو گے اس وقت مجھے اختیار ہو گا جس کو چاہوں سپرد کر دوں۔ جب فتح مکہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ سے کنجی لے لی اور بیت اللہ میں نماز ادا کرنے کے بعد کنجی عثمان کو واپس کر دی اور فرمایا یہ قیامت تک تمہارے خاندان کے پاس رہے گی۔ لیکن اس آیت کا حکم عام ہے جس کی

پابندی تمام معاملات میں پوری امت کے لیے ضروری ہے۔

خدا، مصطفیٰ اور فقہاء:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ...... (۵۹)﴾

اللہ تعالیٰ نے شریعت پر عمل کرنے کے حوالے سے ارشاد فرمایا: خدا کی اطاعت کرو، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور فقہاء کی اطاعت کرو۔

یہ تین باتیں کیوں فرمائی ہیں؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو خالق اور مالک ہیں، ہم مخلوق اور مملوک ہیں ہم نے اللہ تعالیٰ کی بات ماننی ہے لیکن ہم دنیا میں اپنے اس کان سے اللہ تعالیٰ کی بات سن نہیں سکتے، اس آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکتے تو ہم اللہ تعالیٰ کی بات کو کیسے مانیں گے؟ اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ہمارے درمیان ایک واسطہ ہو اور وہ واسطہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی بات کو سنتے ہیں۔ کوئی نبی براہِ راست سنتا ہے اور کوئی بذریعہ جبرئیل علیہ السلام سنتا ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ القاء بھی فرمادیتے ہیں۔

پھر ہمارے پیغمبر پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عربی ہیں ہم عجمی ہیں ہم عربی نہیں جانتے اور اگر کوئی عربی نہ سمجھتا ہو تو وہ قرآن وسنت کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا تو ہم نبی کی بات کیسے مانیں؟ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فقہاء کی بات مانو! فقہاء اللہ اور نبی کی بات کی تشریح کرتے ہیں۔

خدا کی بات کو قرآن کہتے ہیں، مصطفیٰ کی بات کو حدیث کہتے ہیں اور فقہاء کی بات کو فقہ کہتے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ نے یہاں قرآن کریم، حدیث اور فقہ تینوں کو ماننے کا حکم دیا ہے۔

اجتہاد اور قیاس کا ثبوت:

﴿فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوۡلِ..... ﴿۵۹﴾﴾

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اے فقہاء کرام! اگر تمہارا کسی مسئلہ کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب رجوع کرو۔ مفسرین کرام نے اس سے اجتہاد اور قیاس کو ثابت کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائے مغفرت کروانا:

﴿وَ لَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَ اسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ..... ﴿۶۴﴾﴾

یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ میں منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کا حکم عام ہے۔ جو شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے دعائے مغفرت کر دیں تو اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی کے حکم میں ہے، جیسا کہ دیہاتی والا واقعہ مشہور ہے۔

انعام یافتہ طبقات:

﴿اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيۡقِيۡنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيۡنَ..... ﴿۶۹﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ میں یہ بات فرمائی تھی کہ مجھ سے دعا مانگو﴿اِهۡدِ

نَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ اے اللہ! ہمیں صراط مستقیم پر چلائیے۔ یہ صراط مستقیم کیا ہے؟ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے خود دیا کہ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا۔ ان انعام یافتہ لوگوں کا ذکر پانچویں پارے کی اس آیت میں کیا۔ یہ انعام یافتہ طبقات چار ہیں:

انبیاء کرام علیہم السلام، صدیقین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، شہداء اور اولیاء

پہلی بات انبیاء علیہم السلام کی بات مانو؛ نبی تو ہر علاقے میں نہیں تو فرمایا کہ صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلو۔ پھر ہر علاقے میں صحابی بھی نہیں تو فرمایا کہ شہید کے نقش قدم پر چلو۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ شہید شہادت کے بعد ہماری بات کو سن بھی لے تو وہ بتائے گا کیسے؟ تو پھر فرمایا اولیاء، علماء اور بزرگانِ دین کے نقشِ قدم پر چلو۔ تو ہمیں چاروں کے نقشِ قدم پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے۔

عوام کے لیے تقلیدِ ائمہ کا ثبوت:

﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ..... (۸۳)﴾

اگرچہ یہ آیت جنگ کے بارے میں ہے لیکن حکم عام ہے جن مسائل میں کوئی نص نہ ہو تو ان کے احکام کے حل کے لیے دو طرف رجوع کرنے کا حکم دیا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں تو ان کی طرف رجوع کرکے حل کروائیں اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو علماء اور فقہاء کی طرف رجوع کرکے حل کروائیں۔

قتل اور دیت کا بیان:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا..... (۹۲)﴾

اللہ تعالیٰ نے قتل کے احکام بیان فرمائے ہیں کہ مسلمان کی شان کے لائق

نہیں کہ کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے۔

اولاً قتل کی دو قسمیں ہیں: قتل عمد اور قتل خطا، پھر یہاں قتل خطا کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

1: مؤمن قتل ہو جائے تو قاتل پر دیت اور کفارہ لازم ہو گا۔ دیت کی مقدار احادیث میں بیان کی گئی ہے: سو اونٹ یا دس ہزار دینا لازم ہوں گے، کفارہ میں ایک مسلمان غلام آزاد کیا جائے گا اگر غلام میسر نہ تو دو ماہ مسلسل روزے رکھنے پڑیں گے۔

2: اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں رہتا ہو، اسے غلطی سے قتل کر دیا جائے تو صرف کفارہ لازم ہو گا۔

3: اگر کوئی ذمی (جو دارالاسلام میں معاہدہ کے تحت رہتا ہو) کو قتل کر دے تو اس میں بھی قاتل پر کفارہ اور دیت لازم ہو گی۔

صلوۃ خوف اور صلوۃ قصر:

﴿وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ..... ﴿۱۰۱﴾﴾

گزشتہ آیات میں جہاد اور ہجرت کا بیان تھا تو چونکہ ان دونوں میں خوف وخطر کا سامنا ہوتا ہے جس کی وجہ صلوۃ خوف اور قصر کی نوبت پیش آتی ہے اس لیے یہاں صلوۃ خوف اور صلوۃ قصر کا ذکر کیا ہے۔ ان کی تفصیلات کے لیے کتبِ فقہ اور علماء کرام سے رجوع فرمائیں۔

اجماعِ امت حجت ہے:

﴿وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ

الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ..... ﴿۱۱۵﴾

اس آیت میں دو چیزوں کو بڑا جرم اور دخول جہنم کا سبب ہونا بتایا ہے:

1: ایک مخالفتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اور یہ ظاہر ہے کہ مخالفتِ رسول کفر اور بڑا جرم ہے۔

2: جس کام پر سب مسلمان متفق ہوں اس کو چھوڑ کر ان کے خلاف کوئی راستہ اختیار کرنا، اس سے معلوم ہوا کہ اجماع امت حجت ہے۔

منافقین کی ذہنی کیفیت:

﴿مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ وَ لَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ..... ﴿۱۴۳﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی حالت بیان فرمائی کہ منافقین نہ ادھر کے ہوتے ہیں نہ ادھر کے، درمیان میں پھنسے پڑے ہوتے ہیں۔ جونہی دین میں کوئی فائدہ دیکھا تو ادھر لپک گئے دنیا میں کوئی فائدہ دیکھا تو ادھر دوڑ گئے۔

عذاب سے بچنے کا نسخہ:

﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ----- ﴿۱۴۷﴾﴾

پانچویں پارے کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے بہت پیاری بات ارشاد فرمائی ہے:
اگر تمہارا عقیدہ ٹھیک ہو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب کیوں دے گا؟ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لیے دو چیزوں کو اپنانا ضروری ہے: اول: عقائد کا ٹھیک ہونا۔ دوم: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا۔
اللہ تعالیٰ ہمیں تمام نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ نمبر:6

ظلم ختم کرنے کا قانون:

﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ---- ﴿١٤٨﴾﴾

اگر کوئی شخص کسی پر ظلم کرتا ہے اور وہ ظالم کی کسی کو شکایت کرتا ہے یا عدالت میں چارہ جوئی کرتا ہے تو یہ عدل وانصاف ہے، جرائم اور ظلم کے بند ہونے کا سبب ہے۔ مظلوم کا آواز اٹھانا اور کسی کو شکایت کرنا غیبت بھی نہیں۔ لیکن اگر مظلوم صبر کرے اور معاف کر دے تو آخرت میں بڑا اجر ملے گا۔

یہود کے دعویٰ کی تردید:

﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ..... ﴿١٥٧﴾﴾

﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٥٨﴾﴾

یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی کہ یہودیوں نے نہ تو عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے اور نہ ہی سولی پر چڑھایا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بحفاظت آسمانوں پر اٹھالیا ہے۔ اھل السنۃ والجماعۃ کے ہاں قربِ قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا عقیدہ قطعی اور اجماعی ہے۔

عقیدہ تثلیث کی تردید:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ..... ﴿١٧١﴾﴾

عقائد کے اعتبار سے نصاریٰ کے تین فرقے تھے، ان کا ماننا تھا کہ:

- عیسیٰ علیہ السلام خود خدا ہیں۔
- عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔
- عیسیٰ علیہ السلام تین میں سے تیسرے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ، روح القدس اور عیسیٰ علیہ السلام، تینوں کا مجموعہ خدا ہے۔

یہاں ان کے عقیدہ تثلیث کی تردید فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے بطن مبارک سے پیدا شدہ بشر اور خدا کے سچے رسول ہیں۔

کلالہ کی میراث کا حکم:

﴿یَسۡتَفۡتُوۡنَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفۡتِیۡکُمۡ فِی الۡکَلٰلَۃِ..... ﴿۱۷۶﴾﴾

کلالہ وہ ہوتا ہے جس کی اولاد اور والدین نہ ہوں۔ تجہیز و تکفین، قرض کی ادائیگی اور وصیت کے بعد کلالہ کی ایک بہن ہو تو اسے نصف، دو یا زیادہ ہوں تو دو تہائی، بھائی ہو تو ساری وراثت، بہن بھائی دونوں ہوں تو مذکر کو مؤنث سے دوگنا ملے گا۔

سورۃ المائدہ

وجہ تسمیہ:

"مائدہ" عربی میں دستر خوان کو کہتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ! مائدہ یعنی دستر خوان آسمان سے نازل فرما اس لیے اس سورۃ کا نام سورۃ المائدہ ہے۔ اس سورۃ میں حلال اور حرام چیزوں کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔

عہد پورا کرنے کا حکم:

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ..... ﴿۱﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا کہ معاہدات کو ضرور پورا کرو۔ ان سے مراد وہ معاہدات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے ایمان واطاعت کے متعلق لیے ہیں۔ یا مراد وہ معاہدات ہیں جو لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کر لیا کرتے ہیں۔

نو چیزوں کی حرمت کا بیان:

﴿حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّیَةُ وَ النَّطِیْحَةُ وَ مَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ ....(۳)﴾

درج ذیل نو چیزیں حرام ہیں:

مردار۔ بہنے والا خون۔ خنزیر۔ وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ جو جانور گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہو۔ جو سخت ضرب کے ذریعے ہلاک کیا گیا ہو۔ جو اوپر سے نیچے لڑھکتا ہوا گر کر مر جائے۔ جو کسی ٹکر اور تصادم سے ہلاک ہو گیا ہو۔ جسے کسی درندے جانور نے پھاڑ دیا اور وہ مر گیا۔ البتہ اضطرار کی حالت میں جبکہ جان کو خطرہ لاحق ہو ان کا اتنی مقدار میں کھانا جس سے جان بچ جائے جائز ہے۔ پہلے چار کے علاوہ اگر کسی جانور کو زندہ حالت میں پا کر ذبح کر دیا گیا تو وہ حلال ہو گا۔

تکمیلِ دین کا اعلان:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ....(۳)﴾

یہ قرآن کریم کی احکام کے اعتبار سے نازل ہونے والی آخری آیت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یوم عرفہ؛ میدانِ عرفات میں اعلان فرمایا کہ میں نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر دین کو کامل فرمادیا ہے۔ دین کے مکمل ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ مسائل قرآن کریم میں بیان فرمائے، کچھ احادیث میں اور کچھ مسائل کے لیے قرآن وحدیث میں اصول بتادیے جن کی روشنی میں باقی ماندہ مسائل کو نکالا جائے گا۔ ان مسائل کو نکال کر دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے امت کو فقہاء عطا فرمائے ہیں۔

اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم:

﴿وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ----﴿۵﴾﴾

یہاں طعام سے مراد ذبیحہ ہے۔ اہل کتاب کا ذبیحہ مسلمانوں کے لیے حلال ہے اور مسلمانوں کا ذبیحہ اہل کتاب کے لیے حلال ہے۔ اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی ایسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں جس کی قرآن وسنت تصدیق کرتے ہوں؛ یعنی توراۃ، انجیل، زبور اور صحفِ ابراہیم وموسیٰ علیہما السلام۔ لہذا یہود ونصاریٰ اہل کتاب ہیں۔

عدل وانصاف کا بیان:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ.....﴿۸﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ دوستوں سے معاملہ ہو یا دشمنوں سے، عدل وانصاف کے حکم پر قائم رہو نہ تو کسی تعلق کی بنا پر اس میں کمزوری آئے اور نہ ہی کسی سے دشمنی وعداوت کی وجہ سے اس میں کمزوری آئے۔

یہود و نصاری کے دعوی کی تردید:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ..... (۱۸)﴾

یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہیں۔ چونکہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں اس لیے گناہ بھی کریں تو اس پر ناراضگی نہیں ہوگی۔ ان کے اس دعوی کو باطل کرنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا کہ آپ ان سے پوچھیں: اچھا پھر تم بتاؤ کہ اللہ تعالی تمہیں آخرت میں عذاب کیوں دیں گے؟ سورۃ بقرہ میں یہود کا قول مذکور ہے کہ اگر ہمیں عذاب ہوا بھی تو گنتی کے چند دن ہوگا جب تمہیں خود بھی اقرار ہے، تو کیا کوئی باپ اپنے بیٹے یا محبوب کو عذاب دیا کرتا ہے؟

ہابیل اور قابیل کی داستان:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ---- (۲۷)﴾

یہاں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا ذکر ہے۔ آدم علیہ السلام اور اماں حوا جب دنیا میں آئے، اولاد کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر حمل سے جڑواں اولاد پیدا ہوتی تھی؛ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ ان کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا تھا یہ حقیقی بہن بھائی سمجھے جاتے تھے۔ دوسرے حمل سے پیدا ہونے والے لڑکے سے اس لڑکی کا نکاح جائز تھا۔ قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ بہت خوبصورت تھی۔ ہابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ کم خوبصورت تھی۔ اسی وجہ سے قابیل ہابیل کا دشمن ہوگیا۔ وہ چاہتا تھا جو لڑکی میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے وہی میرے نکاح میں دی جائے۔ آدم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق ان کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا تھا۔ آدم علیہ السلام نے اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے فرمایا تم دونوں قربانی کرو جس کی قربانی قبول ہوجائے گی یہ لڑکی اسی کو دی جائے گی ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی۔ قابیل

کی قبول نہ ہوئی۔ قابیل کو اور زیادہ غصہ آیا، اس نے ہابیل کو قتل کر دیا۔

باغیوں کی سزا کا بیان:

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَ اَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ..... ﴿۳۳﴾﴾

یہاں باغیوں، ڈاکوؤں کی سزا کو بیان کیا گیا ہے، اس سزا کا بنیادی مقصد جرائم کو ختم کرنا ہے۔ اس کی چار صورتیں ہیں: ان کو قتل کیا جائے۔ سولی پر لٹکایا جائے۔ مختلف جانب سے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں۔ جلاوطن کیا جائے۔ مختصر تفصیل یہ ہے:

- ڈاکوؤں نے دارالاسلام کے کسی مسلمان یا غیر مسلم کو قتل کیا، مال نہیں لوٹا تو ان کی سزا صرف قتل ہے۔
- اگر کسی کو قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا تو زندہ سولی پر لٹکا کر نیزے سے پیٹ کو چاک کر دیا جائے۔
- اگر صرف مال لوٹا ہے تو مخالف جانب سے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں۔
- اور اگر قتل بھی نہیں کیا اور مال بھی نہیں لوٹا تو ان کو زمین سے نکال دیا جائے، یعنی جلاوطن کر دیا جائے۔

چور کی سزا کا بیان:

﴿وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ ؕ ----- ﴿۳۸﴾﴾

کوئی شخص کسی دوسرے کا مال کسی محفوظ جگہ سے بغیر اس کی اجازت کے چھپ کر لے لے، اس کو چوری کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں عموماً خطاب مردوں کو ہوتا ہے عورتیں ضمناً، تبعاً شامل ہوتی ہیں۔ لیکن یہاں حد کا معاملہ تھا تو عورتوں کا ذکر بھی صراحتاً فرمایا کیونکہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ چور مرد ہو یا عورت اگر مال مسروقہ کا نصاب پورا ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

یہود، نصاریٰ اور منافقین کا ذکر:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ----(۴۱)﴾

یہاں مذکورہ تینوں فرقوں کی عادت کو بیان کیا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام اور ہدایات کے مقابلے میں اپنی خواہشات اور آراء کو مقدم رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات میں تاویلیں کر کے اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ یہاں ان لوگوں کی دنیا و آخرت میں رسوائی اور انجام بد کا بیان ہے۔

یہود و نصاریٰ سے دلی دوستی کی ممانعت:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ----(۵۱)﴾

یہود و نصاریٰ سے دلی دوستی رکھنے سے منع کر دیا کہ یہ تمہارے ساتھ مخلص نہیں۔ ان سے دوستی رکھنے میں نقصانات ہیں اس لیے تمہارا یارانہ صرف مسلمانوں سے ہونا چاہیے۔ اور یہی دستور یہود و نصاریٰ کا بھی ہے کہ وہ اپنی قوم کے علاوہ کسی اور سے دلی دوستی نہیں کرتے۔ اب اگر اس قرآنی حکم کے باوجود بھی کوئی مسلمان یہود و نصاریٰ سے دلی دوستی کرے گا تو وہ اسی قوم کا فرد کہلانے کے قابل ہے۔

مرتدین اور مخلصین کا ذکر:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ۔۔۔۔(۵۴)﴾

اگر مسلمانوں میں کچھ لوگ مرتد بھی ہو جائیں تو دین اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ اللہ تعالی تمہارے محتاج نہیں ہیں اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کو سنبھالو گے تو یہ تمہاری دنیا و آخرت کے لیے اچھا ہو گا اور اگر تم خدا کے مقابلے میں اپنی مرضی چلاؤ گے اور خدا کے دین کی حفاظت اور دعوت و تبلیغ کی خدمت انجام نہیں دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ کسی دوسری جماعت کو لائیں گے جو اخلاق واعمال میں اعلی ہو گی۔ پھر اللہ تعالیٰ ان نئے لوگوں سے پیار کریں گے اور وہ اللہ تعالیٰ سے پیار کریں گے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے بالکل بھی نہیں ڈریں گے۔

تبلیغِ دین کی تاکید:

﴿يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔۔۔۔(۶۷)﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کی تاکید کی جارہی ہے اور ساتھ ساتھ تسلی بھی دی جارہی ہے کہ جو کچھ آپ پر نازل کیا جائے وہ سب بغیر کسی جھجک اور روک ٹوک کے لوگوں کو پہنچا دیں۔ کوئی برا مانے یا بھلا، اور مخالفت کرے یا قبول کرے آپ کسی کی پرواہ نہ کریں۔ اور تسلی بھی دی کہ تبلیغ دین میں کفار آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یہی وجہ ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی اس فریضہ کی ادائیگی میں اپنی پوری ہمت و قوت صرف فرمائی۔

یہود، مشرکین اور نصاریٰ کی دشمنی:

﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی ۔۔۔۔ (۸۲)﴾

آخر میں ایک بات یہ بھی فرمائی کہ دیکھو تمہارے دشمن یہود بھی ہیں، مشرکین بھی ہیں، نصاریٰ بھی ہیں؛ تینوں تمہارے مخالف ہیں۔ لیکن ان تینوں میں سے یہود و مشرکین مسلمانوں کے ساتھ نفرت، دشمنی اور کینہ زیادہ رکھتے ہیں اور عیسائی؛ یہودیوں کی نسبت نرم دل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بات برحق ہے جو فرمایا سو فیصد درست ہے۔ جب یہود اور نصاری ہمارے دشمن ہیں تو ہمیں بھی اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ ہم بھی انہیں اپنا دشمن سمجھیں، خیر خواہ نہ سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کی سورۃ البقرہ میں فرمادیا:

﴿وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۔۔۔۔ (۱۲۰)﴾

اے میرے پیغمبر! یہ یہود و نصاریٰ آپ سے تب راضی ہوں گے جب آپ یہودی یا عیسائی ہو جائیں (العیاذ باللہ) اور ایسا ہونا نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا امتی بنائے، شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پارہ نمبر:7

حبشہ کے نصاریٰ:

﴿وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ ..... (۸۳)﴾

چھٹے پارے کے آخر میں فرمایا تھا کہ نصاریٰ؛ بنسبت یہود و مشرکین کے مسلمانوں کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ اس آیت میں حبشہ کے نصاریٰ کا ذکر ہے۔ جب مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر کے تشریف لے گئے، نصاریٰ نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی مبارک زبان سے قرآن سنا تو ان کے آنسو جاری ہو گئے۔

حلال و حرام کا بیان:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ ..... (۸۷)﴾

یہاں ایک ضابطہ بیان کیا گیا کہ کوئی بھی چیز خواہ وہ کھانے پینے، پہننے یا منکوحات کی قسم سے ہو؛ حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ مسلمانوں کو حکم دیا کہ جن چیزوں کو حلال قرار دیا گیا ہے نہ تو تم ان کو حرام قرار دو اور نہ ہی ان کے استعمال سے گریز کرو بلکہ یہ حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں استعمال کرو۔

قسم کی چند صورتیں اور احکام:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ ..... (۸۹)﴾

قسم کی تین قسمیں ہیں: یمینِ لغو، یمینِ غموس، یمینِ منعقدہ۔ کسی کام کے

ہونے یانہ ہونے کے بارے میں اپنے خیال کے مطابق سچی قسم کھائے اور واقع میں وہ غلط ہو اس کو یمینِ لغو کہتے ہیں، اس پر نہ کفارہ ہے نہ گناہ۔ اگر کسی گزشتہ کام پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے اس کو یمینِ غموس کہتے ہیں۔ یہ سخت گناہ ہے، توبہ واستغفار کرے، البتہ اس کا کفارہ نہیں۔ آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یانہ کرنے کی قسم کھائے اس کو یمینِ منعقدہ کہتے ہیں۔ اس قسم کو توڑنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے جو یہ ہے کہ دس مسکینوں کو درمیانے درجے کا کھانا کھلائے یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنائے یا ایک غلام آزاد کر دے اور اگر تینوں پر قادر نہیں تو پھر لگاتار تین روزے رکھے۔

حرام چیزوں کا بیان:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ.....﴿٩٠﴾﴾

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں؛ شراب، جوا، بُت اور جوے کے تیروں کی حرمت کو بیان کر کے انہیں گندہ اور شیطانی عمل قرار دیا ہے۔ ان سے بچنے میں ہی کامیابی ہے۔ یہ چیزیں ایسی ہیں جن کے ذریعے شیطان ایمان والوں میں بغض وعداوت ڈالنا چاہتا ہے، اور ان کے ذریعے اللہ کے ذکر اور نماز سے روکنا چاہتا ہے۔

حالت احرام میں شکار کرنے کی ممانعت:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ----﴿٩٥﴾﴾

مُحرِم کے لیے حالت احرام میں شکار کرنا جائز نہیں خواہ وہ شکار ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہے یا وہ شکار ہو جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔ اگر محرم نے شکار کر لیا تو اس پر کفارہ لازم ہو جائے گا۔

بے فائدہ سوال کرنے کی ممانعت:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ ----(۱۰۱)﴾

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حج ہر سال فرض ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ جب انہوں نے تیسری مرتبہ پوچھا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں ہاں میں جواب دے دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر تم اس کو پورا نہ کرسکتے۔

تو بعض لوگوں کو خواہ مخواہ سوال کرنے کا شوق ہوتا ہے اس آیت میں ان کو سمجھایا گیا ہے کہ اس طرح کے سوالات نہ کریں جن کے نتیجے میں ان پر کوئی مشکل آجائے۔

مشرکانہ رسوم کی تردید:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّ لَا وَصِيْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ.....(۱۰۳)﴾

مشرکین نے اپنے طور پر چار قسم کے جانوروں کو حرام قرار دے رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس عقیدہ باطل کی تردید فرمائی کہ وہ جانور جنہیں اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کے لیے حلال کر دیا ان میں سے کسی جانور کو خاص قید لگا کر حرام قرار دینا، اپنے لیے منصب تشریع اپنانا ہے جو کہ شرک اور ناجائز ہے۔ وہ چار جانور یہ ہیں:

- بحیرہ: وہ جانور ہے جس کا دودھ خود استعمال کرنے کے بجائے بتوں کے نام پر

وقف کر دیتے تھے۔

- سائبہ: وہ جانور ہے جس کو بتوں کے نام پر وقف کر کے چھوڑ دیتے تھے۔
- وصیلہ: اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو یکے بعد دیگر مؤنث بچی پیدا کرتی تھی، اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔
- حام: اس اونٹ کو کہتے ہیں جو ایک خاص عدد سے جفتی کر چکا ہوتا، اسے بھی بتوں کے لیے وقف کر دیتے تھے۔

انبیاء کرام علیہم السلام سے سوال:

﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿١٠٩﴾﴾

قیامت کے دن میدان محشر میں تمام انبیاء علیہم السلام سے ان کی امتوں کے بارے سوال کیا جائے گا کہ جب آپ لوگوں نے اپنی اپنی امتوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی طرف دعوت دی تو ان لوگوں نے آپ کو کیا جواب دیا؟ انبیاء علیہم السلام جواب میں کہیں گے کہ ہمیں ان کے ایمان و عمل کا کچھ علم نہیں آپ ہی غیب کی چیزوں کی خبر رکھنے والے ہیں۔

مائدہ کا مطالبہ:

﴿اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ----- ﴿١١٢﴾﴾

مائدہ یعنی دستر خوان کا ذکر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے مطالبے پر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ ٹھیک ہے ہم دستر خوان

اتاریں گے لیکن اگر اس کے باوجود بھی کوئی نہ مانا تو پھر ہم بہت سخت سزا دیں گے۔

الوہیت عیسیٰ و مریم کی نفی:

﴿وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ..... ﴿۱۱۶﴾﴾

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کریں گے کہ اے عیسیٰ! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود مانو؟ جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: اللہ جی! آپ کی ذات پاک ہے، ایسی بات تو میرے لیے مناسب ہی نہیں جس کے کہنے کا مجھے حق نہ ہو۔

مختاریت باری تعالیٰ:

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾﴾

قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ میں نے تو انہیں آپ کی عبادت کا حکم دیا تھا۔ اگر انہوں نافرمانی اور سرکشی کی ہے تو اے اللہ! آپ کو اختیار ہے اگر آپ عذاب دینا چاہیں تو یہ آپ کے بندے ہیں آپ ان کو عذاب دینے پر قادر ہیں اور اگر آپ معاف کرنا چاہیں تو آپ غالب ہیں اور معاف کرنے کی حکمتیں بھی جانتے ہیں۔

نجات سچ میں ہے:

﴿قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ..... ﴿۱۱۹﴾﴾

اس دن اللہ تعالی فرمائیں گے کہ عیسیٰ! یہ وہ دن ہے جہاں ہر شخص کی سچائی

ہی کام آئے گی۔ سچوں کو نجات ملے گی اور جھوٹے تباہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچائی کا ساتھ دینے کی توفیق عطا فرمائے اور جھوٹ سے بچنے کی توفیق دے۔

سورۃ الانعام

وجہ تسمیہ:

"انعام "مویشیوں کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورت میں مویشیوں کا ذکر ہے اس لیے اس پوری سورت کا نام ہی سورۃ الانعام رکھ دیا گیا ہے۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی توحید، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء علیہم السلام کی رسالت، قیامت اور قدرت باری تعالیٰ کے دلائل بیان کیے گئے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ مشرکین کے غلط عقائد و نظریات کی بھی تردید کی گئی ہے۔

مشرکین سے سوال:

﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾﴾

قیامت کے دن جب مشرکین اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوں گے، ایک عرصے کے بعد اللہ تعالیٰ ان سے پوچھیں گے کہ کہاں ہیں وہ تمہارے شریک جن کو تم ہمارا شریک اور اپنا حاجت روا و مشکل کشا سمجھتے تھے، جن کے گن گاتے تھے اور اپنی جان ومال ان پر قربان کرتے تھے؟ اگلی آیت میں ہے کہ مشرکین بڑے غور کے بعد جواب دیں گے اللہ کی قسم ہم مشرک نہیں تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، ان کے ہاتھ، پاؤں اور دیگر اعضا ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

مجرمین کی تمنا:

﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا.....(۳۱)﴾

تین بنیادی عقائد میں سے تیسرے عقیدے؛ عقیدہ آخرت کو بیان کیا کہ جس وقت مجرمین کو جہنم کے کنارے پر کھڑا کیا جائے گا جہنم کی ہولناکی اور سختی کو دیکھ کر وہ اس وقت تمنا کریں گے کہ کاش ہم پھر دنیا میں واپس ہو جاتے تو ہم احکامات کی تکذیب نہ کرتے اور مومن ہو کر لوٹتے۔ بالفرض اگر ان کو دنیا میں بھیج بھی دیا جائے تو وہ اپنی اس بات کو بھول جائیں گے اور وہی کریں گے جو انہوں نے پہلے کیا تھا۔

اہل باطل کی مجلس سے بچنا:

﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ.....(۶۸)﴾

یہاں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جب اہل باطل اللہ تعالیٰ کی آیات میں لہو ولعب اور استہزاء کرنے کے لیے دخل اندازی کریں تو آپ ان سے مبارک چہرہ پھیر لیں۔ یہاں اگرچہ بظاہر خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن مراد عام ہے یعنی امت بھی شامل ہے۔

مشرک باپ کا موحد بیٹا:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ(۷۴)﴾

یہاں کئی آیات میں امام الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید اور آپ علیہ السلام کے والد اور قوم کی بت پرستی کی تردید کا ذکر ہے۔ والد بت بناتے ہیں اور بیٹا دین کی دعوت دے رہا ہے۔ باپ مشرک بناتا ہے اور بیٹا توحیدی بناتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اباجی! آپ اور آپ کی قوم دونوں گمراہی پر ہیں۔ میں آپ کو دعوت دیتا ہوں خود کو اور قوم کو کفر سے بچایئے! پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو دلائل کے ساتھ سمجھایا اور ان کی ستارہ پرستی کی تردید فرمائی۔

اٹھارہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر:

﴿وَ تِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ (۸۳)﴾

یہاں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کا یکجا ذکر کیا ہے۔ اس قدر انبیاء علیہم السلام کا ذکر اس سورت کے علاوہ اور کسی سورت میں نہیں ہے۔ ان کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں: حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت نوح، حضرت داود، حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت زکریا، حضرت یحیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت الیاس، حضرت اسماعیل، حضرت یسع، حضرت یونس، حضرت لوط علیہم الصلاۃ والسلام۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ان کے نقش قدم پر چلو، ان کی ہدایات پر عمل کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو تعلیمات تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان قدرِ مشترک ہیں جیسے عقائد میں سے عقیدہ توحید، عقیدہ رسالت اور عبادات میں سے صداقت، دیانت، سچائی، ایفائے عہد، حقوق کی ادائیگی وغیرہ؛ ان پر چلو۔ اگرچہ احکام کی تفصیل تبدیل ہوتی رہتی ہے لیکن بنیادی باتیں تمام انبیاء کی شریعت میں یکساں رہی ہیں۔

ذات وصفات خداوندی پر دلائل:

﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (۹۵)﴾

تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کا دلائل کے ساتھ تعارف کروایا ہے۔ انسان خود سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھنا چاہے تو اس کے بس میں نہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت دلائل اور نشانیوں سے حاصل ہوتی ہے۔

رؤیت باری تعالیٰ:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (۱۰۳)﴾

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے کمال علمی کا بیان ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ مخلوق کی نگاہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس دنیا میں تو ظاہری آنکھوں سے بھی نہیں دیکھ سکتی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار تو ہو گا لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ پھر بھی محال رہے گا۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات غیر محدود ہیں اور انسانی حواس محدود چیزیں ہیں۔ ظاہری بات ہے محدود چیز غیر محدود ذات اور اس کی صفات کا احاطہ کرنے سے قاصر ہوتی ہے۔ اس لئے مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کی حقیقت جاننے میں قاصر ہے۔ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے جو تمام مخلوق کی نگاہوں کو دیکھنے والی اور ان کا احاطہ کرنے والی ہے۔ مخلوق کا دیکھنا چونکہ ناقص ہے اس لیے اس کا علم بھی ناقص ہو گا اور اللہ تعالیٰ کا دیکھنا اور احاطہ کرنا چونکہ کامل ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کا علم بھی کامل ہو گا۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو جو علم حاصل ہے وہ کامل ہے، ایسا علم مخلوق کو حاصل نہیں۔

آیت مذکورہ کے پیشِ نظر اھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ اس دنیا میں کوئی انسان یا جن اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں! عالمِ آخرت میں اہلِ جنت اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے لیکن یہ دیکھنا بھی احاطہ کے بغیر ہو گا۔ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ معراج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ یہ دیکھنا ظاہری آنکھ سے تھا لیکن دو وجہ سے آیت مذکورہ کے مخالف نہیں۔

اولاً اس لیے کہ یہ دیکھنا اس دنیا میں نہیں تھا بلکہ عالمِ بالا میں تھا اور عالمِ بالا میں آنکھ کے ذریعے دیکھنا ممکن ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ اہلِ جنت اللہ تعالیٰ کا دیدار عیاناً ایسے کریں گے جس طرح چاند کو دیکھتے ہیں۔

ثانیاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو رؤیت ثابت ہے وہ ”رؤیت بدون الاحاطہ“ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا دیدار ذات وصفات کے کلی احاطہ کے بغیر کیا ہے جبکہ آیت میں رؤیت بالاحاطہ کی نفی ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ نمبر:8

مشرکین کی ہٹ دھرمی:

﴿وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَىْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا..... ﴿١١١﴾﴾

ساتویں پارے کے آخر میں تھا کہ مشرکین؛ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی پسند اور مرضی کے معجزات طلب کرتے تھے۔ یہاں بیان کیا کہ اگر ان کے فرمائشی معجزات کو پورا کرنے کے لیے آسمان سے فرشتے اتریں اور مردے ان سے کلام کریں یہ پھر بھی اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے ایمان نہیں لائیں گے۔

تسلی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا..... ﴿١١٢﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو تسلی دی کہ ان کی دشمنی سے پریشان نہ ہوں۔ سابقہ انبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیم کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے کہ انسان اور جنات ان کے دشمن ہوا کرتے تھے جو ان کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ لہذا آپ کے راستے میں بھی رکاوٹیں ڈالی جائیں گی، دشمن بھی ہوں گے؛ آپ پریشان نہ ہوں۔

مؤمن اور کافر کی مثال:

﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ

﴿كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا.....﴿۱۲۲﴾﴾

یہاں اللہ تعالیٰ نے کفار اور ایمان والوں کی حالت کو مثال دے کر سمجھایا ہے کہ مؤمن اور کافر کی مثال ایسے ہے جیسے زندہ اور مردہ، ایمان اور کفر کی مثال ایسے ہے جیسے روشنی اور اندھیرا۔

محشر میں سوال وجواب کا ذکر:

﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا.....﴿۱۳۰﴾﴾

محشر میں اللہ تعالیٰ ان انسانوں اور جنوں سے پوچھیں گے جنہوں نے نافرنی کی تھی کہ کیا تمہارے پاس میرے رسول نہیں پہنچے تھے جو تمہیں میری آیات پڑھ پڑھ کر سناتے تھے اور تمہیں ملاقات کے دن سے ڈراتے تھے؟ وہ اس وقت رسولوں کے آنے کا اور اپنے کفر اور نافرمانی کا اعتراف کریں گے۔

مشرکین کے عقائد باطلہ:

﴿وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا.....﴿۱۳۶﴾﴾

مشرکین؛ کھیتی اور جانوروں میں جو پیداوار ہوتی اپنے خیال کے مطابق اس میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ٹھہراتے اور ایک حصہ بتوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ کے حصے کو مساکین، فقراء میں تقسیم کر دیتے اور بتوں کے حصے کو بت خانے کے مجاوروں پر خرچ کرتے۔ حالانکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور حقیقت میں

بھی اسی کا ہے۔ یہاں مشرکین کے عقائد باطلہ اور گمراہی کو بیان کیا ہے۔

مشرکین کی جاہلانہ رسوم:

﴿ وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ...... (۱۳۷) ﴾

یہاں سے لے کر کئی آیات تک مشرکین کی جاہلانہ رسوم کو بیان کیا گیا ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

بیٹیوں کو قتل کرنا۔ اگر یہ بیٹیاں نہ ہوتیں تو یہ کیسے پیدا ہوتے؟ آگے اولاد کیسے چلتی؟ بحیرہ اور سائبہ جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑنا۔ جن جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑتے ان پر سواری اور بوجھ اٹھانے کو حرام سمجھنا۔ بعض جانوروں کا دودھ مردوں کے لیے حلال اور عورتوں کے لیے حرام سمجھنا، وغیرہ۔

مشرکین کی تردید:

﴿ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ...... (۱۴۳) ﴾

اللہ تعالیٰ نے آٹھ قسم کے حلال جانور (بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے بھینس) نر اور مادہ کا ذکر کیا ہے۔ مشرکین نے اپنی طرف سے کچھ مخصوص جانوروں کو حرام ٹھہرایا تھا، ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا ان کی تحریم اللہ تعالیٰ نے کی ہے؟ دلیل سے بتاؤ اگر تم اپنے اس کلام میں سچے ہو! کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے تحریم اور تحلیل کا حکم دیا؟ ظاہر ہے نہ تو ان کے پاس دلیل ہے اور نہ ہی یہ اس وقت حاضر تھے۔ پھر ان مشرکین سے بڑا ظالم اور کاذب علی اللہ کون ہوگا؟

مشرکین کی بری عادت:

﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ----(۱۴۵)﴾

مشرکین کی طرف سے بعض چیزوں کو خود ہی حلال اور بعض کو حرام کہنے کی تردید کرتے ہوئے ان کو سمجھایا کہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا صرف اللہ تعالی کا کام ہے جن چیزوں کو اللہ تعالی نے حلال قرار دیا ہے انہیں حلال سمجھیں اور جن چیزوں کو اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہے انہیں حرام سمجھیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہاں چار چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ مردار، بہنے والا خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور۔

اوامر و نواہی کا بیان:

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا.....(۱۵۱)﴾

دین کا خلاصہ دو چیزیں ہیں: اوامر اور نواہی۔ اوامر پر عمل کرنا ہے اور نواہی سے اجتناب کرنا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اوامر اور نواہی میں سے دس چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ ان کا بہت زیادہ خیال کرنا چاہیے:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ اپنی اولاد کو رزق کے خدشے کی وجہ سے قتل نہ کرنا۔ بے حیائی اور ہر قسم کے برے کام سے بچنا۔ کسی بے گناہ آدمی کو ناحق قتل نہ کرنا۔ یتیم بچوں کے مال میں بطور خاص ناجائز تصرف نہ کرنا۔ ناپ تول میں کمی نہ کرنا۔ عدل و انصاف کرنا۔ اللہ

تعالیٰ کے عہد کو پورا کرنا۔ صرف صراط مستقیم پر چلنا۔

رحیم و کریم:

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا..... (۱۶۰)﴾

اللہ تعالیٰ کی ذات کتنی کریم اور رحیم ہے کہ انسان جب نیکی کا صرف ارادہ کرتا ہے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اگر وہ نیکی کر لے تو نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ گناہ کا ارادہ کرے تو گناہ لکھا نہیں جاتا جب تک گناہ کر نہ لے، اگر وہ گناہ کر لے تو صرف ایک گناہ لکھا جاتا ہے۔

مالکیت باری تعالیٰ:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۱۶۲)﴾

سورۃ انعام کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے نبی! فرما دیجیے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے۔ تمام چیزوں کے اللہ تعالیٰ ہی مالک ہیں ہم مملوک ہیں اس لیے انسان کا دل، دماغ، ہاتھ، پاؤں، زبان، آنکھ، کان؛ الغرض ہر چیز اللہ رب العزت کی اطاعت کے لیے استعمال ہو اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہر گز استعمال نہ ہو۔

سورۃ الاعراف

وجہ تسمیہ:

"اعراف" حد فاصل اور دیوار کو کہتے ہیں چونکہ سورۃ اعراف کی آیت

نمبر 48 میں اصحاب اعراف کا ذکر ہے جو دیوار پر بیٹھ کر اہل جنت اور اہل جہنم کو دیکھ رہے ہوں گے اس لیے اس کا نام سورۃ اعراف ہے۔ اس سورۃ میں زیادہ تر بنیادی مضامین یعنی آخرت، رسالت اور توحید کو بیان کیا گیا ہے۔

تسلی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲﴾

یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ تبلیغ دین میں آپ کا دل تنگ نہیں ہونا نہیں ہونا چاہیے کہ لوگ اس کو جھٹلا دیں گے۔ وہ ایمان نہ لائیں تو آپ پریشان نہ ہوں کیونکہ آپ کا کام فقط دین کو احسن طریقے سے پہنچا دینا ہے۔

ترازو بر حق ہے:

﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸﴾

قیامت کے دن اچھے اور برے دونوں اعمال کا وزن کیا جائے گا اور یہ حق و صحیح ہے۔ ان آیات میں بات سمجھائی کہ جس شخص کے اعمال کا پلڑا بھاری ہو گا وہ کامیاب ہو گا، جس کے اعمال کا پلڑا ہلکا ہو گا وہ ناکام ہو گا۔ اس لیے اعمال کا صحیح اور سنت کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ مزید یہ کہ اعمال کے قبول ہونے کی تین شرائط ہیں: نمبر ایک عقیدہ ٹھیک ہو۔ نمبر دو ارادہ ٹھیک ہو۔ نمبر تین طریقہ ٹھیک ہو۔

داستان آدم علیہ السلام و ابلیس:

﴿وَ لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ.....۝۱۱﴾

یہاں سے کئی آیات تک حضرت آدم علیہ السلام کی تفصیلی داستان کا ذکر ہے۔ آدم علیہ السلام کا مسجود ملائکہ ہونا، شیطان کا مردود ہونا، آدم علیہ السلام کا جنت میں رہنا پھر جنت سے زمین پر آنا اور آخر میں دعا کا ذکر ہے۔ اور ساتھ ساتھ ابن آدم کو سمجھایا گیا کہ شیطان تمہارا ازلی دشمن ہے اس لیے اس سے بچ کر رہنا۔

چوتھا عین:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ شیطان میں تین عین تھے، مگر چوتھا عین نہیں تھا، اس لیے مارا گیا۔ وہ عالم تھا اور اتنا بڑا عالم کہ معلم ملکوت کہلاتا تھا۔ بہت بڑا عابد بھی تھا۔ وہ عارف تھا اور ایسا عارف کہ عین غضب الٰہی کے وقت بھی جب کہ اُسے راندۂ درگاہ کیا جارہا تھا، دعا کرنے لگا کہ مجھے مہلت دو، کیونکہ جانتا تھا کہ یہ حالت بھی قبولیت دعا سے مانع نہیں۔ لیکن ظالم میں عشق نہیں تھا، اگر اسے یہ چوتھا عین بھی حاصل ہوجاتا اور اسے اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی تو حکم الٰہی سے سرتابی نہ کرتا، جب حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو فوراً سجدہ میں گرجاتا، کیونکہ محبت مصلحتیں اور علتیں تلاش نہیں کیا کرتی، محبت تو محبوب کے حکم پر مر مٹنے کا نام ہے، پس جب تک عشق و محبت نہ ہو، نہ علم کا اعتبار ہے، نہ عبادت کا، نہ معرفت کا۔

معنوی اور ظاہری لباس:

﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ.....۝۲۶﴾

گزشتہ آیات میں بتایا کہ شیطان کی خباثت کی وجہ سے آدم وحوا علیہما السلام کا

جنتی لباس اترا اور انہیں برہنہ ہونا پڑا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے لباس کو نعمت قرار دیا ہے۔ لباسِ ظاہری بھی نعمت ہے جس سے انسان اپنا ستر چھپاتا ہے اور اس کا اصل مقصد بھی تقوی اختیار کرنا ہے۔ اور لباسِ معنوی یعنی تقوی اختیار کرنا یہ لباسِ ظاہری سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس لیے اولاد آدم کو دونوں لباسوں کا اہتمام کرنا چاہیے کہ کہیں شیطان ان کے باپ کی طرح اولاد کو بھی آزمائش میں نہ ڈال دے۔

لباس اختیار کرنے کا حکم:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ..... ﴿۳۱﴾﴾

گزشتہ آیات میں مشرکین کی رسم بد اور جاہلانہ رسم کا بیان تھا کہ وہ ننگے جسم بیت اللہ کا طواف کرتے تھے اور اس کو عبادت اور بیت اللہ کا احترام سمجھتے تھے۔ یہاں سے ان کی اس بے ہودہ رسم کی تردید کی جا رہی ہے کہ بیت اللہ کا برہنہ ہو کر طواف کرنا بے حیائی اور سخت بے ادبی ہے۔ اس آیت سے علماء کرام نے استنباط کیا ہے کہ جس طرح ننگی حالت میں طواف کرنا منع ہے اسی طرح ننگے سر نماز پڑھنا بھی منع ہے۔

انسان بقدر طاقت مکلف ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ..... ﴿۴۲﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے دین کے بارے میں فرمایا کہ یہ ایسا بہترین دین ہے کہ اس میں اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے جو انسان کی طاقت میں ہے۔ ہمت سے جو بڑھ جائے اس کا اللہ تعالیٰ حکم ہی نہیں دیتے بلکہ جتنا برداشت ہو سکے اسی کا حکم دیتے ہیں۔

ایک ہے کسی چیز کا ناممکن ہونا، برداشت سے باہر ہونا اور ایک ہے کسی چیز کا

مشکل ہونا۔ شریعت کا کوئی حکم ناممکن اور برداشت سے باہر نہیں ہے، ہاں البتہ کچھ نہ کچھ مشکل ہوتا ہے تبھی تو اللہ تعالیٰ عمل کرنے پر اجر عطا فرماتے ہیں۔

اصحاب اعراف کا ذکر:

﴿وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ----(۴۴)﴾

یہاں سے کئی آیات تک اہل جنت، اہل جہنم اور اصحاب الاعراف کا تذکرہ فرمایا کہ ایک طرف جنت والے ہیں اور ایک طرف جہنم والے ہیں درمیان میں ایک دیوار ہے جس کا نام اعراف ہے۔ جنت والے جہنم والوں سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا تھا ہم نے پالیا۔ تمہارے ساتھ جو جہنم کا وعدہ تھا تمہیں بھی مل گیا ہے۔ اور کچھ لوگ اعراف والے ہوں گے یعنی جن کی نیکیاں اور برائیاں دونوں برابر ہوں گی تو یہ لوگ اعراف میں ہوں گے بالآخر اللہ تعالیٰ ان کو بھی جنت میں داخل فرمادیں گے۔

توحید پر اہم دلائل:

﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ-----(۵۴)﴾

یہاں سے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق کا ذکر کیا کہ سات آسمان بنائے کسی آسمان کے نیچے ستون نہیں ہے۔ ایک چھوٹی سی چھت بغیر سہارے کے کھڑی نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ کی طاقت وقدرت تو دیکھیں کہ اس قادر مطلق نے سات آسمان بغیر ستون کے پیدا فرمائے ہیں۔ پھر عرش کی وسعت کا ذکر فرمایا ہے اور عرش بھی بغیر سہارے اور ستونوں کے ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کی تخلیق بتائی

کہ سورج کیسے پیدا فرمایا، چاند کیسے پیدا فرمایا یہ کتنی بڑی مخلوقات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قدرت اور طاقت سے پیدا فرمایا اور پھر ان کے نظام کو چلا رہے ہیں۔

پانچ انبیاء علیہم السلام اور ان کی اقوام کا ذکر:

﴿لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖ فَقَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ ..... ﴿۵۹﴾﴾

یہاں سے لے کر پارے کے آخر تک اللہ تعالیٰ نے پانچ انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے قصص بیان فرمائے ہیں۔

ان قصص کے بیان کرنے سے ایک تو یہ بتانا مقصود ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اصول میں متفق ہیں کہ تمام انبیاء نے اللہ تعالی کی توحید کی دعوت دی۔ دوسرا مقصد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ مخالفین کی تکالیف پر دل برداشتہ نہ ہوں کیونکہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کی قوموں نے بھی ایسا کیا تھا۔ ان انبیاء کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں: حضرت نوح، حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب؛ علیہم السلام۔

آخر میں دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شرک سے بچنے اور توحید پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے، بری عادات سے بچنے کی اور اچھی عادات اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اہل باطل سے دور رہنے اور اہل حق کے ساتھ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعۡوَانَا أَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

پارہ نمبر:9

قومِ شعیب علیہ السلام کی دھمکی:

﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ...... ﴿۸۸﴾﴾

آٹھویں پارے کے آخر میں حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کی داستان شروع ہوئی تھی۔ اب نویں پارے کے شروع میں بھی انہی کی بقیہ داستان ہے۔ قوم کے متکبر لوگوں نے کہا اے شعیب!(علیہ السلام) یا تو تم اور جو تم پر ایمان لائے ہیں سارے ہماری ملت میں واپس آجاؤ ورنہ ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ بالآخر قوم کی سرکشی کی وجہ سے ان پر زلزلہ آیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

دستورِ خداوندی:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾﴾

اللہ تعالیٰ کی سنت اور طریقہ یہ ہے کہ جب کسی قوم کی طرف رسول بھیجتے ہیں اور وہ ان کی بات نہیں مانتے تو اللہ تعالیٰ پہلے ان کو فقر و فاقہ، بیماری اور کسی مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں۔ وہ باز نہ آئیں تو پھر انعامات، مال کی وسعت اور صحت دیتے ہیں تاکہ مصیبت کے بعد آسانی ملنے پر وہ شکر گزار بنیں۔ لیکن وہ پھر بھی باز نہیں آتے بلکہ کہتے ہیں کہ زمانہ کی عادت یہی ہے کہ کبھی تنگی اور کبھی آسانی؛ تو پھر اچانک اللہ

تعالیٰ ان کو عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

داستانِ موسیٰ علیہ السلام و فرعون:

﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡىِٕهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ...... ﴿۱۰۳﴾﴾

یہاں سے لے کر کئی آیات تک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تفصیلی واقعہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ مقابلہ ہوا، فرعون سے گفتگو ہوئی اور فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جادوگر بلائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فتح دی، جادوگروں کو ناکام کیا، پھر وہ سارے کے سارے جادوگر کلمہ پڑھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔

معجزات کا ذکر:

﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دو بڑے معجزے دیے ہیں:

1- ید بیضا: اپنا ہاتھ بغل کے نیچے رکھتے پھر نکالتے تو ایسے چمکتا جیسے سورج چمکتا ہے۔

2- عصا: موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام پتھر پر مارتے تو پانی کے چشمے بہہ پڑتے۔ اور سمندر پر مارتے تو پانی میں راستے بن جاتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی قوم کی طرف آئے ہیں، دعوت دی ہے، انہوں

نے ان کی دعوت کو جھٹلایا تو ان پر کئی قسم کے عذاب آئے ہیں۔

مختلف عذابوں کا ذکر:

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ----(۱۳۳)﴾

یہاں پر ان میں سے پانچ عذابوں کا ذکر ہے: طوفان کا عذاب، ٹڈی دل کا عذاب، چیچڑیوں یعنی جوؤں کا عذاب، مینڈکوں کا عذاب اور خون کا عذاب۔

قوم کی اپیل:

﴿وَ لَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ.....(۱۳۴)﴾

جب ایک عذاب آتا تو وہ کہتے اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اگر یہ ٹل جائے تو آپ کی بات مان لیں گے، موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے، عذاب ٹل جاتا، یہ پھر سرکشی کرنا شروع کر دیتے۔ پھر دوسرا عذاب آتا... اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اگر یہ ٹل جائے تو آپ کی بات مان لیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے، عذاب ٹل جاتا، یہ پھر سرکشی کرنا شروع کر دیتے۔ تو یہ لوگ سرکشی سے باز نہ آئے ان کی سرکشی بڑھتی ہی چلی گئی۔

ضابطہ حیات کی درخواست:

﴿وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ

اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً.....﴿۱۴۲﴾

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ساتھ لے گئے تو فرعونیوں نے پیچھا کیا اور وہ دریا میں غرق ہو گئے۔ اب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی ضابطہ حیات، شریعت یا دستور خداندی چاہیے جس کے مطابق ہم زندگی گزار سکیں! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کوہ طور پر تیس دن کا قیام فرمائیں پھر مزید دس دن بڑھا دیے۔

دنیوی واخروی سزا کا ذکر:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا.....﴿۱۵۲﴾

موسیٰ علیہ السلام نے جاتے ہوئے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین بنایا کہ میری قوم کی اصلاح کرتے رہنا اور انہیں سمجھاتے رہنا مگر قوم شرک میں مبتلا ہو گئی۔ اب یہاں سے فرما رہے ہیں کہ بچھڑے کو معبود بنانے کی وجہ سے آخرت میں بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے غضب ہو گا اور دنیوی زندگی میں بھی یہ ذلیل وخوار ہوں گے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف:

﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ.....﴿۱۵۷﴾

پہلی صفت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہیں۔ رسول ایسے پیغمبر کو

کہتے ہیں جو نئی شریعت لے کر آئے۔ دوسری صفت یہ ہے کہ آپ نبی ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ تیسری صفت آپ صلی اللہ علہ وسلم کے اُمّی ہونے کی ہے۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ توراۃ وانجیل میں ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب بھی ہے کہ آپ علیہ السلام کی قوم کے جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہوں گے ان کے لیے دنیا وآخرت کی کامیابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے میں ہی ہو گی۔

ختم نبوت پر دلیل:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا..... (۱۵۸)﴾

اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جارہا ہے کہ آپ اعلانِ عام کے ذریعہ لوگوں کو بتادیں کہ میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ انبیاء علیہم السلام کی طرح کسی خاص قوم یا قبیلے یا خطے یا ملک کے نبی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اقوام عالم، جن وانس اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے نبی ورسول ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک تمام اقوام عالم کے لیے نبی ورسول ہیں تو پھر کسی اور نبی کے آنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ یہی تو ختم نبوۃ کی دلیل ہے۔

یہود کی بقیہ داستان:

﴿وَ قَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ..... (۱۶۰)﴾

درمیان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی بعثت اور ختم نبوۃ کا بیان

تھا۔ اب یہاں سے لے کر کئی آیات تک پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے یہودیوں کے حالات واقعات کو بیان کیا جارہا ہے۔

عہدِ اَلَسْت:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى..... (۱۷۲)﴾

گزشتہ آیات میں ان معاہدات کا ذکر تھا جو بنی اسرائیل سے احکامِ توراۃ کی پابندی کے سلسلے میں لیے گئے تھے۔ اب یہاں سے معاہدہ الست کا ذکر ہے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا گیا تو وادی نعمان میں جو عرفات میں واقع ہے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا ہونے والی انسانیت کی روحوں کو جمع کیا جو چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی شکل میں تھیں۔ پھر ان سے عہد و پیمان لیا کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانتے ہیں؟ سب نے اقرار کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانتے ہیں۔ دنیا میں آنے کے بعد کچھ شخصیات ایسی بھی تھیں جنہیں عہد الست یاد رہا تھا۔

بلعم بن باعوراء کا واقعہ:

﴿وَ اتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْۤ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ (۱۷۵)﴾

جب موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ قوم جبارین سے جہاد کریں تو جبارین نے بلعم بن باعوراء سے درخواست کی کہ موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے لیے بد دعا کریں کہ وہ واپس ہو جائیں۔ اس نے یہ کہہ کر بد دعا کرنے سے انکار کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں ان کے ساتھ فرشتے ہیں لہذا میں بد دعا نہیں کرتا۔ قوم

نے بار بار اصرار کیا بالآخر انہوں نے اسے بطور رشوت بھاری رقم دی اب اس نے بد دعا کی، جو الفاظ یہ حضرت موسی علیہ السلام اور ان کی قوم کے لیے کہنا چاہتا تھا اس کی زبان سے وہ الفاظ بد دعا خود اپنی قوم جبارین کے لیے نکلے، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے دین و دنیا برباد ہو گئے اور زبان لٹک کر سینے پر آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اس کو کتے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ کتے کے اوپر وزن ہو تب بھی ہانپتا ہے وزن نہ ہو تب بھی ہانپتا ہے۔ یہ بھی ایسا شخص ہے جس کے پاس علم ہو تب بھی فائدہ نہیں علم نہ ہو تب بھی فائدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

علم غیب اللہ تعالیٰ کی ذات کا خاصہ ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ..... ﴿۱۸۸﴾﴾

گزشتہ آیات میں فرمایا تھا کہ قیامت کا علم صرف اللہ کی ذات کو ہے۔ یہاں سے اس مشرکانہ عقیدے کی تردید فرمائی جو لوگوں نے انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنا رکھا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علم غیب حاصل ہے۔ اسی وجہ سے قیامت کی معین تاریخ بتانے کا آپ سے مطالبہ کرتے تھے۔ اس آیت میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق واضح الفاظ میں علم غیب کی نفی فرمائی ہے۔

امام کے پیچھے مقتدی خاموش رہیں:

﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾﴾

قرآن کریم کا موجبِ رحمت ہونا اس وقت ہو گا جب اس کی قراءۃ کے وقت

آداب کالحاظ رکھا جائے گا۔ قرآن کریم کا ادب یہ ہے کہ جب پڑھا جائے تو سننے والے کان لگا کر توجہ سے سنیں اور خاموش رہیں۔

جہری اور سری نماز:

اب بات کو سمجھیں؛ اس آیت کا تعلق نماز کے ساتھ ہے اور پورا قرآن کریم سورۃ فاتحہ سے لے کر سورۃ الناس تک 114 سورتوں کا نام ہے۔ نمازیں دو طرح کی ہیں:

نمبر ایک جہری جیسے فجر، مغرب اور عشاء۔ نمبر دو سرّی جیسے ظہر و عصر۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے حکم بھی دو دیے ہیں۔ نمبر ایک ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ﴾ کہ جب امام جہری نمازوں میں بلند آواز سے قراءت کرے تو مقتدی کان لگا کر توجہ کے ساتھ سنیں۔ نمبر دو﴿اَنْصِتُوْا﴾ جب امام سری نمازوں یعنی ظہر و عصر میں آہستہ قراءت کرے، اس کی آواز سنائی نہ دے رہی ہو تو مقتدیوں کے لیے حکم ہے کہ خاموش رہیں۔

سورۃ الانفال

وجہ تسمیہ:

"انفال" نفل کی جمع ہے، نفل زائد چیز کو کہتے ہیں۔ مراد اس سے مال غنیمت ہے جو میدان جنگ میں ملتا ہے۔ اس سورت میں چونکہ مال غنیمت کا ذکر ہے اس لیے اس سورت کا نام سورۃ الانفال ہے۔

مالِ غنیمت کا حکم:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ

﴿اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ.....۝﴾

یہاں مال غنیمت کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ غزوہ بدر کے موقع پر فتح کے بعد مسلمانوں کے درمیان مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں اختلاف واقع ہوا تھا۔ تو اس آیت میں اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے فرمایا کہ مال غنیمت کے فیصلے کا اختیار اللہ اور اس کے رسول کو ہے۔ مسلمانوں کو آپس میں صلح اور تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے۔ مال غنیمت کی مزید تفصیل دسویں پارے کے شروع میں آئے گی۔

مؤمنین کے اوصاف:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲﴾

یہاں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں:

پہلی صفت خوف خدا۔ دوسری صفت تلاوت کے ذریعے اپنے ایمان کو بڑھاتے ہیں یعنی ایمان میں ترقی کرتے ہیں۔ تیسری صفت اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔ توکل کا معنی ہے اسباب اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔ اسباب چھوڑ کر بھروسہ کرنے کو تعطل کہتے ہیں۔ شریعت میں تعطل نہیں بلکہ توکل ہے۔ چوتھی صفت اقامت صلوۃ، یعنی فرائض، واجبات و سنن اور آداب کا خیال کرتے ہیں۔ پانچویں صفت انفاق فی سبیل اللہ۔

غزوہ بدر کی تفصیلی داستان:

﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

تَكْرَهُوْنَ ﴿۵﴾

یہاں سے لے کر کئی آیات تک غزوہ بدر کی تفصیلی داستان کو بیان کیا جارہا ہے۔ پھر آگے اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کرکے جنگ کے کچھ بہترین اصول بیان فرمائے ہیں جن پر عمل کرکے میدان جنگ میں کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ اصول اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں۔

میدان جنگ میں کامیابی کے اصول

میدانِ جنگ میں کامیابی کے پانچ اصول بیان کیے گئے:

1: میدان جنگ میں پیٹھ نہ پھیریں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾﴾

اے ایمان والو! جب کافروں سے تمہارا آمنا سامنا ہو جائے، اور وہ چڑھائی کرکے آرہے ہوں، تو ان کو پیٹھ مت دکھاؤ۔

2: اللہ اور رسول کی اطاعت کریں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾﴾

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرو، اور اس (تابعداری) سے منہ نہ موڑو، جبکہ تم (اللہ اور رسول کے احکام) سن رہے ہو۔

3: اللہ اور اس کے رسول کی دعوت قبول کریں:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾﴾

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی دعوت قبول کرو، جب رسول تمہیں اس بات کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔ اور یہ بات جان رکھو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان آڑ بن جاتا ہے۔ اور یہ کہ تم سب کو اسی کی طرف اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا۔

4: اللہ اور اس کے رسول سے بے وفائی نہ کریں:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾﴾

اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے بے وفائی نہ کرنا، اور نہ ہی جانتے بوجھتے اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہونا۔

5: تقویٰ اختیار کریں:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾﴾

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے ساتھ تقویٰ کی روش اختیار کرو گے تو وہ تمہیں (حق و باطل کی) تمیز عطا کر دے گا، تمہاری برائیوں کا کفارہ کر دے گا اور

تمہیں مغفرت سے نوازے گا۔ اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔

کفار کے لیے ترغیب وترہیب:

﴿قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ یَّنۡتَهُوۡا یُغۡفَرۡ لَهُمۡ مَّا قَدۡ سَلَفَ وَ اِنۡ یَّعُوۡدُوۡا فَقَدۡ مَضَتۡ سُنَّتُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۳۸﴾﴾

گزشتہ آیات میں ایمان والوں کے لیے اصول کا بیان تھا۔ اب ان کے مقابلے میں نویں پارے کے آخر میں اللہ تعالیٰ کفار کو ترغیب دے رہے ہیں کہ کفار اپنے کفر سے اب بھی باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے سابقہ گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔ اور ترہیب بھی ہے کہ اگر وہ باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی نیا قانون بنانا نہیں پڑے گا بلکہ جو قانون جاری ہو چکا ہے ان پر بھی جاری ہو گا یعنی دنیا میں بھی ہلاک وبرباد ہوں گے اور آخرت میں بھی عذاب کے مستحق ہوں گے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پارہ نمبر:10

مالِ غنیمت کی تقسیم:

﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی.....﴿۴۱﴾﴾

سورۃ انفال کے شروع میں مال غنیمت کے بارے میں سوال و جواب کا ذکر تھا، اب دسویں پارے کے شروع میں اس کی مزید تفصیل بیان کی جارہی ہے۔

مال غنیمت کے اولاً پانچ حصے کیے جائیں گے۔ ان میں سے چار حصے مجاہدین کے درمیان برابر برابر تقسیم کیے جائیں گے اور مال غنیمت کا پانچواں چونکہ خالص اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اس لیے یہ حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو دیا جائے گا۔

بقیہ قصہ غزوہ بدر:

﴿اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَ الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ.....﴿۴۲﴾﴾

یہاں سے پھر اللہ تعالیٰ نے غزوہِ بدر کا ذکر فرمایا۔ غزوہِ بدر مسلمانوں اور کفار کے درمیان وہ پہلی جنگ ہے جس نے مشرکین مکہ اور کفار کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ اس غزوہ میں ظاہری اور مادی طور پر مسلمانوں کے فتح پانے کا کوئی امکان نہیں تھا اور مشرکین مکہ کی شکست کا کوئی احتمال نہیں تھا مگر اللہ تعالی کی غیبی قوت نے سارے

سازوسامان اور ظاہری اسباب کی کایاپلٹ دی۔ اور یہی وہ جنگ ہے جس نے اسلام کی فتوحات کے دروازے کھولے۔ غزوہ بدر میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا خاص مقام ہے۔

مدد حاصل کرنے کے چھ اصول:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾﴾

یہاں سے لے کر آیت 47 تک بتایا ہے کہ اگر مسلمان میدان جنگ میں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو درج ذیل چھ چیزوں کا اہتمام کریں:

- میدان جنگ میں ثابت قدمی اختیار کرنا۔
- کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔
- اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا۔
- آپس کے اختلافات سے پرہیز کرنا۔
- اگر جنگ میں ناموافق حالات آجائیں تو صبر کرنا۔
- کفار کی طرح تکبر اور ریا نہ کرنا۔

یہ چھ چیزیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کو کھینچ لیتی ہیں۔

اسلحہ اور جنگ کے لیے تیاری کرنا:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ..... ﴿۶۰﴾﴾

اس آیت میں مسلمانوں کو سمجھایا جارہا ہے کہ جنگی ہتھیار اور جنگ کے لیے خوب تیاری کیا کرو۔ البتہ یہ ضروری نہیں کہ جتنا سازوسامان کفار کے پاس ہے

مسلمانوں کے پاس بھی اتنا ہونا چاہیے بلکہ مسلمان اپنی طاقت کے مطابق خوب تیاری کریں۔ جنگ کے لیے تیاری کرنا فرض ہے۔

قیدیوں سے صلح اور فدیہ لینا:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ----(٦٧)﴾

جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کو فتح ہو گئی، کفار کو شکست ہوئی اور ان کے ستر سردار بھی گرفتار کر لیے گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کے بارے میں مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے؟ حضرت صدیق اکبر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے تھی کہ فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ جبکہ حضرت فاروق اعظم اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم کی رائے تھی کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت للعلمین ہونے کی وجہ سے فدیہ لے کر چھوڑنے والی رائے کو پسند کیا تو اس پر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف عتاب نازل ہوا جنہوں نے فدیہ لے کر چھوڑنے کی رائے دی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم پہلے نہ آ چکا ہوتا تو جو فدیہ تم نے لیا ہے اس کے بدلے تم پر عذاب عظیم نازل ہوتا۔

مہاجرین وانصار کا ذکر:

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ(٧٤)﴾

سورۃ انفال کے آغاز میں جہاد کا ذکر تھا اور اختتام میں ہجرت کا ذکر ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار کا تذکرہ فرمایا کہ مہاجرین وہ ہیں جنہوں نے دین اسلام کے لیے ہجرت کی اور انصار وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انہیں ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کے ایمان کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا کہ یہی پکے مؤمن ہیں اور ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

سورہ توبہ

وجہ تسمیہ:

اس سورت کا نام سورۃ توبہ ہے۔ اس میں ان مخلصین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی داستان اور توبہ کا ذکر ہے جو غزوہ تبوک میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ پھر انہوں نے سچے دل سے توبہ کی تو ان کی توبہ قبول ہو گئی جس کا ذکر آیت نمبر 118 میں ہے۔ اس مناسبت سے اس سورت کا نام سورت توبہ رکھا گیا ہے۔

مشرکین کے متعلق احکامات:

سورۃ توبہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اور اس کی پہلی پانچ آیات میں چار قسم کے مشرکین کے احکامات بیان کیے گئے ہیں۔

پہلی اور دوسری قسم:

﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖۤ اِلَى الَّذِيۡنَ عٰهَدْتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ؕ﴿۱﴾ فَسِيۡحُوۡا فِى الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ ۔۔۔۔ ﴿۲﴾﴾

پہلی قسم وہ ہے جن سے کسی قسم کا معاہدہ صلح نہیں تھا۔ دوسری قسم وہ ہے جن سے معاہدہ صلح بغیر تعیین مدت کے ہوا تھا۔ ان دونوں قسموں کا حکم آیت نمبر 1 اور 2 میں ہے کہ ان کو چار ماہ کی مہلت دی گئی تھی کہ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ٹھیک یا جزیرہ عرب سے باہر جانا چاہیں تو اس کی ترتیب بنالیں وگرنہ انہیں جنگ کا سامنا کرنا ہوگا۔

تیسری قسم:

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ۔۔۔۔ (۴)﴾

وہ جن سے صلح کا معاہدہ کسی خاص میعاد کے لیے کیا گیا اور وہ اس معاہدہ پر قائم رہے۔ ان کے بارے میں یہ حکم دیا گیا کہ ان کے معاہدے کی جتنی مدت باقی ہے اس کو پورا کیا جائے۔ ان کے معاہدے کی مدت ختم ہونے میں 9 ماہ باقی تھے تو انہیں 9 ماہ تک مہلت دی گئی۔

چوتھی قسم:

﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ۔۔۔۔ (۵)﴾

وہ مشرکین جن سے حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ ہوا اور انہوں نے خود اس کو توڑ دیا۔ (اسی نقض معاہدہ کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر حملہ کر کے بغیر خون خرابے کے فتح فرمالیا تھا)۔ ان کے لیے مہلت تو نہیں تھی لیکن حج کے موقع پر ان سے برأت کا اعلان کیا گیا تھا جو کہ خود حرمت والا مہینہ تھا اور اس کے بعد محرم وہ

بھی حرمت والا تھا اسی وجہ سے محرم کے آخر تک ان کو بھی مہلت مل گئی تھی کہ اگر وہ ایمان نہ لائیں یا جزیرہ عرب سے باہر نہ جائیں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔

ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں:

﴿مَا كَانَ لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ اَنۡ يَّعۡمُرُوۡا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيۡنَ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ بِالۡكُفۡرِ‌ؕ اُولٰٓـئِكَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ ۖۚ وَفِى النَّارِ هُمۡ خٰلِدُوۡنَ ۝١٧﴾

گزشتہ آیات میں بھی مشرکین کا ذکر تھا، اب یہاں بھی انہی کا ذکر ہے۔ مشرکین بیت اللہ کی تعمیر کرتے اور حاجیوں کو پانی پلاتے تھے اور مسلمانوں کے مقابلے میں اس پر فخر کرتے تھے کہ اس سے بڑھ کر کسی کا کوئی عمل نہیں ہو سکتا۔ یہاں سے ان کی تردید کی جارہی ہے کہ مسجد کی خدمت یا حاجیوں کو پانی پلانا بڑی خدمت ہے بشرطیکہ ایمان ہو۔ مشرک کے پاس ایمان نہیں اس لیے اعمال کا کوئی فائدہ بھی نہیں۔ آگے یہ بھی فرمایا کہ تعمیرِ مساجد وغیرہ امور اہلِ ایمان کا حق ہیں۔

غزوہ حنین:

﴿لَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىۡ مَوَاطِنَ كَثِيۡرَةٍ‌ ۙ وَّيَوۡمَ حُنَيۡنٍ‌ ..... ۝٢٥﴾

یہاں سے آگے غزوہ حنین کا واقعہ بیان کیا جارہا ہے۔ فتح مکہ کے بعد قبیلہ بنو ہوازن؛ جس کا سردار مالک بن عوف تھا؛ نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے تیاری کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اطلاع ہوئی تو صحابہ کرام کا چودہ ہزار کا لشکر لے کر حنین کے مقام پر پہنچ گئے جہاں یہ جنگ ہوئی۔ تعداد کی کثرت کی وجہ سے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان سے نکل گیا کہ آج ہم کسی سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی۔

جب مسلمان ایک تنگ وادی سے گزر رہے تھے تو بنو ہوازن کے تیر اندازوں نے یکایک حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ صحابہ کرام ثابت قدم رہے۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے آواز لگانے پر صحابہ کرام پلٹے۔ نتیجتاً مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی اور کفار شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ ان کے ستر آدمی مارے گئے، بہت سارا مال غنیمت بھی ہاتھ آیا اور تقریباً چھ ہزار جنگی قیدی بنائے گئے۔

مسلمانوں کو یہاں یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ اپنی کثرت اور طاقت پر نظر نہیں کرنی چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ و توکل رکھنا چاہیے، مدد و نصرت، فتح و شکست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔

اہل کتاب کے متعلق حکم:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ----﴿۲۹﴾﴾

گزشتہ آیات میں تھا کہ مشرکین کے لیے جزیرہ عرب میں رہنے کی گنجائش نہیں۔ اب یہاں مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اہل کتاب سے جہاد کرو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ دیں۔ اہل کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں جزیرہ عرب میں غیر مسلم شہری کی حیثیت سے رہ کر جزیہ ادا کرتے رہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وصیت کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اہل کتاب کو جزیرہ عرب سے بھی نکال دیا گیا۔

یہود و نصاریٰ کی تردید:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ

قَوۡلُهُمۡ بِاَفۡوَاهِهِمۡ..... ﴿۳۰﴾

یہاں سے لے کر کئی آیات تک اہل کتاب کا ذکر ہے۔ اہل کتاب میں سے یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے تھے۔ یہاں ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ان کے منہ کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مشرکانہ باتوں سے پاک ہے۔

ناحق مال کھانے پر وعید:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ الۡاَحۡبَارِ وَ الرُّهۡبَانِ لَیَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ..... ﴿۳۴﴾

اہل کتاب ناحق طریقوں سے لوگوں کا مال کھاتے تھے۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ شریعت موسوی میں تحریف کرتے اور اس پر لوگوں سے پیسے لیتے تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ان کے لیے قیامت کے دن دردناک عذاب ہوگا۔

غزوہ تبوک:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَکُمۡ اِذَا قِیۡلَ لَکُمُ انۡفِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَی الۡاَرۡضِ اَرَضِیۡتُمۡ بِالۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا مِنَ الۡاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا فِی الۡاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیۡلٌ ﴿۳۸﴾

یہاں سے لے کر تقریباً سورۃ کے آخر تک مختلف اعتبار سے غزوہ تبوک کا ذکر ہے۔ فتح مکہ اور حنین کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ پہنچے تو اطلاع

ملی کہ رومی سلطنت کا بادشاہ ہرقل؛ مدینہ منورہ پر ایک زبردست قسم کے حملے کے لیے تیاری کر رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے مدینہ کے مسلمانوں کو تیاری کا حکم فرمایا اور تیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش قدمی کی۔

مسلمانوں کے لیے یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔ سخت گرمی تھی، کھجوریں پک چکی تھیں یہی ان کے لیے سال بھر کا گزر بسر تھا۔ سفر بہت دور کا تھا تقریباً آٹھ سو میل تھا، جنگ کے لیے سازوسامان کم تھا، ادھر مقابلہ دنیا کی سپر پاور کے ساتھ تھا، وغیرہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے پیش قدمی کرنے کی وجہ سے کفار پر رعب طاری ہو گیا۔ وہ واپس چلے گئے اور جنگ کی نوبت نہ آئی۔ منافقین قسمیں کھا کر حیلے بہانے کرنے لگے اور مدینہ میں رک گئے۔ چند ایک مسلمان بھی کسی وجہ سے نہ جا سکے بعد میں انہوں نے توبہ کی۔ ان کی توبہ قبول ہو گئی۔

آگے آنے والی آیات میں منافقین کے نفاق اور جھوٹ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے۔ ان مؤمنین مخلصین کا ذکر بھی ہے جو غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکے تھے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت:

﴿اِذۡ یَقُوۡلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ۔۔۔۔(۴۰)﴾

یہ ہجرت کے واقعے کی طرف اشارہ ہے جب مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کیا۔ آپ غار ثور میں تین دن تک روپوش رہے۔ کھوجی جب غار کے منہ کے قریب پہنچے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی جان سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر تھی اس لیے آپ پر گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا غم نہ کریں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ ونہ وہ واحد صحابی ہیں جن کو صاحب کہہ کر ان کی صحابیت کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کیا۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہ کی صحابیت نص قطعی سے ثابت ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص صحابیت صدیق کا انکار کرے گا تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

مصارفِ صدقات کا بیان:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ الۡعٰمِلِیۡنَ عَلَیۡہَا وَ الۡمُؤَلَّفَۃِ قُلُوۡبُہُمۡ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الۡغٰرِمِیۡنَ وَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ فَرِیۡضَۃً مِّنَ اللّٰہِ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۶۰﴾﴾

گزشتہ آیات میں منافقین کے اعتراضات کا ذکر تھا۔ وہ کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدقات کی تقسیم میں انصاف نہیں کرتے جس کو جتنا چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔ اب اس آیت میں مصارف کی تعیین اور ان کے الزام کو رد کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود تعیین فرمادی کہ صدقات کن لوگوں کو دیئے جائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ مصارفین زکوٰۃ وصدقات کل آٹھ ہیں:

1،2- فقراء ومساکین

فقیر اور مسکین میں کچھ فرق ہے۔ فقیر اسے کہتے ہیں کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور مسکین کہتے ہیں جس کے پاس مال تو ہو مگر اس سے اس کی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو۔

3-عاملین:

جن کو حکومت نے زکوٰۃ کے اموال جمع کرنے کے لیے متعین کیا ہو تو ان کی تنخواہ اموالِ زکوٰۃ سے دی جائے گی۔

4-موٴلفۃ القلوب:

ان سے مراد وہ نو مسلم ہیں جو ضرورت مند ہوں ان کو اسلام پر برقرار رکھنے اور تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ جس طرح یہ حکم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں تھا آج بھی اسی طرح باقی ہے۔

5-فی الرقاب:

غلام کو آزاد کرنے کے لیے۔ اگر غلام کو اس کا مالک کہہ دے کہ تو اتنے پیسے دے دے؛ میں تجھے آزاد کر دوں گا تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے تاکہ وہ آزاد ہو جائے۔

6-غارمین:

مقروض کو اس کی ضروریات پوری کرنے اور قرض سے نجات کے لیے زکوۃ دینا جائز ہے۔

7-فی سبیل للہ:

مجاہد جو جہاد پر جانا چاہتا ہو لیکن اس کے پاس سواری وغیرہ نہ ہو اس کو زکوۃ دینا جائز ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو دینی کاموں؛ تعلیم و تعلم وغیرہ کی وجہ سے معاشی سرگرمیاں بجانہ لاسکتے ہوں، ان کو بھی زکوۃ دی جاسکتی ہے۔ مثلاً مدارس کے طلبہ و اساتذہ وغیرہ۔

8-ابن السبیل:

مسافر یعنی ایسا شخص کہ جس کے پاس اپنے گھر میں تو الحمد للہ پیسے موجود ہیں لیکن سفر میں اس کے پاس پیسے نہیں ہیں اور اس کو ضرورت پڑ گئی ہے تو اس کو زکوۃ دینا بھی جائز ہے۔

منافقین کی مغفرت نہیں ہو سکتی:

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ----(۸۰)﴾

گزشتہ کئی آیات میں منافقین کے نفاق، جھوٹ، جہاد میں نہ نکلنا، حیلے بہانے کرنا، ایک دوسرے کو برائی کا حکم دینا، نیکی سے منع کرنا، مسلمانوں سے بغض وحسد رکھنا جیسے قبیح افعال کی تفصیل بیان کی گئی۔ اب یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جارہا ہے کہ منافقین کے لیے اگر آپ ستر بار بھی مغفرت کی دعا کریں تب بھی اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں فرمائیں گے۔

اور اگلی آیت ﴿وَ لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾ میں منافق کا جنازہ پڑھنے اور قبر پر کھڑے ہونے (دعائے مغفرت کرنے) سے بھی منع فرمادیا۔ یہ آیت عبد اللہ ابن ابی ابن سلول منافق کی موت اور اس پر نماز جنازہ کے متعلق نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز جنازہ پڑھی پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ نمبر:11

منافقین کے لیے تین احکامات:

﴿یَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَیۡکُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَیۡهِمۡ قُلۡ لَّا تَعۡتَذِرُوۡا----﴿۹۴﴾﴾

دسویں پارے کے آخر میں ان منافقین کا ذکر تھا جو جہاد میں نہ جانے کے لیے حیلے بہانے بنا رہے تھے۔ اب ان آیات میں ان منافقین کا ذکر ہے جو جہاد میں نہیں گئے اور وہ اس پر جھوٹے عذر پیش کر رہے ہیں۔

آیت نمبر 94 تا 96 میں منافقین کے بارے میں تین حکم دیے گئے ہیں:

1: آپ ان سے کہہ دیجیے کہ بیکار اور جھوٹے عذر پیش نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے تمام حالات وواقعات سے آگاہ فرما دیا ہے کہ تم جھوٹے ہو۔

2: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ ان سے اعراض کریں یعنی نہ ہی ان پر ملامت کریں اور نہ ہی ان سے تعلقات رکھیں۔

3: منافقین قسمیں کھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے راضی نہیں ہونا۔

سات مؤمنین مخلصین کی قبولِ توبہ:

﴿وَ اٰخَرُوۡنَ اعۡتَرَفُوۡا بِذُنُوۡبِهِمۡ خَلَطُوۡا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا عَسَی اللّٰهُ اَنۡ یَّتُوۡبَ عَلَیۡهِمۡ.....﴿۱۰۲﴾﴾

گزشتہ آیات میں منافقین کا ذکر تھا۔ اب یہاں سے ان کے مقابلے میں مؤمنین مخلصین کا ذکر ہے۔ جو مسلمان غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکے وہ دس تھے۔

ان میں سے اس آیت میں سات حضرات کا ذکر ہے جنہیں اپنی غلطی پر ندامت ہوئی اور انہوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوہ تبوک سے واپسی سے پہلے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا تھا یہ کہہ کر جب تک خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں معاف کر کے نہیں کھولیں گے اس وقت تک ہم یہیں بندھے رہیں گے۔ پھر ان کی توبہ قبول ہوئی اور انہیں کھول دیا گیا۔ بقیہ تین کا ذکر آگے آرہا ہے۔

مسجد ضرار:

﴿وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ---- (۱۰۷)﴾

یہاں منافقین کی ایک خطرناک سازش کا ذکر ہے۔ انہوں نے مسجد کے نام پر ایک عمارت تعمیر کی جس کا مقصد ایک ایسا محاذ بنانا تھا جس کے ذریعے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے، مسلمانوں کی جمعیت کو توڑا جائے، اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کو پناہ دی جائے وغیرہ۔ انہوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ کسی وقت تشریف لا کر نماز پڑھیں تا کہ اسے برکت حاصل ہو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے چاہا تو میں غزوہ تبوک سے واپسی پر آؤں گا۔ غزوہ تبوک سے واپس پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کی حقیقت کھول دی اور نماز پڑھنے سے بھی منع فرما دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو صحابہ کرام کو بھیج کر اس عمارت کو منہدم کروا دیا۔

مسجد قباء واہل قباء:

﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ

رِجَالٌ يُّحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّتَطَهَّرُوۡا..... ﴿١٠٨﴾

اس کے مقابلے میں مسجد قباء کی فضیلت بیان فرمائی جس کی بنیاد تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پر ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو اس وقت کچھ دن قباء میں قیام کے دوران اس مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل قباء کی تعریف فرمائی کہ مسجدِ قباء میں نماز پڑھنے والے ایسے لوگ ہیں جو ظاہری اور باطنی پاکیزگی وصفائی کا خوب اہتمام فرماتے ہیں۔

بیعت عقبہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَ اَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ..... ﴿١١١﴾

پہلے بغیر عذر جہاد سے رکنے کی مذمت کا ذکر تھا، اب مجاہدین کی فضیلت کا بیان ہے۔ اس آیت میں بیعت عقبہ کا ذکر ہے۔ بعثت نبوی کے تیرھویں سال تیسری مرتبہ یہاں مدینہ منورہ سے آئے ہوئے ستر مرد وخواتین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت اور خصوصی طور پر جہاد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت وحمایت کرنے پر بیعت کی۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا کہ اگر ہم اس پر عمل کریں تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت ملے گی۔ انہوں نے کہا ہم اس سودے پر راضی ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے جنت کے بدلے میں ان کی جان ومال خرید لیے ہیں۔

بقیہ تین مؤمنین مخلصین کی قبولِ توبہ:

﴿وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ---- ﴿۱۱۸﴾﴾

اس آیت میں مؤمنین مخلصین میں سے تین حضرات (مرارہ بن ربیع العمری، ہلال بن امیہ واقفی اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم) کا ذکر ہے جو غزوہ تبوک میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے۔ انہوں نے صاف صاف اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تھا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے بارے میں کوئی حکم نہیں آتا تب تک ان کا معاشرتی بائیکاٹ کیا جائے یہاں تک کہ بیویوں سے بھی الگ رہنے کا حکم دیا گیا۔ بالآخر پچاس دن کے بعد اللہ تعالیٰ اس آیت میں ان کی توبہ قبول ہونے کو بیان فرمایا۔

متقی بننے کا نسخہ:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایمان والوں کو متقی بننے کا بہترین نسخہ دیا ہے۔ فرمایا اگر تم متقی بننا چاہتے ہو تو متقین کے ساتھ رہو، جو خدا سے ڈرتے ہیں۔ اور یہاں متقین کے لیے لفظ صادقین فرمایا ہے یعنی وہ لوگ جن کی خلوت و جلوت ایک جیسی ہے۔ تو متقی بننے کا سب سے آسان اور بہترین نسخہ متقین کے ساتھ رہنا ہے جو تنہائی میں بھی پاک باز ہوتے ہیں اور لوگوں کے سامنے بھی پرہیز گار ہوتے ہیں۔

شفیق و مہربان نبی:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ

عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲۸﴾

پھر اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ایسا پیغمبر ہم نے تمہیں دیا ہے جو تم میں سے ہے اور افضل ہے اور جس کو تمہاری تکلیف پر تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ تمہاری دنیا اور آخرت کے بارے میں بہت حریص اور بہت زیادہ فکر مند ہیں۔ تمہارے لیے مہربان ہیں۔

تسلی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِيَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَ هُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۱۲۹﴾﴾

سورۃ توبہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ اگر کفار اعراض کریں اور دعوت کو قبول نہ کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبر اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں۔

غم دور کرنے کا عمل:

﴿حَسۡبِيَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَ هُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ﴾ صبح وشام سات مرتبہ یہ آیت پڑھ لی جائے تو اللہ تعالیٰ غموں کو ہلکا فرماتے ہیں۔

سورۃ یونس

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ میں بطور خاص حضرت یونس علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر ہے اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ یونس ہے۔

سورۃ یونس مکی ہے اور مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ مشرکین کے اعتراضات کے جوابات اور ان کی ہٹ دھرمی پر سابقہ قوموں کے حالات وواقعات کو بیان کرکے وعیدات سنائی گئی ہیں۔ عقائد اور ترغیب وترہیب کا پہلو غالب ہے۔

مشرکین کے شبہ کا جواب:

﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ..... ﴿٢﴾﴾

اس آیت میں مشرکین کے ایک شبہ کا جواب دیا جارہا ہے۔ شبہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف انسان کو نبی بناکر کیوں بھیجا ہے، کسی فرشتے کو نبی بناکر کیوں نہیں بھیجا؟ تو انہیں جواب دیا کہ اس پر شبہ اور تعجب نہ کریں اس لیے کہ اگر کسی فرشتے کو نبی بناکر بھیجتے تو جو رسالت کا مقصد تھا وہ فوت ہوجاتا۔ انسان فرشتے کی بات کیسے سمجھتا؟ اس لیے زمین پر بسنے والے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو نبی بناکر مبعوث فرمایا ہے۔

توحید وقدرتِ باری تعالیٰ پر دلائل:

﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ..... ﴿٣﴾﴾

یہاں ان موضوعات پر بات کی گئی ہے: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، آسمان وزمین کی تخلیق، سورج اور چاند کا اپنے محور اور مرکز میں مقرر وقت کے مطابق چلنا، دن اور

رات کا آنا جانا۔ پوری کائنات کے نظام کا چلنا یہ ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر، یکتا اور اکیلے ہیں، اللہ تعالیٰ کو کسی شریک کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے! پھر اہل ایمان اور اہل کفر کے ٹھکانوں کو بیان فرمایا۔ کفار کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ایمان والوں کا ٹھکانہ جنت ہے۔

مشرکین کے مطالبے کا جواب:

﴿وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ..... (۱۵)﴾

جب مشرکین کو دعوت دینے کے لیے ان کے سامنے قرآن کریم کی واضح آیات تلاوت کی جاتیں تو بجائے ماننے کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرتے کہ اس قرآن کو واپس کر کے اس کے بدلے دوسرا لے آئیں یا اس میں ترمیم کر دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جواب دیا کہ مجھے دونوں کاموں میں سے کسی کا اختیار نہیں، میں تو اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی گئی ہے۔

تغییر اور تبدیل میں فرق:

تغیر کہتے ہیں کہ ایک چیز کو رکھ لینا اور دوسری بھی لے آنا۔ تبدیل کہتے ہیں کہ ایک چیز کو واپس کر کے اس کے بدلہ میں دوسری لے آنا۔ جیسے ایک شخص اپنے والد کے لیے کپڑے لایا۔ والد صاحب کو پسند نہ ہوں اور یہ شخص وہ کپڑے خود رکھ لے اور والد صاحب کے لیے دوسرے لائے تو اسے ”تغییر ثوب“ کہیں گے۔ اور اگر یہ شخص وہ کپڑے دکان پر واپس کر کے دوسرے لے آئے تو اسے ”تبدیل ثوب“ کہیں گے۔

مشرکین سے سوالات:

﴿قُلۡ مَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ اَمَّنۡ یَّمۡلِکُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ۔۔۔۔﴿۳۱﴾﴾

مشرکین کا عقیدہ تھا کہ ساری کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ نے بہت سے اختیارات بتوں کو بھی دے رکھے ہیں جو اللہ کے شریک ہیں لہذا ان کو راضی رکھنے کے لیے ان کی عبادت کرنی چاہیے۔ اس آیت میں ان سے پوچھا گیا ہے کہ کون ہے جو تمہیں آسمان وزمین سے روزی دیتا ہے، کون تمہارے کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے، کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے، کون ہے جو ہر کام کا انتظام کرتا ہے؟ تو یہ لوگ کہیں گے: اللہ، تو تم ان سے کہو کہ پھر بھی تم اللہ سے ڈرتے نہیں؟ جب ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے تو پھر عبادت کے لائق و مستحق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

قرآن کی صداقت کے حوالے سے چیلنج:

﴿قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّثۡلِہٖ وَ ادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۸﴾﴾

مشرکین اعتراض کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے قرآن کو گھڑ لیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں۔ انہیں چیلنج دیا کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ قرآن کریم ہمارے پیغمبر اپنی طرف سے گھڑ کر لے آئے ہیں تو تم بھی اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو چاہو مدد کے لیے بلا لاؤ اور ایک سورت اس جیسی بنا کر لے آؤ اگر تم اس بات میں سچے ہو! جب ایک سورت تم سارے مل کر نہیں لا سکتے تو پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ

یہ قرآن کریم کسی انسان نے گھڑا ہو گا!

مشرکین کے مطالبے کا جواب:

﴿وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۴۸﴾﴾

گزشتہ آیات میں مشرکین کو وعیدات سنائی گئی تھیں کہ ان کو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اب یہاں ان مطالبے کا ذکر ہے کہ وہ عذاب کب ہو گا؟ ان کا مقصد تکذیب تھی۔ انہیں اگلی آیت میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی جواب دیا گیا کہ میں تو اپنی ذات کے لیے نفع حاصل کرنے کا اور کسی ضرر کو دفع کرنے کا اختیار بھی نہیں رکھتا تو میں دوسروں کے نفع اور نقصان کا کیسے مالک ہو سکتا ہوں؟ لہذا عذاب واقع کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔

وسعتِ علم باری تعالیٰ:

﴿وَ مَا تَكُوۡنُ فِیۡ شَاۡنٍ وَّ مَا تَتۡلُوۡا مِنۡهُ مِنۡ قُرۡاٰنٍ وَّ لَا تَعۡمَلُوۡنَ مِنۡ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَیۡكُمۡ شُهُوۡدًا اِذۡ تُفِیۡضُوۡنَ فِیۡهِ..... ﴿۶۱﴾﴾

مشرکین مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو اس وجہ سے ناممکن سمجھتے تھے کہ جب انسان مر کر مٹی میں مل جائے گا تو قیامت کے دن یہ کیسے پتا چلے گا کہ مٹی کا یہ ذرہ فلاں انسان ہے اور یہ ذرہ فلاں انسان ہے؟ تو انہیں جواب دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کو اپنے علم پر قیاس نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کا علم اتنا وسیع ہے کہ کائنات کی کوئی چیز خواہ چھوٹی ہو یا بڑی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے لیے ان ذرات کو اکٹھا کر کے انسان بنانا کیا مشکل ہے؟

قصہ نوح علیہ السلام:

﴿وَاتۡلُ عَلَیۡهِمۡ نَبَاَ نُوۡحٍ.....(۷۱)﴾

پہلے مشرکین و کفار اور ان کے اعتراضات کا ذکر تھا۔ اب یہاں امم سابقہ کے حالات وواقعات کو بیان کیا جارہا ہے یہ بتانے کے لیے کہ جھٹلانے والوں کا وہی حال ہوگا جو سابقہ امتوں کا ہوا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بہت طویل عرصے تک وعظ و نصیحت کی اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی۔ سوائے چند ایک افراد کے قوم نے نہ مانا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے منکرین ومکذبین کو طوفان میں غرق کردیا۔

داستانِ موسیٰ علیہ السلام وفرعون:

﴿ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مُّوۡسٰی وَ هٰرُوۡنَ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ بِاٰیٰتِنَا فَاسۡتَکۡبَرُوۡا وَکَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِیۡنَ(۷۵)﴾

یہاں سے لے کر کئی آیات تک حضرت موسیٰ وہارون علیہم السلام کی بعثت اور فرعون اور اس کی قوم کی بدبختی اور اس کے غرق ہونے کو بیان کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے بدن کو محفوظ کرلیا جو قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے عبرت ہے کہ یہ ہے وہ شخص جس نے بادشاہ بننے کے بعد خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور اس کا انجام دیکھو کیا ہوا ہے۔ فرعون عذاب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے بعد ایمان لایا، اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ ایسی حالت کا ایمان قبول اور معتبر نہیں ہوتا۔

قصہ قومِ یونس علیہ السلام:

﴿فَلَوۡلَا کَانَتۡ قَرۡیَةٌ اٰمَنَتۡ فَنَفَعَهَاۤ اِیۡمَانُهَاۤ اِلَّا قَوۡمَ یُوۡنُسَ.....(۹۸)﴾

گزشتہ آیت میں تھا کہ انسان کا ایمان اسی وقت قبول ہوتا ہے جب وہ موت سے پہلے اور عذاب الہی کا مشاہدہ کرنے سے پہلے ایمان لائے۔ سابقہ امتیں عذاب دیکھنے سے پہلے ایمان نہیں لائیں اسی وجہ سے عذاب کا شکار ہوئیں۔ البتہ حضرت یونس علیہ السلام کی ایک ایسی قوم تھی کہ وہ عذاب کے نازل ہونے سے تھوڑا پہلے سچی توبہ کر کے ایمان لے آئی تھی اس لیے ان کا ایمان قبول ہوا اور ان سے عذاب کو ہٹا لیا گیا۔

نبی کا کام صرف تبلیغ ہے:

﴿قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ---(۱۰۸)﴾

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بات سمجھا رہے ہیں کہ لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آگیا ہے، اب جو شخص ہدایت کا راستہ اپنائے گا اس کی ہدایت کا فائدہ خود اسے پہنچے گا، اور جو گمراہی اختیار کرے گا، اس کی گمراہی کا نقصان خود اسی کو پہنچے گا اور میں تمہارے کاموں کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ یعنی میرا کام دعوت و تبلیغ ہے، ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے، تمہارے بارے میں مجھ سے پوچھ نہیں ہوگی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ نمبر:12

رازق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا..... (۶)﴾

ہر جاندار انسان، جنات، چرند، پرند، جانور، بری، بحری وغیرہ کو روزی دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے بس میں نہیں۔

تخلیقِ کائنات، مقصودِ کائنات:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا..... (۷)﴾

اس آیت میں بنیادی طور پر دو باتیں ذکر کی گئی ہیں: کائنات کو مرحلہ وار کیوں تخلیق کیا گیا ہے اور کائنات کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟

1: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق مرحلہ وار چھ دن میں فرمائی جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ایک لمحہ میں بھی پیدا فرما سکتے تھے۔ ایک تو یہ انسان کے مزاج کے مطابق ہے اور دوسرا اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ امور کی انجام دہی میں عجلت سے کام نہیں لینا چاہیے۔

2: کائنات کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس میں غور و فکر کر کے کون سب سے زیادہ اچھے عمل کرنے والا ہے۔ سب سے زیادہ اچھے اعمال نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ہیں معلوم ہوا کہ کائنات کی تخلیق کا اصل مقصود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

تسلی خاتم الانبیاء:

﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ..... ﴿١٢﴾﴾

مشرکین اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائشی معجزات مانگتے تھے جس سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تنگ ہوتا تھا۔ تو آپ کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کو ان کے فرمائشی معجزوں کی وجہ سے دلی تنگی نہیں ہونی چاہیے۔ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔

قرآن کریم کا چیلنج:

﴿قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٣﴾﴾

گزشتہ آیات میں مشرکین کے فرمائشی معجزات کا ذکر تھا اب اس آیت میں ایک ایسے معجزے (قرآن کریم) کا ذکر ہے جس کا مشرکین بھی انکار نہیں کر سکتے۔ اگر ان کے مطالبے کا مقصد نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کو جاننا ہے تو وہ بذریعہ قرآن ثابت ہو چکی ہے۔ اگر مطالبے کا مقصد محض ضد ہے تو اگر اللہ تعالیٰ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر خزانہ اتار دیتے یا تصدیق کے لیے کوئی فرشتہ نازل فرما دیتے تب بھی مشرکین نے نہیں ماننا تھا کیونکہ مطالبے کا مقصد ماننا نہیں بلکہ ضد تھی۔

اللہ تعالیٰ نے منکرین کو قرآن کریم کے بارے میں تین قسم کے چیلنجز دیے ہیں: نمبر ایک اس جیسا قرآن لاؤ۔ نمبر دو اس جیسی دس سورتیں لاؤ۔ نمبر تین اس جیسی ایک سورت لاؤ۔ یہاں دس سورتوں کا چیلنج ہے۔ اگر تم باوجود فصاحت وبلاغت

کے نہیں لاسکتے تو سمجھ لو کہ قرآن کریم برحق اور سچی کتاب ہے اور تمہارے الزامات، اعتراضات سب جھوٹ ہیں۔ پھر آیت نمبر 25 سے لے کر سورۃ ہود کے آخر تک اللہ تعالیٰ نے سات انبیاء علیہم السلام کے واقعات کو بطورِ درس وعبرت کے ذکر فرمایا ہے:

1: داستانِ نوح علیہ السلام:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۵﴾﴾

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو شب وروز 950 سال وعظ ونصیحت اور اللہ تعالیٰ کی توحید وعبادت کی طرف دعوت دیتے رہے۔ جب قوم شرک میں حد سے تجاوز کر گئی تو اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا کہ کشتی تیار کرو۔ آپ نے کشتی تیار کر لی پھر جو کلمہ گو تھے ان کو کشتی میں سوار فرمالیا اور تمام جانوروں میں سے نر اور مادہ کو اس میں بٹھالیا۔ پھر عذاب کی شکل میں آسمان سے پانی برسا اور زمین سے بھی پانی نکلا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان سے کہا کہ تو بھی آجا۔ بیٹے نے کہا کہ میں پہاڑ پر چڑھ کر بچ جاؤں گا۔ لیکن پانی پہاڑ سے بھی اونچا ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے دعا مانگی کہ اے اللہ! یہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ آپ کے ساتھ ایمان والوں اور اہل وعیال کو بچالوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ بات فرمائی کہ اہل سے مراد وہ ہیں جو مسلمان ہیں اور یہ کافر ہے اس کا کوئی عمل قابلِ قبول ہی نہیں ہے۔ لہذا بیٹا مشرک ہونے کی بنیاد پر اسی عذاب میں غرق ہو گیا۔

2: داستانِ ہود علیہ السلام:

﴿وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ..... ﴿۵۰﴾﴾

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم؛ قوم عاد جو بہت طاقت ور تھی؛ کو دعوت دی کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو عبادت کے لائق سمجھنا کفر ہے۔ اور فرمایا کہ سابقہ گناہوں کی معافی مانگو۔ لیکن قوم نے نہ مانا اور اپنے بتوں کی پوجا پاٹ میں لگے رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کے علاوہ باقی قوم پر ہوا کا طوفان بطور عذاب بھیجا جس سے گھروں کی چھتیں اور درخت اکھڑ گئے، جانور اور انسان فضا میں اڑتے اور اوندھے منہ نیچے گرتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پوری قوم تباہ و برباد ہو گئی۔

3: داستانِ حضرت صالح علیہ السلام:

﴿وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ..... ﴿٦١﴾﴾

حضرت صالح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم قومِ ثمود کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دی۔ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی اور فرمائشی معجزہ کا مطالبہ کیا کہ اگر اس پہاڑ کی چٹان سے حاملہ اونٹنی نکل آئے تو ہم آپ کو مان لیں گے۔ ایسے ہی ہوا، اونٹنی آ گئی؛ فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے اسے چھوڑ دو۔ لیکن وہ باز نہ آئے اور اونٹنی کو ہلاک کر دیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے علاوہ باقی قوم کو ایک سخت قسم کی چیخ کے ذریعہ نیست و نابود فرما دیا۔ وہ اپنے گھروں میں ایسے اوندھے منہ پڑے رہ گئے جیسے وہ کبھی وہاں بسے ہی نہیں تھے۔

4: داستانِ حضرت ابراہیم علیہ السلام:

﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿٦٩﴾﴾

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے دوواقعات بیان فرمائے ہیں ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا، دوسرا حضرت لوط علیہ السلام کا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف انسانی شکل میں فرشتے آئے۔ آپ علیہ السلام مہمان سمجھ کر بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا۔ انہوں نے نہ کھایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں فساد کی نیت سے نہ آئے ہوں۔ فرشتوں نے تسلی دی کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔

فرشتوں کے آنے کے دو مقاصد تھے۔ پہلا مقصد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے کی حالت میں بیٹے کی خوشخبری دینا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتادیا کہ بیٹے کا نام اسحاق (علیہ السلام) ہو گا، صاحب اولاد ہوں گے اور ان کے بیٹے کا نام یعقوب (علیہ السلام) ہو گا۔

5: داستان حضرت لوط علیہ السلام:

﴿وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿٧٧﴾﴾

فرشتوں کے آنے کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم سرکشی میں حد سے تجاوز کر گئی ہے اللہ تعالیٰ کے امر سے انہیں تباہ برباد کرنا ہے۔

قوم سدوم میں جو برائیاں تھیں ان میں سے ایک ہم جنس پرستی جیسی قبیح برائی تھی۔ جب فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں آئے تو حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کے کرتوتوں کی وجہ سے غمزدہ ہوئے کہ کہیں قوم انہیں اپنی ہوس کا نشانہ نہ بنالے۔ فرشتوں نے تسلی دی کہ ہم اللہ تعالی کے بھیجے ہوئے ہیں آپ اپنی بیوی کے علاوہ باقی اہل ایمان کو لے کر رات کو ہی بستی سے نکل جائیں۔ پیچھے مڑ کر بھی نہیں

دیکھنا۔ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پوری بستی کو اوپر لے جا کر الٹا پٹخ دیا اور اوپر سے ان پر پکی مٹی کے تہہ بہ تہہ پتھر برسائے۔

6: داستان حضرت شعیب علیہ السلام:

﴿وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ..... (۸۴)﴾

یہاں سے لے کر رکوع کے آخر تک قوم شعیب علیہ السلام کے واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا جارہا ہے۔ یہ قوم مدین میں آباد تھی اور بہت خوشحال تھی۔ ان میں ایک برائی ناپ تول میں کمی کرنا تھی۔ جب دیتے تو کم دیتے، لیتے تو زیادہ لیتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں سمجھانے اور اصلاح کرنے کی بہت کوشش کی مگر انہوں نے نہ مانا۔ بالآخر حضرت شعیب علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کے علاوہ باقی قوم کو ایک سخت قسم کی چیخ کے ذریعہ نیست و نابود فرما دیا۔ وہ اپنے گھروں میں ایسے اوندھے منہ پڑے رہ گئے جیسے کبھی وہاں وہ بسے ہی نہیں تھے۔

7: داستان حضرت موسیٰ علیہ السلام:

﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْہِ وَلَوْلَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ لَقُضِیَ بَیْنَھُمْ..... (۱۱۰)﴾

یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا بیان ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دی لیکن وہ نہ مانا۔ قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا۔ قوم سمیت جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

قیامت کی ہولناکی:

﴿يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿١٠٥﴾﴾

قیامت کے دن ہیبت کی وجہ سے لوگوں کی یہ حالت ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکیں گے۔ ہاں البتہ جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دیں۔ لوگوں میں بعض شقی (بدبخت، کافر) ہوں گے اور بعض سعید (خوش بخت، مؤمن) ہوں گے۔ شقی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور سعید ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

استقامت کا حکم:

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ وَ لَا تَطْغَوْا ۭ إِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١٢﴾﴾

گزشتہ کئی آیات میں سابقہ انبیاء علیہم السلام میں سے سات انبیاء اور ان کی اقوام کے حالات واقعات بیان کیے گئے۔ اب یہاں سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو استقامت علی الدین کا حکم دیا جارہا ہے۔ استقامت کا تعلق عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرت وغیرہ سب کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو حدود اور اصول مقرر کیے گئے ہیں ان کی مکمل پابندی کر کے چلنا استقامت ہے۔

ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک میں کچھ سفید بال دیکھ کر کہا اے اللہ کے رسول! آپ پر بڑھاپا تیزی کے ساتھ آرہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ سورۃ ہود اور اس جیسی سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ عافیت کی دعا مانگا کریں۔ بعض حضرات مجھے دعا دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت عطا فرمائے۔ میں انہیں کہتا ہوں کہ بھائی مجھے استقامت کی بلکہ عافیت کی دعا دیا کریں۔

اقامت صلوٰۃ کا حکم:

﴿وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ..... ﴿۱۱۴﴾﴾

اس آیت میں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں:

- اقامت صلوۃ کا حکم: یعنی نماز پوری پابندی، دوام اور اس کے تمام آداب کا خیال رکھتے ہوئے ادا کرنا۔
- اوقات صلوۃ یعنی اس مقام پر چار نمازوں (فجر، عصر، مغرب اور عشاء) کے اوقات کو بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ نماز ظہر کا ذکر دوسری آیت﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ ﴿۷۸﴾﴾ میں موجود ہے۔
- نماز ادا کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ یہ انسان کے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔

سابقہ انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان کرنے کی حکمت:

﴿وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَ جَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾﴾

سورۃ ہود میں مختلف مقامات پر سات انبیاء علیہم السلام کے قصص اور ان کی اقوام کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ اب یہاں سورۃ کے آخر میں ان قصص کی حکمتوں

کو بیان کیا جارہا ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کرنے سے مقصود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا اور آپ کے دل کو مضبوط کرنا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے بھی اس میں نصیحت وموعظت اور عبرت ہے۔

سورۃ یوسف

وجہ تسمیہ:

اس پوری سورۃ میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے آپ کے نام پر اس سورۃ کا نام سورۃ یوسف رکھا گیا ہے۔

یہودیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ بنو اسرائیل فلسطین سے مصر جا کر کیسے آباد ہوئے؟ یہودیوں کا مقصدِ سوال یہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اس کا جواب نہیں ہو گا تو ان کی تکذیب کرنا ہمارے لیے آسان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ پوری سورۃ نازل فرمادی۔

چند ایک مشترکات:

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور یوسف علیہ السلام کے درمیان بہت سی چیزوں میں مشابہت ہے:

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ سے حسد کرکے تکلیفیں پہنچائیں بالآخر غلبہ یوسف علیہ السلام کو حاصل ہوا۔ اسی طرح قریش مکہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں بالآخر فتح مکہ کی صورت میں غلبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو معاف کرتے ہوئے انتقام نہیں لیا۔ اسی طرح نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فتح مکہ کے موقع پر قریش

کو معاف فرمادیا۔ وغیرہ....

بہترین قصہ یعنی احسن القصص:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ.....﴿۳﴾﴾

یوسف علیہ السلام کا قصہ بہت اچھے انداز میں بیان ہوا ہے۔ کیوں کہ باقی انبیاء علیہم السلام کا قصہ پورے قرآن میں یکجا بیان نہیں ہوا کہیں تھوڑا سا کہیں پھر تھوڑا سا، تو جتنی ضرورت ہوئی اتنا بیان کر دیا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا قصہ اللہ نے بالترتیب ایک جگہ بیان کیا ہے اسی وجہ سے اسے احسن القصص سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں عبرتیں، نصیحتیں، سیرت وسوانح، زہد و تقوی، حکومت کے رموز، دین اور معاشی خوش حالی کی تدبیریں وغیرہ؛ سب کو بڑی جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

یوسف علیہ السلام کا خواب:

﴿اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾﴾

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ ابا جی! میں نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے، ایک سورج اور ایک چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نبی ہونے کی وجہ سے خواب کی تعبیر سمجھ گئے کہ اس کے گیارہ بھائی، والد اور والدہ کسی وقت ان کے مطیع اور فرمانبردار ہو جائیں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی پہلی بیوی سے دس بیٹے تھے۔ دوسری بیوی سے دو (یوسف علیہ السلام اور بنیامین) تھے۔

یعقوب علیہ السلام کی تدبیر:

﴿قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا....(۵)﴾

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا۔ ممکن ہے کہ وہ سوتیلے بھائی ہونے کی وجہ سے حسد کرنے لگیں۔

برادران یوسف کا حسد:

﴿اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ....(۸)﴾

حضرت یوسف علیہ السلام کے والد گرامی ان سے غیر معمولی محبت کرتے تھے۔ یا تو اسی وجہ سے انہوں نے حسد کیا یا پھر انہیں کسی طریقے سے خواب معلوم ہو گیا تو حسد کرنے لگے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم عمر، طاقت اور تعداد میں بھی زیادہ ہیں والد گرامی کی مدد تو ہم کر سکتے ہیں اس لیے ہم سے زیادہ محبت ہونی چاہیے۔

یوسف علیہ السلام کے قتل منصوبہ:

﴿اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ....(۹)﴾

یہاں سے لے کر آیت نمبر 21 تک کا خلاصہ:

برادران نے مشورہ کیا کہ اسے قتل کر دیں یا پھر کسی کنویں میں ڈال دیں۔ یہودا جو ان کا بڑا بھائی تھا اس نے کہا قتل نہ کریں بلکہ کسی کنویں میں ڈال دیں۔ والد سے کہا ہم سیر و تفریح کے لیے جانا چاہتے ہیں ہماری خواہش ہے کہ یوسف (علیہ السلام) کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دیجیے۔ لے جا کر کسی کنویں میں ڈال دیا۔ عشاء کے وقت والد کے پاس روتے ہوئے آئے اور ان کے کرتے کو خون لگا دیا کہ ہمارے بھائی کو بھیڑیے نے کھا لیا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اصل حقیقت سمجھ گئے۔

اب وہاں سے قافلہ گزرا انہوں نے پانی نکالنے کے لیے ڈول ڈالا تو ڈول میں سے یوسف علیہ السلام نکل آئے۔ بھائی قریب تھے آ گئے کہنے لگے کہ یہ ہمارا بھگوڑا غلام ہے ہم اسے بیچنا چاہتے ہیں۔ چالیس یا بیس درہم میں فروخت کر دیا۔ قافلے والے لے کر مصر آ گئے، وہاں عزیز مصر نے خرید لیا۔ عزیز مصر نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کا بہت خیال کرنا یہ بڑی صفات والا ہے۔

آزمائش میں کامیابی:

﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۝۲۲﴾

یہاں سے لے کر آیت نمبر 29 تک کا خلاصہ:

عزیز مصر کے گھر میں پلے، بڑھے اور جوان ہوئے تو عزیز مصر کی بیوی زلیخا آپ پر فریفتہ ہو گئی۔ جب جذبات پر قابو نہ رہا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی قربت حاصل کرنے کے لیے اندر سے دروازے بند کر کے تالے لگا دیے۔ گناہ کے تمام اسباب موجود تھے مثلاً خود عورت کی طرف سے خواہش کرنا، کسی غیر کے آنے جانے کے سب راستے بند، جوانی و قوت کا زمانہ وغیرہ مگر اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو اس سے مکمل طور پر محفوظ رکھا۔

یوسف علیہ السلام بچنے کے لیے وہاں سے بھاگے، زلیخا پکڑنے کے لیے پیچھے دوڑی، کرتہ پکڑ کر ان کو باہر جانے سے روکنا چاہا جس سے کرتہ پھٹ گیا۔ باہر عزیز مصر موجود تھے۔ زلیخا نے فوراً الزام لگا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی ظاہر کرنے کے لیے ایک شیر خوار بچے کو شہادت دینے کے لیے قوت گویائی عطا فرمائی۔ گواہی سے ثابت ہوا کہ زلیخا قصور وار ہے۔ عزیز مصر کو یقین ہو گیا کہ زلیخا قصوروار ہے اور اس سے کہا کہ اس گناہ کی معافی مانگو۔ یوسف علیہ السلام سے کہا کہ

اے یوسف! درگزر کرو۔

زنانِ مصر کا طعنہ اور زلیخا کی تدبیر:

﴿وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا..... (٣٠)﴾

شہر کی عورتیں باتیں کرنے لگیں کہ زلیخا اپنے غلام پر فریفتہ ہو گئی ہے۔ زلیخا نے ان سب عورتوں کی دعوت کی دستر خوان پر تیز چھریاں اور پھل رکھ دیے۔ یوسف علیہ السلام کو باہر آنے کے لیے کہا جب عورتوں نے دیکھا تو ان کے حسن و جمال میں ایسی محو ہوئیں کہ بے خیالی میں پھل کاٹنے کے بجائے اپنی انگلیاں کاٹ بیٹھیں اور کہنے لگیں کہ یہ انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے۔ زلیخا نے ان عورتوں سے کہا اس محبت پر تم مجھے طعنہ دیتی تھیں، اب پتہ چلا؟

یوسف علیہ السلام کی دعا:

﴿قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ..... (٣٣)﴾

حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی کہ یا رب! یہ عورتیں مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہیں اس کے مقابلے میں جیل مجھے زیادہ پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کی، ان کی چالوں سے حفاظت فرمائی اور آپ علیہ السلام کو جیل میں بھیج دیا گیا۔

دو قیدیوں کا خواب:

﴿وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ..... (٣٦)﴾

حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کے زمانے میں دو مزید قیدی بادشاہ کو

کھانے میں زہر دینے کے الزام میں جیل میں آ گئے۔ انہوں نے خواب دیکھا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں بادشاہ کو انگور نچوڑ کر شراب پلا رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ میرے سر پر روٹیوں کا ٹوکرا ہے پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ یوسف علیہ السلام سے تعبیر پوچھی۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ دیر میں بتاتا ہوں۔ پہلے انہیں توحید کی دعوت دی پھر پیغمبرانہ شفقت کی وجہ سے بغیر تعین کے تعبیر بتائی کہ تم میں سے ایک نجات پائے گا اور بادشاہ کو شراب پلائے گا دوسرے کو پھانسی ہو گی۔ کچھ دن بعد تحقیقات مکمل ہونے پر فیصلہ ہو گیا کہ ساقی بے گناہ ہے اور باورچی قصوروار ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی سے کہا کہ بادشاہ سے کہہ دینا ایک بے قصور قیدی جیل میں ہے۔ ساقی کو شیطان نے بھلا دیا۔ یوسف علیہ السلام کئی سال تک جیل میں رہے۔

بادشاہ کا خواب:

﴿وَقَالَ الۡمَلِكُ اِنِّىۡۤ اَرٰى سَبۡعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاۡكُلُهُنَّ سَبۡعٌ عِجَافٌ وَّ سَبۡعَ سُنۡۢبُلٰتٍ خُضۡرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ...... ﴿۴۳﴾﴾

بادشاہ نے خواب دیکھا کہ سات موٹی تازی گائے ہیں جنہیں سات دبلی پتلی گائے کھا رہی ہیں، نیز سات خوشے ہرے بھرے ہیں اور سات مزید خوشے ہیں جو سوکھے ہوئے ہیں۔ ارکان سلطنت سے اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ یہ الجھے ہوئے اور پریشان خیالات ہیں اور ہم خوابوں کی تعبیر سے واقف بھی نہیں۔ اس ساقی کو یوسف علیہ السلام یاد آ گئے، اس نے کہا بادشاہ سلامت! جیل میں ایک آدمی ہے جو سچا ہے اور تعبیر بھی درست بتاتا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے تعبیر بتا دی کہ سات سال کھیتی باڑی کر کے اناج محفوظ کرو، ان کے بعد سات سال سخت قحط سالی کے آئیں گے۔ قحط سالی کے ان سات سالوں کے بعد پھر بارشیں ہوں گی اور دوبارہ ہریالی اور فصلیں

ہوں گی۔ بادشاہ بہت خوش ہوا کہ یہ میرے خواب کی صحیح تعبیر ہے۔

یوسف علیہ السلام کی رہائی:

﴿وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْــٴَـلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ..... ﴿۵۰﴾﴾

بادشاہ نے کہا اسے بلاؤ، یہ عام آدمی نہیں بلکہ بہت ہی عظیم شخص ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بعد میں آؤں گا بادشاہ سے کہو کہ پہلے ان عورتوں کے معاملات کی تحقیق کریں جنہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالی تھیں۔ بادشاہ نے ان سب عورتوں کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کی واضح الفاظ میں گواہی دی۔ اور زلیخا نے بھی اقرار کیا کہ اصل غلطی میری تھی، یوسف علیہ السلام سچے ہیں۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے پاس رہنے لگے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پارہ نمبر:13

یوسف علیہ السلام کی تواضع:

﴿وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ..... ﴿۵۳﴾﴾

بارھویں پارے سے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ چلتا آرہا ہے۔ یہاں بھی انہی کا ذکر ہے۔

جب عورتوں کی طرف سے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی اور پاکدامنی ثابت ہوگئی تو اس موقع پر بھی انتہائی تواضع اور عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے نفس کو بھی بری نہیں بتاتا کیونکہ نفس ہر انسان کو گناہ کا حکم دیتا ہے، یہ صرف میرے رب کی رحمت ہے جس کی وجہ سے میں برائی سے محفوظ رہا۔

یوسف علیہ السلام کی حکومت:

﴿قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ ﴿۵۵﴾﴾

جب شاہِ مصر نے یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس بلایا اور یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کا پورا خواب اور اس کی تعبیر دوبارہ بتائی تو بادشاہ نے کہا کہ اس کا انتظام کون کرے گا؟ یوسف علیہ السلام نے فرمایا ﴿اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ﴾ تم مجھے وزیر خزانہ بنادو، میں نگرانی کر سکتا ہوں اللہ نے مجھے اس کا علم بھی عطا فرمایا ہے۔

کچھ عرصے کے بعد بادشاہ نے حکومت کے تمام اختیارات یوسف علیہ السلام کو سونپ دیے اور ان کے ہاتھ پر اسلام بھی قبول کر لیا۔ آپ نے بہت عمدہ طریقے سے

انتظامات فرمائے۔

یہ بات یاد رہے آپ کا عہدہ مانگنا اس وجہ سے تھا کہ اگر کسی نا اہل کو عہدہ مل گیا تو کہیں وہ اس کو ضائع نہ کر دے۔ نبوت کا عہدہ اتنا بڑا ہے کہ اس کے ملنے کے بعد کسی عہدے کی خواہش وضرورت نہیں رہتی اور ایک نبی کو کسی عہدے سے کیا غرض!

برادران کا مصر میں پہلا داخلہ:

﴿وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾﴾

جب یوسف علیہ السلام خزانے پر متعین ہو گئے اس وقت یہ طے کیا گیا کہ قحط کی وجہ سے ہر آدمی کو ایک خاص مقدار میں غلہ دیا جائے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی آئے اور آپ کا سب سے چھوٹا بھائی بنیامین ساتھ نہیں تھا۔ جب واپس جانے لگے تو یوسف علیہ السلام نے پوچھا تم کتنے بھائی ہو انہوں نے بتایا ایک بھائی اور ہے وہ والد کے پاس ہے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا آئندہ اس کو بھی لانا اگر نہ لائے تو تمہیں غلہ نہیں دوں گا۔ ان کی واپسی کے وقت یوسف علیہ السلام نے ان کے پیسوں کو انہی کے سامان میں رکھوا دیا اور ان کو پتہ بھی نہ چلا۔ جب واپس جا کر انہوں نے سامان کھولا تو اس میں پیسے موجود تھے انہوں نے کہا پیسے بھی واپس آ گئے بہت نیک بادشاہ ہے!

بنیامین کو مصر لے جانے کی درخواست:

﴿فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾﴾

پھر اپنے والد سے کہا کہ اس نے کہا ہے کہ تم اپنے باپ شریک بھائی کو بھی

لے کر آنا۔ انہوں نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہمارے بھائی بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیں، ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو پہلے سے جھٹکا لگا ہوا تھا فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا یہاں تک کہ تم مجھ سے پختہ عہد کرو کہ تم اس کو واپس لاؤ گے۔

یعقوب علیہ السلام کی تدبیر:

﴿وَ قَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّ ادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ..... (٦٧)﴾

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت فرمائی کہ میرے بیٹو! جب تم مصر میں داخل ہو تو الگ الگ دروازے سے داخل ہونا۔ وہ خوبصورت اور قد آور تھے تو آپ کو خدشہ ہوا کہ کہیں نظر نہ لگ جائے۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا دیا کہ یہ محض ایک تدبیر ہے باقی کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ بیٹے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مختلف دروازوں سے داخل ہو گئے۔

برادران کا مصر میں دوسرا داخلہ:

﴿وَ لَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (٦٩)﴾

بنیامین جب پہنچے تو یوسف علیہ السلام نے انہیں اپنے پاس خاص جگہ دی اور فرمایا میں تمہارا بھائی یوسف ہوں لہذا تم ان باتوں پر رنجیدہ نہ ہونا جو یہ کرتے رہے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک تدبیر اختیار کی جس سے بنیامین ان کے پاس رہ جائے۔ جب یہ واپس جانے لگے تو غلہ ناپنے کا پیمانہ حضرت یوسف علیہ السلام کے

کہنے پر چھوٹے بھائی کے غلہ کے اندر رکھ دیا گیا۔ جب یہ چلے تو حکومت کی طرف سے ایک شخص نے اعلان کیا کہ ہمارا غلہ ناپنے کا جو برتن تھا وہ چوری ہو گیا تم سب تلاشی دو۔ انہوں نے کہا ہم تو چور نہیں۔ اعلان کرنے والوں نے کہا کہ اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو اس کی کیا سزا ہو گی؟ خود انہوں نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ اسے روک لیا جائے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں یہی حکم تھا۔ پہلے دوسرے بھائیوں کی تلاشی لی پھر بنیامین کی۔ ان کے سامان سے پیالہ برآمد ہو گیا تو بھائی کہنے لگے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف علیہ السلام) بھی چوری کر چکے ہیں۔

یوسف علیہ السلام کی طرف چوری کی نسبت کا واقعہ یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام بچپن میں پرورش کے لیے اپنی پھوپھی کے پاس تھے۔ جب یعقوب علیہ السلام انہیں واپس لینے گئے تو پھوپھی کو یوسف سے محبت ہو چکی تھی وہ چاہتی تھیں کہ یوسف کسی بھی طریقے سے میرے پاس رہ جائے۔ انہوں نے اس کے لیے تدبیر یہ اختیار کی کہ ان کی کمر کے ساتھ پٹکا باندھ کر یہ مشہور کر دیا کہ پٹکا چوری ہو گیا ہے۔ جب پٹکا یوسف علیہ السلام سے برآمد ہوا تو یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق پھوپھی نے یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھ لیا۔ برادران کو اس معاملے کی حقیقت حال کا علم تھا اس کے باوجود بھی انہوں نے چوری کا الزام لگا دیا۔

برادران کی یوسف علیہ السلام سے دردمندانہ التجا:

﴿قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٧٨﴾﴾

جب بنیامین کو روکا جانے لگا تو بھائیوں کو پریشانی لاحق ہوئی اب منت سماجت

شروع کی کہ ہمارے ابا بوڑھے اور ضعیف ہیں لہذا آپ ہم میں سے کسی ایک کو اس کی جگہ رکھ لیں بنیامین کو واپس جانے دیں ہم آپ کو محسنین میں سے سمجھتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے کہا میں اس ناانصافی سے پناہ مانگتا ہوں کہ جس شخص کے پاس سے ہماری چیز ملی ہے اس کو چھوڑ کر کسی اور کو رکھ لیں۔

برادران کی مایوسی اور مشورہ:

﴿فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا..... ﴿۸۰﴾﴾

جب وہ یوسف علیہ السلام سے مایوس ہوگئے تو آپس میں مشورہ کرنے لگے بڑے بھائی یہودا نے کہا کہ تمہارے والد نے بنیامین کے متعلق ہم سے پختہ عہد لیا تھا۔ اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں جو تم کوتاہی کر چکے وہ بھی معلوم ہے لہذا میں تو واپس نہیں جاؤں گا۔ تم جاؤ اور جاکر اپنے والد سے کہو کہ آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے جس کی وجہ سے بادشاہ نے اسے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ تصدیق کے لیے قافلے والوں سے پوچھ لیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا جواب:

﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِىْ بِهِمْ جَمِيْعًا..... ﴿۸۳﴾﴾

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی بات سن کر وہی جواب دیا جو یوسف علیہ السلام کے متعلق دیا تھا اور فرمایا کہ میں صبر کروں گا، کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس لے آئے۔ اور کہا کہ میں اپنے رنج و غم کی فریاد اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں۔

برادران کا مصر میں تیسرا داخلہ:

﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا..... ﴿۸۸﴾﴾

جب بھائی واپس یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو کہا ہمارے گھر والوں پر سخت مصیبت آپڑی ہے اور ہم معمولی سی رقم لے کر آئے ہیں، آپ ہمیں غلہ پورا پورا دے دیں اور مہربانی کا معاملہ فرمائیں۔ اب یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی بنیامین کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا؟ یوسف علیہ السلام کے واقعے کو چالیس سال گزر چکے تھے۔ بھائیوں نے سوچا کہ بادشاہ کو یوسف کے بارے کیسے علم ہو گیا ہے! تو بھائی کہنے لگے کیا آپ یوسف ہیں؟ یوسف علیہ السلام نے فرمایا جی میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی بنیامین ہے۔ اب کی بار یوسف علیہ السلام نے ساری حقیقت حال بیان فرمادی۔ بھائیوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہو گی۔

خاندان کو مصر لانے کا حکم:

﴿اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا وَ اْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ..... ﴿۹۳﴾﴾

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو اپنی قمیص دی کہ اسے والد محترم کے چہرے پر ڈال دینا اس سے ان کی بینائی واپس آجائے گی۔ اور والدین سمیت پورے خاندان کو مصر لے آنا۔ قافلہ ابھی شہر سے نکلا ہی تھا کہ ادھر یعقوب علیہ السلام

نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا کہ میں یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ جب برادران پہنچے اور قمیص چہرے پر ڈالی تو بینائی واپس آگئی۔ پھر برادران نے سارا قصہ سنایا کہ یوسف علیہ السلام ملکِ مصر کی بادشاہت کے عہدے پر فائز ہو چکے ہیں۔

برادران کا خاندان سمیت مصر میں چوتھا داخلہ:

﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ----﴿۹۹﴾﴾

حضرت یعقوب علیہ السلام کی قیادت میں پورا خاندان؛ کنعان سے مصر کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچے تو یوسف علیہ السلام ان کے استقبال کے لیے شہر مصر سے باہر تشریف لائے۔ والدین سے ملاقات ہوئی تو ان کا خاص اکرام کیا اور انہیں تخت پر بٹھایا۔ وہ سب ان کے سامنے سجدے میں گر پڑے، حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ابا جان! یہ میرے خواب کی تعبیر ہے جسے رب تعالیٰ نے سچ کر دکھایا۔ یہ سجدہ یا تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کے لیے تھا کہ یوسف علیہ السلام مل گئے ہیں یا سجدہ تعظیمی تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا۔

خاتم الانبیاء کی نبوت پر دلیل:

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾﴾

شروع سورۃ میں یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ یہود نے آزمائش کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمیں بتائیں کہ آلِ یعقوب کنعان سے مصر کیسے منتقل ہوئے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب کے لیے پوری

سورۃ نازل فرمادی جس میں آل یعقوب کا تفصیل سے پورا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا۔ یہ آپ کا معجزہ اور آپ کی نبوت پر دلیل ہے کہ آپ نے کسی سے پڑھا بھی نہیں پھر بھی وہ واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان فرمادیا۔

قرآن کریم مصدِق ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ..... ﴿۱۱۱﴾﴾

سورۃ یوسف کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ یوسف علیہ السلام اور ان جیسے دیگر واقعات وقصص میں عقل مندوں کے لیے عبرت اور نصیحت ہے۔ یوسف علیہ السلام کا قصہ کوئی افسانہ یا گھڑی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ تصدیق ہے سابقہ کتابوں یعنی توراۃ وانجیل کی جن میں یوسف علیہ السلام کا قصہ موجود ہے۔

سورۃ الرعد

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ میں کائنات کی بہت ساری نشانیاں ذکر کی گئی ہیں ان میں سے ایک نشانی (الرَّعْدِ) یعنی بادلوں کی گرج چمک بھی ہے۔ اسی پر اس سورۃ کا نام سورۃ الرعد رکھا گیا ہے۔

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور قیامت کو بیان کیا ہے۔ اور ان پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات بھی دیے ہیں۔

حجیتِ حدیث:

﴿الٓـمّٓرٰ ۟ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ.....

﴾

اس آیت میں قرآن کریم کے کلامِ حق ہونے کو بیان کیا جارہا ہے۔

"الْكِتٰبِ" سے مراد قرآن کریم ہے۔ اور "الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ" سے قرآن کریم بھی مراد ہوسکتا ہے اسی طرح اس سے حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی مراد ہوسکتی ہے جو کہ وحی غیر متلو ہے۔ جس طرح قرآن کریم وحی الٰہی اور برحق ہے۔ اسی طرح حدیث بھی وحی الٰہی اور برحق ہے۔ تو جیسے قرآن کریم حجت ہے اسی طرح حدیث بھی حجت ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جبکہ حدیث کے معانی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور الفاظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتے ہیں۔

قدرتِ باری تعالیٰ کی نشانیاں:

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ ..... ﴿۲﴾﴾

یہاں سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی بڑی بڑی نشانیاں (آسمان، سورج اور چاند) بیان کی جارہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے آسمان کو بغیر ستونوں کے کھڑا کیا ہوا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلیل ہے۔ سورج اور چاند اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں ان میں سے ہر ایک مقرر کردہ رفتار سے چل رہا ہے نہ اس میں کمی کرتا ہے نہ بیشی۔ ان ساری چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ہماری خدمت پر لگا رکھا ہے۔

فرشتوں کی ذمہ داری:

﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ.....﴾ (۱۱)

اس آیت میں فرشتوں کی ذمہ داری کو بیان کیا جارہا ہے کہ یہ انسانوں کی بحکم الٰہی حادثات سے حفاظت فرماتے ہیں۔ فرشتوں کی ڈیوٹی کا یہ مطلب نہیں کہ انسان جو چاہے کرتا پھرے کہ یہ فرشتے حفاظت کرلیں گے، اللہ تعالیٰ بذات خود کسی بھی قوم کی اچھی حالت کو بری حالت سے تبدیل نہیں کرتے ہاں جب وہ قوم خود نافرمانی پر اترتی آتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے اور وہ محافظ فرشتے بھی اس وقت ہٹ جاتے ہیں۔

حق اور باطل کی مثال:

﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا.....﴾ (۱۷)

اللہ تعالی نے یہاں حق و باطل کی مثال دی ہے کہ باطل ایک مرتبہ ایسا ہوتا ہے جیسے سیلاب آتا ہے پانی چڑھ جاتا ہے اور اس کے اندر میل کچیل اور جھاگ بھی ہوتی ہے اور ایسا نظر آتا ہے کہ نہ جانے کیا ہو گا۔ پھر جب جھاگ ختم ہو جاتی ہے اور خالص چیزیں جو لوگوں کے لیے فائدہ مند ہوتی ہیں نیچے رہ جاتی ہیں تو ایسے ہی باطل کا ریلہ آتا ہے تو بسا اوقات حق بظاہر دب جاتا ہے جب باطل ختم ہوتا ہے تو حق پھر ابھر کر اوپر آجاتا ہے۔ اسی طرح سونا چاندی پگھلاتے ہیں اس میں اصلی چیز نیچے رہتی ہے اور میل کچیل اوپر آجاتا ہے اس کو پھینک دیتے ہیں اسی طرح باطل آتا ہے ختم ہو جاتا

ہے اور حق باقی رہتا ہے۔ وقتی مشکلات سے متاثر نہیں ہونا چاہیے حق حق ہے اور وہ اپنی طاقت دکھاتا ہے، حق اپنا راستہ بھی خود بناتا ہے۔

متقین کے اوصاف:

﴿الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿٢٠﴾﴾

یہاں اللہ تعالیٰ نے متقین کے آٹھ اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ جن رشتوں کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں جوڑے رکھتے ہیں۔ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ حساب کے برے انجام سے خوف کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر صبر سے کام لیتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں۔ جو ہم نے انہیں رزق عطا کیا ہے اس میں سے خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں۔ بدسلوکی کا دفاع حسن سلوک سے کرتے ہیں۔

کفار کے مطالبات:

﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿٢٧﴾﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سارے معجزات دیے گئے تھے لیکن کفار فرمائشی معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ جب ان کا مطالبہ پورا نہ ہوتا تو وہ کہتے کہ ان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے مطالبات ان کی گمراہی کی دلیل ہیں۔ فرمایا کہ اگر ان کے فرمائشی معجزات پورے ہو جاتے تو یہ پھر بھی ایمان نہ لاتے۔

تسلی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ﴿٤٣﴾﴾

سورت کے آخر میں ہے کفار اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے کہ آپ رسول نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ تسلی دے رہے ہیں کہ آپ ان کی پرواہ نہ کریں اللہ تعالیٰ بذات خود آپ کی رسالت کے گواہ ہیں اور اہلِ علم بھی گواہ ہیں۔

سورۃ ابراہیم

اس سورۃ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے اس لیے اس سورۃ کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا ہے۔

نزولِ قرآن کریم کی حکمت:

﴿الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴿١﴾﴾

سورۃ کی ابتداء میں قرآن کریم کو نازل کرنے کی حکمت کو بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں یعنی اس ذات کے راستے کی طرف جس کا اقتدار سب پر غالب ہے۔

قرآن کریم عربی میں کیوں نازل ہوا؟

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ ..... ﴿٤﴾﴾

کفارِ مکہ کو اعتراض تھا کہ قرآن کریم عربی زبان میں کیوں نازل کیا گیا ہے کسی اور زبان میں ہوتا تو اس کا معجزہ ہونا بھی ظاہر ہو جاتا۔ اللہ رب العزت نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے جب بھی کسی قوم میں نبی بھیجا تو اس قوم کی زبان دے کر بھیجا تاکہ وہ انہیں ان کی زبان میں بات سمجھا سکے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم قریش کی زبان عربی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل فرمایا تاکہ ان کے لیے سمجھنا آسان ہو جائے۔

شکر کرنے سے نعمتوں میں اضافہ:

﴿وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَ لَىٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ﴿۷﴾﴾

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی نعمتوں پر شکر ادا کرنے سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ یا تو مقدار میں اضافہ ہوتا ہے یا نعمتوں کے باقی رہنے میں ہوتا ہے۔ شکر کرنے کے بجائے ناشکری کی جائے تو یا دنیا میں نعمتیں چھین لی جائیں گی یا آخرت میں عذاب ہو گا۔

کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال:

﴿اَلَمْ تَرَ كَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَیِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ﴿۲۴﴾﴾

کلمہ طیبہ سے مراد کلمہ ایمان اور توحید ہے۔ کلمہ خبیثہ سے مراد کفر اور شرک کا کلمہ ہے۔ فرمایا: کلمہ طیبہ اس پاک درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں مضبوط ہوں اور اس کی شاخیں آسمان کی طرف بلند ہوں اور وہ پھل بھی خوب لاتا ہے۔ اس

سے مراد کھجور کا درخت ہے۔ اور کلمہ خبیثہ اس پودے کی طرح ہے جو زمین کے اوپر سے ہی اکھاڑ لیا جاتا ہے، اس کو زمین میں کوئی استحکام اور جماؤ نہیں ہوتا یعنی اسے اکھاڑیں تو فوراً اکھڑ آتا ہے۔ اس سے مراد حنظل یعنی اندرائن کی بیل ہے جس کا پھل سخت کڑوا ہوتا ہے۔

اس کی مزید تفصیل میری کتاب "**دروس القرآن**" میں اسی آیت کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝۳۵﴾

آخر میں اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر کیا جب آپ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اپنی بیوی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو کعبہ میں چھوڑ کر گئے تو دعا فرمائی:

اے اللہ! شہر مکہ کو امن کا گہوارہ بنا، مجھے اور میری اولاد کو ہمیشہ بت پرستی سے بچانا، انہیں پھلوں کا رزق عطا فرمانا۔ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور آج کعبہ پوری دنیا میں امن کی جگہ ہے۔ جب موسم نہیں ہوتا پھر بھی سارے پھل وہاں پر الحمد للہ میسر ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کے لیے رزق، امن اور برکت کی دعا مانگنا انبیاء کرام علیہم السلام کا شیوہ ہے۔ اور ہمیں بھی اس کا اہتمام کرنا چاہیے کہ اپنی اولاد کے لیے اور تعلق والوں کے لیے دعاؤں کا اہتمام کریں۔

سورۃ الحجر

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ میں قوم ثمود کی بستیوں کا تذکرہ ہے جنہیں حجر کہا جاتا تھا، اسی مناسب سے اس سورۃ کا نام سورۃ الحجر رکھا گیا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پارہ نمبر:14

کفار کی تمنا:

﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝۲﴾

موت اور حشر کے بعد جب مسلمان کو جنت میں مقامات ملیں گے اور کافر کو جہنم میں عذاب ملے گا اور ہر آئے دن اس کے کسی خاص کفر کی وجہ سے عذاب میں ترقی ہو گی تو پھر ہر موقع پر کافر یہ تمنا کریں گے کہ اے کاش! ہم بھی مسلمان ہوتے۔

حفاظتِ قرآن:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹﴾

اللہ رب العزت نے فرمایا کہ قرآن مجید ہم نے ہی نازل کیا ہے اور اس قرآن کریم کی حفاظت بھی ہم ہی کریں گے۔ قرآن کریم کے علاوہ دیگر کتب کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے نہیں لی بلکہ علماء توراۃ وانجیل کو دی تو وہ کتب محفوظ نہ رہ سکیں۔ قرآن کے الفاظ و معانی دونوں کے اللہ تعالیٰ خود محافظ ہیں۔ اس لیے قرآن کے الفاظ و معانی قیامت تک محفوظ رہیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝۲۶﴾

یہاں تخلیقِ آدم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا پھر ان میں روح کو ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کے غرور اور گمراہی کو بیان فرمانے کے بعد شیطان اور ان کے پیروکاروں کے

انجام بد کو بیان فرمایا۔

اہل جنت کا ذکر:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ؕ﴾

گذشتہ آیات میں اہل جہنم کا ذکر تھا اب یہاں سے اہل جنت اور ان کے لیے انعامات کا ذکر فرمایا کہ وہ جنت میں باغات اور چشموں میں رہیں گے۔ اہل جنت کے سینوں میں باہم جو کچھ رنجش ہو گی وہ نکال دی جائے گی اور وہ بھائی بھائی بن کر رہیں گے۔ پھر آگے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان مہمان فرشتوں کا ذکر فرمایا جو انہیں بیٹے کی خوشخبری دینے اور قوم لوط علیہ السلام کو برباد کرنے کے لیے انسانی شکل میں تشریف لائے تھے۔

اصحاب حجر:

﴿وَ لَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ﴾

وادی حجر میں قوم ثمود آباد تھی۔ ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے اپنی قوم کو دعوت دی لیکن قوم نے آپ کو جھٹلایا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو ایک ہیبت ناک آواز کے ذریعے ہلاک کر دیا۔

فاتحہ کو "قرآن عظیم" کہنے کی وجہ:

﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ﴾

اے پیغمبر! ہم نے آپ کو ایسی سورۃ عطا کی جو بار بار پڑھی جاتی ہے۔ "قرآن عظیم" سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے۔ گویا ایک طرح سے فاتحہ بھی پورا قرآن ہے۔ اس

کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اہم اور بنیادی مضامین پورے قرآن میں بیان فرمائے ہیں ان کا خلاصہ اور نچوڑ سورۃ الفاتحہ میں ذکر کر دیا ہے۔ توحید، رسالت، قیامت، احکامات، ماننے والے اور نہ ماننے والے۔

علی الاعلان تبلیغ کا حکم:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٩٤﴾﴾

اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پوشیدہ طور پر عبادت کیا کرتے تھے۔ اسی طرح تبلیغ کا سلسلہ بھی پوشیدہ ہوا کرتا تھا۔ اس آیت میں اعلانیہ طور پر عبادات اور تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

پوری زندگی عبادت کرنے کا حکم:

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾﴾

یہاں " الْيَقِيْنُ " سے مراد موت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر! آپ اللہ تعالیٰ کی پوری زندگی عبادت کریں یہاں تک اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے پاس بلالیں۔ اس عبادت سے مراد تکلیفی عبادت ہے جس کے کرنے پر اجر وثواب ملتا ہے۔ ایک عبادت قبر والی ہے جس کا ذکر حدیث پاک میں ہے۔ یہ تلذذی عبادت ہے اس پر اجر وثواب نہیں۔ کریم کی یہ آیت؛ حدیث اور قبر والی عبادت کے خلاف نہیں ہے۔

سورۃ النحل

وجہ تسمیہ:

" نحل " شہد کی مکھی کو کہتے ہیں۔ اس سورۃ میں شہد کی مکھی کا ذکر ہے اس

لیے اس سورۃ کا نام ہی سورۃ النحل رکھ دیا گیا ہے۔ اس سورت میں بنیادی طور پر دو چیزیں بیان کی گئی ہیں: انسان کے فائدے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کر کے مشرکین کو توحید کی دعوت دی گئی ہے۔ اور شریعتِ اسلامیہ کے چند احکامات بیان کیے گئے ہیں۔

انسان کی تخلیق اور ناشکری:

﴿خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ ۝۴﴾

انسان کی اصل کو بیان کیا کہ انسان کو ایک حقیر و ذلیل اور بے قدر نطفے سے پیدا کیا گیا۔ لیکن جب اسے قوتِ گویائی اور دیگر صلاحتیں دے دی گئیں تو جس ذات نے اسے ایک ناپاک اور بے وقعت قطرے سے پیدا کیا؛ اسی کی ذات اور مخصوص صفات میں شریک ٹھہرا کر جھگڑا کرنے لگا۔

انعاماتِ خداوندی:

﴿وَالۡاَنۡعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَـكُمۡ فِيۡهَا دِفۡءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ۝۵﴾

یہاں سے اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو بیان فرمارہے ہیں جو انسانوں کے فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ جیسے جانور؛ ان کی اون سے کپڑے بنائے جاتے ہیں، کھال سے پوستین وغیرہ بناتے ہیں جو انسان کو سردی سے محفوظ رکھتے ہیں۔ مزید یہ کہ جانور انسان کے لیے بطور غذا بھی کام آتے ہیں، ذبح کر کے گوشت کھایا جاتا ہے، دودھ پیا جاتا ہے۔ ان پر بوجھ لادا جاتا ہے جسے وہ ایسے مقام تک لے جاتے ہیں جہاں تک انسان بغیر سخت مشقت کے نہیں لے جاسکتا۔

﴿وَّالۡخَيۡلَ وَالۡبِغَالَ وَالۡحَمِيۡرَ لِتَرۡكَبُوۡهَا وَزِيۡنَةً ؕ وَيَخۡلُقُ مَا لَا

تَعْلَمُوْنَ﴿۸﴾

اسی طرح انسان ہی کے فائدے کے لیے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا فرمائے تاکہ یہ انسان کی سواری کے کام آئیں اور انسان کے لیے زینت کا سامان بھی بن جائیں۔ ﴿وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ یعنی نزول قرآن کے بعد بھی مزید اللہ تعالیٰ ایسی چیزیں پیدا فرمائیں گے جن کا انسان کو علم بھی نہیں۔ موجودہ دور کی نو ایجاد گاڑیاں جیسے بسیں، ریل، اور جہاز وغیرہ۔ ترقی کے ساتھ ساتھ جتنی بھی جدید اور نئی گاڑیاں قیامت تک دریافت / ایجاد ہوتی جائیں گی وہ سب اس آیت کے مفہوم میں داخل رہیں گی۔

ان انعامات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان ان نعمتوں سے فائدہ حاصل کریں اور پھر ان پر اللہ تعالی کا شکر ادا کریں۔

سمندر کے فوائد:

﴿وَ هُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا.....﴿۱۴﴾﴾

وہی ذات ہے جس نے سمندر تمہارے لیے مسخر کر دیے ہیں یعنی تمہارے کام پر لگا دیے ہیں تاکہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤاس سے مراد مچھلی ہے۔ اور اس میں سے زیورات نکالو جنہیں تم پہنتے ہو۔ پھر کشتیوں اور بحری جہازوں کا ذکر کیا جن سے تجارت ہوتی ہے اور دیگر فوائد ملتے ہیں۔ اسی طرح زمین، اس میں راستے، دریا، آسمان کے ستارے اور دیگر نعمتوں کا ذکر فرما کر ان نعمتوں پر شکر کی ترغیب دی۔

متکبرین سے سوال:

﴿وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ مَّاذَاۤ اَنۡزَلَ رَبُّكُمۡ ۙ قَالُوۡۤا اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۲۴﴾﴾

متکبرین سے جب سوال کیا جائے کہ تمہارے پروردگار نے کیا بات نازل کی ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی من گھڑت کہانیاں اور افسانے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ان باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ لوگ خود اپنے گناہوں کے پورے پورے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور ان لوگوں کے بوجھ بھی جن کو یہ بغیر علم کے گمراہ کررہے ہیں، اور یہ بوجھ بہت ہی برا ہے جس کو یہ اٹھارہے ہیں۔

متقین سے سوال:

﴿وَقِیۡلَ لِلَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا مَاذَاۤ اَنۡزَلَ رَبُّكُمۡ قَالُوۡا خَیۡرًا لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِیۡ هٰذِهِ الدُّنۡیَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الۡاٰخِرَةِ خَیۡرٌ ؕ وَلَنِعۡمَ دَارُ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۰﴾﴾

گزشتہ آیات میں یہی سوال متکبرین سے کیا گیا تھا۔ اب یہاں سے متقین سے پوچھا جارہا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا بات نازل فرمائی ہے؟ تو وہ اپنے تقویٰ کی روشنی میں یوں جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خیر کی بات اتاری ہے۔ آگے ان کے نتیجے کو بیان کیا کہ ان کے لیے دنیا میں بھی بہتری ہے اور آخرت کا گھر تو ہے ہی سراپا بہتری جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

منکرینِ رسالت کے شبہ کا جواب:

﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۳﴾﴾

منکرین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار اس وجہ سے کررہے تھے

کہ آپ بشر اور انسان ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق کسی انسان وبشر کو رسول نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں بات سمجھائی کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی انبیاء بھیجے ہیں وہ سب بشر اور انسان ہی تھے۔ اے منکرو! اگر تمہارے پاس علم نہیں ہے تو اہلِ علم سے پوچھ لو۔ اس آیت سے تقلید ثابت ہو رہی ہے کہ اگر کسی آدمی کے پاس دلیل نہ ہو تو اہلِ علم سے پوچھ لے۔ اسی کا نام ''تقلید'' ہے۔

بچی کی پیدائش پر مشرکین مکہ کی حالت:

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝۵۸﴾

گزشتہ آیت میں مشرکین کی بے انصافی بیان کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد بھی مانتے ہیں لیکن وہ جنس (بیٹیاں) جسے خود قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اب یہاں سے ان کی بری عادت کو بیان کیا جارہا ہے کہ اگر ان کے ہاں لڑکا پیدا ہو تو خوش ہوتے ہیں۔ اور جب ان میں سے کسی کے ہاں بیٹی کی پیدائش ہوتی تو ان کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور اسے اتنا برا سمجھتے کہ لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے۔ اور سوچتے رہتے کہ ذلت برداشت کرکے اسے اپنے پاس رکھ لیں یا پھر زمین میں دبا دیں۔ ﴿اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ یہ کتنا برا فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

انعامات خداوندی:

﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝۶۶﴾

یہاں سے کچھ آیات تک اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی نعمتوں کو بیان کیا جارہا

ہے۔ ان میں سے دودھ جو گوبر اور خون کے درمیان سے آتا ہے اور بالکل صاف شفاف ہوتا ہے نہ تو اس کے رنگ میں فرق آتا ہے اور نہ ہی اس کے ذائقہ میں، پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے۔ پھلوں میں سے بہترین پھل کھجور اور انگور کا ذکر کیا جن کو کھایا بھی جاتا ہے اور ان سے مشروب بھی بنایا جاتا ہے۔ اور یہ پاکیزہ رزق ہے۔

﴿وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝۶۸﴾

تیسری نعمت شہد کا ذکر کیا جس میں بہت زیادہ فائدے ہیں ان میں سے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں لوگوں کے لیے شفا رکھی ہے۔ لیکن اس کے استعمال سے پہلے کسی ماہر سے یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ اس کو کب استعمال کرنا ہے اور کس چیز کے ساتھ استعمال کرنا ہے؛ پھر اس کا پورا فائدہ ہوتا ہے۔

پھر خاص طور پر شہد کی مکھی کے چھتے بنانے کی ترتیب کو بیان کیا جس میں وہ عجیب و غریب طریقے سے صنعت کاری کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ اپنے چھتے کو زمین کی گندگی سے بچا کر پاک صاف اور بلند جگہ یعنی پہاڑوں یا درختوں پر بنائے۔ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ان میں غور و فکر کرتے ہیں۔

علم غیب اللہ تعالیٰ کی ذات کا خاصہ ہے:

﴿وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۷۷﴾

آسمان و زمین کی تمام پوشیدہ باتیں صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ اللہ

تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے علم میں نہیں ہیں۔ ان غیوبات میں سے ایک بڑی چیز قیامت کا معاملہ ہے جسے اللہ تعالیٰ آنکھ جھپکنے یا اس سے بھی پہلے پہلے ظاہر فرمادیں گے۔ اس کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

عرضِ اعمال:

﴿وَ یَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا عَلَیْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ شَهِیْدًا عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ----(۸۹)﴾

قیامت کے دن ہر امت میں سے ان پر انہی میں سے ایک گواہ کو لائیں گے۔ مراد اس سے ہر امت کے نبی ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ نافرمان امتوں کے خلاف اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں گواہی دیں گے۔ اور ایک قول کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے اہل ایمان کے ایمان کی اور اہل کفر کے کفر کی گواہی دیں گے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اچھے اعمال پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور برے اعمال پر اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

جامع ترین آیت:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَ یَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ(۹۰)﴾

یہ قرآن کریم کی جامع ترین آیت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور تین چیزوں سے منع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ انصاف کرنے، بھلائی کرنے اور قریبی رشتے داروں کو ان کے حقوق دینے کا حکم دے رہیں۔ اور بے حیائی، بدی اور ظلم وزیادتی کرنے سے منع فرما رہے ہیں۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مختصراً پورے دین اسلام کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مذکورہ تینوں اوامر پر عمل کرنے اور تینوں منہیات سے مکمل طور پر بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

نسخ پر شبہ اور جوابِ شبہ:

﴿وَ اِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾﴾

اللہ تعالیٰ حکیم ذات ہیں اور کبھی کبھی اپنے احکامات میں تبدیلی فرماتے ہیں یعنی ایک حکم تبدیل کرکے اس کی جگہ دوسرا حکم نازل فرمادیتے ہیں۔ مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے کہ احکامات کو تبدیل کیوں کیا جارہا ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں بلکہ آپ اپنی طرف سے گھڑ کر لاتے ہیں۔ انہیں جواب دیا کہ یہ قرآن گھڑا ہوا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف حق اور سچ ہے جسے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے ذریعے نازل کیا گیا ہے۔

اسلام کے سب سے پہلے شہداء:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ..... ﴿۱۰۶﴾﴾

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت وہ مقدس جماعت ہے جن سے اللہ

تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے اور ان پر آزمائشیں بھی بہت آئی ہیں۔ یہ آیت حضرت عمار، حضرت یاسر اور حضرت سمیہ وغیرہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ہے۔ کفار نے انہیں گرفتار کرکے کہا یا تو کفر اختیار کرو یا پھر قتل کر دیے جاؤ گے۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ نے کلمہ کفر نہ کہا یعنی رخصت چھوڑ کر عزیمت پر عمل کر کے جامِ شہادت نوش فرمالیا۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا نے بھی عزیمت پر عمل کیا تو دو اونٹوں کے ذریعہ ان کے جسم کے دو حصے کر دیے گئے۔ یہ دونوں بزرگ اسلام کے سب سے پہلے شہید ہیں۔ جبکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے رخصت پر عمل کیا۔ دل ایمان پر مطمئن تھا صرف زبان سے کلمہ کفر کہہ دیا تھا۔ اور خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جاکر اپنا واقعہ سنایا تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ دل ایمان پر مطمئن ہو تو زبان سے مجبوراً کلمہ کفر کہہ لینا کفر نہیں۔

امام الموحدین پر دنیا وآخرت کی نعمتیں:

﴿اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيۡفًا ؕ وَلَمۡ يَكُ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝١٢٠﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام پیشوا تھے۔ آپ علیہ السلام نے ہر طرف سے یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرلی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو نعمتیں دی رکھی تھیں ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے۔ دنیا میں نعمتیں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مقتداء اور پیشوا بنادیا اور دنیاوی نعمتیں بھی عطا فرمائیں۔ امت کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تنہا ایک فرد تھے لیکن پوری امت اور قوم کے کمالات و فضائل کے جامع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی نسل سے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا۔ آپ علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے تقریباً چار ہزار انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ دوسرے

صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے آپ علیہ السلام کی دعا کا ثمرہ امام الانبیاء، خاتم الانبیاء، سید الاولین والآخرین حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ آخرت کی نعمت یہ کہ آپ علیہ السلام صالحین میں سے ہوں گے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا۔

دعوتِ دین کے طریقے:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ..... ﴿١٢٥﴾﴾

اس آیت میں اللہ پاک نے دعوت کی ترتیب بتائی ہے کہ جب دعوت دینی ہو تو تین طریقے استعمال کریں:

1- دلیل سے بات کریں۔

2- فضائل اور ترغیب سے بات کریں۔

3- اگر شبہات پیش کیے جائیں تو ان کو اچھے انداز سے رد بھی کریں۔

ان تین طریقوں کو میں اپنی زبان میں سمجھانے کے لیے دو جملے کہتا ہوں کہ ہمارے ذمے دو کام ہیں:

- امت کو ایمان واعمال پر لانا
- امت کے ایمان واعمال کو بچانا۔

امت ایمان واعمال پر آتی ہے فضائل سے اور امت کا ایمان واعمال بچتا ہے دلائل سے، شبہات کا رد کرنے سے؛ تبلیغ والوں کے ذمے لانا ہے اور ہمارے ذمے بچانا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ نمبر:15

سورۃ الاسراء

وجہ تسمیہ:

"اسراء" کا معنی رات کو لے جانا ہے۔ چونکہ اس سورت کے شروع میں اسراء کا ذکر ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سفر رات کے وقت ہوا تھا؛ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "الاسراء" رکھا گیا ہے۔

واقعہ معراج کا ذکر:

﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا..... ﴿۱﴾﴾

یہاں واقعہ معراج کو بیان کیا ہے جو نبوت کے گیارھویں سال پیش آیا۔ معراج کا سفر دو حصوں پر مشتمل ہے؛ ایک مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک کا ہے، دوسرا بیت المقدس سے عرش معلیٰ تک کا ہے۔ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کے اس سفر کو "اسراء" کہتے ہیں جس کا ذکر یہاں پر ہے۔ اور بیت المقدس سے عرش معلیٰ تک کے سفر کو "معراج" کہتے ہیں جس کا ذکر سورۃ النجم کی آیات اور احادیث متواترہ میں ہے۔ عموماً پورے واقعہ کو لفظ معراج سے تعبیر کر دیتے ہیں۔

معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی اور امتیازی معجزہ ہے جو روحانی نہیں جسمانی تھا۔ حالت نوم میں نہیں بلکہ حالت بیداری میں تھا۔ اسی سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی زیارت بھی ہوئی اور آپ کو اللہ تعالیٰ سے براہ راست

ہم کلامی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اسی سفر میں آپ کی امت پر پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے معراج سے واپسی پر تین چیزیں بطورِ خاص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیے میں عطا فرمائیں:

- سورۃ البقرۃ کی آخری آیتیں۔
- جو شخص شرک نہ کرے اگرچہ کبیرہ گناہ بھی کرے تو ایک وقت آئے گا کہ اللہ اس کو معاف فرمادیں گے۔
- پچاس نمازیں جو کہ پانچ رہ گئیں تھی۔

بنی اسرائیل کا ذکر:

﴿وَ قَضَيۡنَاۤ اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ فِى الۡكِتٰبِ لَـتُفۡسِدُنَّ فِى الۡاَرۡضِ مَرَّتَيۡنِ وَ لَتَعۡلُنَّ عُلُوًّا كَبِيۡرًا ۝۴﴾

یہاں کچھ آیات میں بنی اسرائیل کا تذکرہ ہورہا ہے جنہیں آگاہ کردیا گیا تھا کہ تم بڑی سرکشی کرتے ہوئے دو مرتبہ زمین میں فساد مچاؤ گے تو دونوں مرتبہ تمہاری بھی تباہی ہوگی۔ پہلی مرتبہ جب انہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی مخالفت کی، انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کیا، تورات میں تحریف کی، شرک کیا وغیرہ۔

بخت نصر کا حملہ:

﴿فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ اُوۡلٰٮهُمَا بَعَثۡنَا عَلَيۡكُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِىۡ بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ فَجَاسُوۡا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا ۝۵﴾

اللہ رب العزت نے ان پر بخت نصر کو مسلط کیا۔ اس نے فلسطین میں بنی اسرائیل پر حملہ کیا بیت المقدس کو تباہ کیا اور یہودیوں کا قتل عام کیا۔ زندہ بچ جانے

والوں کی تعداد بھی ہزاروں تھی جن کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گیا جہاں انہوں نے تقریباً ستر سال تک ذلت اور غلامی کی زندگی گزاری۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ خوشحالی کا موقع دیا۔ کثیر تعداد میں مال واولاد سے نوازا تو ایک عرصہ تک فلسطین میں آباد رہے۔ پھر وہی کرتوت کرنے شروع کر دیے، نافرمانیاں شروع ہو گئیں۔

طیطوس رومی کا حملہ:

﴿فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ لِيَسُوۡٓءٗا وُجُوۡهَكُمۡ وَلِيَدۡخُلُوا الۡمَسۡجِدَ كَمَا دَخَلُوۡهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا تَتۡبِيۡرًا ۝۷﴾

پھر دوبارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یہودیوں کی سرکشی اور بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر طیطوس رومی کو مسلط کیا اس نے بھی بخت نصر کی طرح انہیں نیست ونابود کر کے رکھ دیا اور بیت المقدس کو ویران کر دیا۔

﴿وَاِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا ۘ وَجَعَلۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ حَصِيۡرًا ۝۸﴾

یہاں بھی یہودیوں کو خطاب کیا کہ اگر تم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تو تمہارے ساتھ وہی سلوک کیا کیا جائے گا جس طرح پہلے ہو چکا ہے۔ لیکن پھر بھی یہود اپنے کرتوت اور سرکشی سے بعض نہ آئے تو پہلے مدینہ سے خیبر نکالا گیا پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خیبر سے بھی انہیں نکال دیا گیا۔

قرآن سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے:

﴿اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ يَهۡدِىۡ لِلَّتِىۡ هِىَ اَقۡوَمُ وَ يُبَشِّرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ ۙ ...... ۝۹﴾

قرآن کریم ایک جامع اور مانع کتاب ہے جو ایسے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے جو بالکل سیدھا ہے۔ اس راستے کو "اَقْوَمُ" کہا گیا ہے۔ اَقْوَمُ ایسے راستے کو کہتے ہیں جو آسان اور محفوظ بھی ہو اور منزل مقصود تک پہنچا دینے والا بھی ہو۔ قرآن کریم کی صفات بھی ایسی ہی ہیں۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد:

﴿وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا.....﴿۲۳﴾﴾

یہاں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں: پہلی حقوق اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی خالص اور ریا سے پاک عبادت کرے۔ دوسری والدین کے حقوق ہیں۔ ان کو "اف" بھی نہیں کہنا۔ ماں باپ سے بڑے سے بڑا نقصان ہو جائے تو اس زندگی والے اس نقصان پر آپ نے یہ نہیں کہنا: ابا جی! یہ کیا کیا ہے؟ اور ماں باپ کو ڈانٹنا بھی نہیں ہے، ان کے ساتھ نرمی سے بات کرنی ہے، والدین کے لیے ہمیشہ اپنے بازوؤں کو بچھا کر رکھنا ہے، جی جی کرتے رہنا ہے! اور ساتھ اللہ سے دعائیں بھی مانگنی ہیں کہ اے اللہ! میرے ابا جی اور امی جی پر رحم فرما! میں تو خدمت کرتا ہوں، آپ بھی رحم فرما دیں۔

اوامر اور نواہی کا بیان:

﴿وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِیَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِیْرًا ﴿۳۱﴾﴾

دین کا خلاصہ دو چیزیں ہیں۔ اوامر اور نواہی۔ اوامر (یعنی جن کاموں کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے) پر عمل کرنا ہے اور نواہی (یعنی جن کاموں کے کرنے سے

منع کیا گیا ہے) سے اجتناب کرنا ہے۔ اس رکوع میں آٹھ نواہی اور تین اوامر بیان کیے گئے ہیں۔ نواہی درج ذیل ہیں:

1:﴿وَ لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ خَشۡیَۃَ اِمۡلَاقٍ﴾اور اپنی اولاد کو بھوک کے خوف سے قتل نہ کرو۔

2:﴿وَ لَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی﴾اور زنا کے قریب نہ جاؤ۔

3:﴿وَ لَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ﴾اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام قرار دیا مگر یہ کہ تمہیں اس کا حق پہنچتا ہو۔

4:﴿فَلَا یُسۡرِفۡ فِّی الۡقَتۡلِ﴾قصاصاً قتل کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرو۔

5:﴿وَ لَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡیَتِیۡمِ﴾اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔

اب تین اوامر کو بیان کیا جارہا ہے:

(1)﴿وَ اَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ﴾اور عہد کو پورا کرو۔

(2)﴿وَ اَوۡفُوا الۡکَیۡلَ اِذَا کِلۡتُمۡ﴾اور جب کو کسی کوئی چیز پیمانے سے ناپ کر دو تو پورا ناپو۔

(3)﴿وَ زِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ﴾اور تولنے کے لیے درست ترازو استعمال کرو۔

آگے بقیہ نواہی کا ذکر ہو رہا ہے:

6:﴿وَ لَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ﴾اور جس چیز کا تمہیں یقین نہ ہو (اسے سچ سمجھ کر) اس کے پیچھے مت پڑو۔

7﴿وَ لَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا﴾اور زمین پر اکڑ کر مت چلو۔

8:﴿وَلَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ﴾اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ۔

بعث بعد الموت:

﴿وَقَالُوۡۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِيۡدًا ﴿۴۹﴾﴾

منکرین کہتے تھے کہ مرنے کے بعد جب ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو کیا اس وقت ہمیں نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھایا جائے گا؟ تو یہاں انہیں جواب دیا گیا کہ تم پتھر، لوہا یا اس سے بھی کوئی بڑی مخلوق بن جاؤ جو تمہارے ذہن میں ہو کہ اس کا زندہ ہونا اور بھی مشکل ہے، تب بھی اللہ تعالیٰ تمہیں دوبارہ اٹھائیں گے جس طرح پہلی بار اللہ تعالیٰ تمہیں عدم سے وجود میں لائے تھے۔

مشرک کی حالت:

﴿وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الۡبَحۡرِ ضَلَّ مَنۡ تَدۡعُوۡنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ‌ ۚ فَلَمَّا نَجّٰٮكُمۡ اِلَى الۡبَرِّ اَعۡرَضۡتُمۡ‌ ؕ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ كَفُوۡرًا ﴿۶۷﴾﴾

مشرک جب سمندر میں بغرض تجارت سفر کرتا ہے تو بسا اوقات طوفان یا ہوا میں اس کی کشتی پھنس جاتی ہے وہ اس وقت خالص اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا تھا اس وقت انہیں بھی بھول جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نجات دیتے ہیں تو ناشکری کرتے ہوئے پھر وہی کرتوت کرتا ہے۔ تو جس اللہ تعالیٰ نے سمندر سے نجات دی ہے وہی خدا خشکی پر بھی زمین میں دھنسا سکتا ہے۔

نماز پنجگانہ:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيۡلِ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ---- ﴿۷۸﴾﴾

اس آیت میں اللہ رب العزت نے پانچوں نمازوں کا ذکر فرمایا ہے۔ سورج کے زوال سے سورج کے چھپ جانے تک، رات کے چھا جانے تک۔ زوالِ شمس کے بعد ہے "ظہر" اس کے بعد ہے "عصر"، اس کے بعد ہے "مغرب" اور اس کے بعد ہے "عشاء"۔ کب تک؟ رات کے چھا جانے تک۔ تو سورج کے زوال کے بعد سے رات کے چھا جانے تک چار نمازوں کا بیان ہے۔ **قُرْاٰنَ الْفَجْرِ** میں قرآن سے مراد صلوٰۃ ہے یعنی نمازِ فجر۔ اللہ نے یہاں صلوۃ کے بجائے قرآن فرمایا۔ فجر کی نماز میں عام نمازوں کی بنسبت قرآن اتنا زیادہ پڑھا جاتا ہے کہ نماز کا نام ہی قرآن رکھ دیا گیا ہے۔

نماز تہجد کا اہتمام:

﴿وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (٧٩)﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ تہجد کی نماز پڑھیں۔ تہجد کے نوافل کا افضل وقت یہ ہے کہ آدمی سو جائے اور صبح اٹھ کر آٹھ رکعات پڑھے اور اگر کسی کو اندیشہ ہو کہ صبح نہیں اٹھ سکتا تو وہ عشاء کی نماز کے بعد تہجد کی نیت سے آٹھ رکعات پڑھ کر سو جائے۔

روح کے متعلق سوال:

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ.... (٨٥)﴾

مشرکین نے یہود کے بتائے ہوئے سوالات میں سے ایک سوال روح کے متعلق کیا کہ روح کیا ہے؟ روح کی تفصیل بتانے کے بجائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیغمبر! ان کو یہ نہیں بتانا کہ روح کیا چیز ہے، انہیں یہ بتانا کہ روح امر ربی ہے۔ اس کی

وجہ یہ ہے کہ ان کا دماغ اتنا نہیں تھا کہ وہ روح کو سمجھ سکیں۔

خاتم الانبیاء سے مختار کل ہونے کی نفی:

﴿وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ﴾

مشرکین مکہ کہتے کہ ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں جب تک کہ آپ ہمارے مطالبات پورے نہ کر دیں۔ انہوں نے سات مطالبے کیے:

1:﴿تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ﴾آپ زمین سے پانی کے چشمے نکالیں۔

2:﴿ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ عِنَبٍ ﴾یا پھر آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا باغ پیدا ہو جائے۔ اور آپ اس میں زمین کو پھاڑ کر نہریں جاری کر دیں۔

3:﴿اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا ﴾یا جیسے آپ دعویٰ کرتے ہیں، آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے ہمارے اوپر گرا دیں۔

4:﴿ اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةِ قَبِیْلًا ﴾یا اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئیں۔

5:﴿اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ ﴾یا پھر آپ کے لیے ایک سونے کا گھر وجود میں آجائے۔

6:﴿اَوْ تَرْقٰى فِی السَّمَآءِ ﴾یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں۔

7:﴿وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ﴾آپ آسمان سے کتاب لے کر آئیں اور بتائیں کہ یہ کتاب لایا ہوں تب ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا:﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا

بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۳﴾ اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کو بتائیں کہ میرا اللہ پاک ہے، یہ کام میرے بس میں نہیں، میں انسان بھی ہوں اور رسول بھی ہوں، مجھ سے مطالبہ وہ کرو جو انسان کے بس میں ہو، وہ مطالبات مجھ سے نہ کرو جو انسان کے بس میں نہیں ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کی نو واضح نشانیاں:

﴿وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسٰى تِسۡعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ..... ﴿۱۰۱﴾﴾

یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو اللہ تعالیٰ نے نو واضح نشانیاں عطا فرمائی تھیں ان کا ذکر ہے۔ ان نشانیوں سے مراد یا تو معجزات ہیں یا احکام خداوندی۔ معجزات یہ ہیں: عصا، ید بیضاء، زبان میں لکنت تھی دور کر دی، سمندر کے دو حصے کر دیے گئے، فرعونیوں پر ٹڈی دل کا عذاب، طوفان کا عذاب، کپڑوں میں جوئیں پڑ گئیں، مینڈکوں کا عذاب اور خون کا عذاب۔ اگر اس سے مراد احکام خداوندی ہوں تو یہ ہیں: شرک نہ کریں، چوری نہ کریں، زنا نہ کریں، ناحق قتل نہ کریں، کسی بے گناہ پر جھوٹا الزام لگا کر اسے قتل یا سزا کے لیے پیش نہ کریں، جادو نہ کریں، سود نہ کھائیں، پاکدامن عورت پر بدکاری کا بہتان نہ لگائیں اور میدان جہاد سے پیٹھ پھیر کر نہ بھاگیں۔

اللہ تعالیٰ کے سارے نام اچھے ہیں:

﴿قُلِ ادۡعُوا اللّٰهَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ اَيًّا مَّا تَدۡعُوۡا فَلَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى..... ﴿۱۱۰﴾﴾

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگ رہے تھے اور دعا میں یوں فرما رہے تھے: یا اللہ! یا رحمن! تو مشرکین کہنے لگے کہ ہمیں کہتے ہیں کہ ایک خدا کو پکارو

اور خود دو کو پکار رہے ہیں۔ انہیں جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تو ایک اور یکتا ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا نام ایک نہیں بلکہ کئی ہیں جس نام سے بھی پکارو سب اچھے ہیں۔ اس طرح مشرکین کی کم عقلی اور کم علمی کی تردید کی گئی۔

قراءت میں اعتدال:

﴿وَ لَا تَجۡہَرۡ بِصَلَاتِکَ وَ لَا تُخَافِتۡ بِہَا وَ ابۡتَغِ بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ﴿۱۱۰﴾﴾

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں باآواز بلند قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے تو مشرکین مکہ قرآن کریم سن کر مذاق اڑاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ نہ تو بہت زیادہ زور سے پڑھیں اور نہ بالکل آہستہ پڑھیں بلکہ درمیانی آواز میں پڑھیں۔ اسلام اعتدال کا دین ہے، اس میں ہر ہر معاملے میں اعتدال اور میانہ روی کا خیال رکھا گیا ہے۔

توحید باری تعالیٰ:

﴿وَ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ کَبِّرۡہُ تَکۡبِیۡرًا ﴿۱۱۱﴾﴾

سورۃ اسراء کے آخر میں یہود و نصاری، مشرکین وغیرہ کی تردید کی گئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا اور شریک ثابت کرتے تھے۔ نہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے اور نہ ہی کوئی شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ شریکوں سے پاک اور بلند وبالا ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کمزور بھی نہیں کہ انہیں کسی مددگار کی ضرورت ہو۔ جو ذات ان صفات والی ہو، اس کی بڑائی بیان کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سورۃ الکہف

وجہ تسمیہ:

"کہف" کہتے ہیں غار کو چونکہ اس سورت میں اصحاب کہف یعنی غار والوں کا ذکر ہے۔ اس لیے اس سورت کا نام بھی سورۃ الکہف رکھ دیا گیا ہے۔

یہود مدینہ نے یا مشرکین مکہ نے یہود مدینہ سے پوچھ کر اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوال کیے تھے:

- روح کیا ہے؟
- اصحاب کہف کون تھے؟
- ذوالقرنین کا قصہ کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل بتاؤں گا اور ان شاء اللہ فرمانا بھول گئے۔ کل وہ پھر آگئے پھر فرمایا کہ کل بتاؤں گا۔ کچھ دن تک وحی بند رہی۔ پھر پندرہ دن کے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿وَ لَا تَقُوۡلَنَّ لِشَایۡءٍ اِنِّیۡ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ ﴾ کہ میرے پیغمبر! آپ " ان شاء اللہ " فرمایا کریں۔ اس سورۃ میں ان کے آخری دو سوالوں کا تفصیل سے جواب دیا گیا ہے اور روح کے بارے سورۃ بنی اسرائیل میں بات ہو چکی ہے۔

اصحاب کہف کا قصہ:

ایک ظالم اور مشرک بادشاہ دقیانوس کے زمانے میں چند نوجوان توحید کے قائل تھے اور یہ بادشاہ انہیں پریشان کرتا تھا۔ اس نے ان کو طلب کیا تو یہ نوجوان اپنا

ایمان بچانے کے لیے ایک غار میں چھپ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں انہیں گہری نیند سُلادیا۔ یہ اس غار میں تین سونو سال تک سوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بدن کو اپنی قدرت سے صحیح سالم اور محفوظ رکھا۔ تین سونو سال کے بعد جب بیدار ہوئے تو بھوک محسوس ہوئی، ایک کو بھیجا کہ جاؤ کھانا لے کر آؤ مگر احتیاط سے جانا کہ کہیں کسی کو پتہ نہ چل جائے۔ جب دکاندار کو سکہ پیش کیا وہ تو تین سو سال پرانا سکہ تھا۔ پھر آہستہ آہستہ سب کو پتہ چل گیا۔ دقیانوس تو مر کھپ گیا تھا، موجودہ بادشاہ توحید پرست تھا اس نے اصحاب کہف کا اعزاز و اکرام کیا۔ جب ان نوجوانوں کا انتقال ہوا تو بادشاہ نے ان کی یادگار میں ایک مسجد تعمیر کرائی۔

اصحابِ کہف اور اصحابِ رقیم:

﴿اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَ الرَّقِیۡمِ ۙ كَانُوۡا مِنۡ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾﴾

اصحابِ کہف کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ مگر قرآن کریم میں اس کے علاوہ بھی عجیب تر واقعات موجود ہیں۔ ان کو اصحاب کہف بھی کہا اور اصحاب رقیم بھی کہا۔ "کہف" تو غار کو کہتے ہیں اور "رقیم" تختی کو کہتے ہیں۔ یہ جس غار میں بعد میں وفات پا گئے تھے؛ مسلمان بادشاہ نے باہر تختی لکھ کر لگادی تھی کہ فلاں فلاں ولی وفات پا گئے تھے جو اس غار میں موجود ہیں۔ اس لیے ان کو "اصحاب رقیم" بھی کہتے ہیں۔

اجسام کی حفاظت کا انتظام:

﴿وَ تَرَى الشَّمۡسَ اِذَا طَلَعَتۡ تَّزٰوَرُ عَنۡ كَهۡفِهِمۡ ذَاتَ الۡیَمِیۡنِ وَ اِذَا غَرَبَتۡ تَّقۡرِضُهُمۡ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمۡ فِیۡ فَجۡوَةٍ مِّنۡهُ ؕ ..... ﴿۱۷﴾﴾

وہ غار ایسی ہے کہ جب سورج نکلتا ہے تو دھوپ دائیں جانب ہوتی ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو بائیں جانب ہوتی ہے یعنی غار کا نقشہ اس طرح ہے کہ براہِ راست دھوپ ان پر نہیں پڑتی۔ غار کھلی ہے، ہوا آتی جاتی ہے لیکن براہِ راست ان کے جسم پر دھوپ نہیں پڑتی۔ اللہ تعالیٰ ان کے جسموں کو دھوپ سے بچا لیتے ہیں اور ہوا کا سلسلہ بھی رہتا ہے تاکہ سانس نہ گھٹے۔

بیداری کے بعد باہمی گفتگو:

﴿وَ كَذٰلِكَ بَعَثۡنٰهُمۡ لِيَتَسَآءَلُوۡا بَيۡنَهُمۡ‌ ؕ قَالَ قَآٮِٕلٌ مِّنۡهُمۡ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ‌ ؕ قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ‌..... ﴿۱۹﴾﴾

اصحاف کہف جب بیدار ہوئے تو آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ غار میں کتنا عرصہ ٹھہرے؟ کچھ نے کہا کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ اور کچھ نے کہا اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ پھر کہنے لگے کہ کھانے کا انتظام کرنا چاہیے تو اپنے میں سے ایک کو سکے دے کر بھیجا کہ کھانے کا انتظام کرو لیکن دو باتوں کا خیال رکھنا: ایک تو یہ کہ کھانا پاکیزہ یعنی حلال لانا۔ ان کا خیال تھا کہ بت پرستوں کے شہر میں حلال کھانا ملنا مشکل ہے۔ دوسرا ہوشیاری سے جانا اور دکاندار سے نرمی سے بات کرنا کہ کہیں کسی کو ہمارے بارے پتہ نہ چل جائے۔ آگے ان کی وفات کا ذکر ہے۔ جب اصحابِ کہف وفات پا گئے تو اب مشورہ ہوا کہ ان کی یادگار کے طور پر کوئی عمارت بنائیں۔ بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ یہاں بطورِ یادگار کے مسجد بنالیں۔

اصحاب کہف کی تعداد:

﴿قُلۡ رَّبِّىۡۤ اَعۡلَمُ بِعِدَّتِهِمۡ مَّا يَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا قَلِيۡلٌ ..... ﴿۲۲﴾﴾

اصحاب کہف کی صحیح تعداد تو اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ البتہ چند ایک حضرات کو بھی معلوم ہے ان میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہیں۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق اصحاب کہف سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔

دو آدمیوں کا قصہ:

﴿وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا رَّجُلَيۡنِ جَعَلۡنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيۡنِ مِنۡ اَعۡنَابٍ وَّحَفَفۡنٰهُمَا بِنَخۡلٍ وَّجَعَلۡنَا بَيۡنَهُمَا زَرۡعًا ۝٣٢﴾

یہاں ان دوآدمیوں کا قصہ بیان کیا جارہا ہے جن میں سے ایک نے مال و دولت سے دل لگا کر کفر اختیار کر لیا تھا اور دوسرے نے اپنا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا تھا۔ تو اس مؤمن نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ اللہ نے تجھے ایک نطفے سے پیدا فرمایا، اللہ نے تجھے دولت عطا فرمائی، اس پر تجھے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس پر "ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ" کہنا چاہیے۔ لیکن اس کے دماغ میں یہ تھا کہ میرے پاس دولت موجود ہے اور یہ ہمیشہ رہے گی۔ اس کو احساس اس وقت ہوا جب اللہ رب العزت نے ان نعمتوں کو چھین لیا اور یہ خالی ہاتھ رہ گیا۔

مال واولاد دنیا کی زینت ہیں:

﴿اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِيۡنَةُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ اَمَلًا ۝٤٦﴾

گزشتہ آیات میں دو شخصوں کا قصہ بیان کیا گیا تھا جن میں سے ایک نے دنیا کے مال واسباب سے دل لگایا تھا اور اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تھا۔ اب یہاں سے مال واسباب

اور اولاد کی بے ثباتی کو بیان کیا جارہا ہے کہ یہ چیزیں صرف دنیا کی زیب وزینت ہیں۔ ان سے محبت اور دل لگی کے بجائے ان نیک اعمال کو اختیار کرنا چاہیے جنہیں بقا حاصل ہے۔ باقی رہنے والے کلمات سے اعمال صالحہ مراد ہیں جیسے پنج وقتہ نمازیں اور اس کے علاوہ بھی نیک اعمال اور ذکر اذکار مثلاً "سُبْحَانَ اللہ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ، وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ:

﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا﴿۶۰﴾﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ روئے زمین پر اس وقت سب بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا فرمایا اور یہ واقع کے مطابق بھی تھا کیونکہ نبی کے پاس سب سے زیادہ علم ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ سب سے بڑا عالم کون ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم سیکھنے کے لیے جائیں، جہاں دو دریا ملتے ہیں اس جگہ ان سے ملاقات ہو گی۔

یہ قصہ آیت نمبر 60 سے لے کر سولھویں پارہ میں آیت نمبر 82 تک بیان کیا گیا۔ ملاقات کا جو مقام بتایا گیا تھا وہاں پر حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملاقات کی غرض بیان فرمائی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں جو بھی کام کروں مجھ سے اس کے متعلق نہ پوچھنا جب تک میں از خود نہ بتاؤں۔ سفر شروع ہوا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے تین کام کیے۔ کشتی کا تختہ اکھاڑا، بچے کو قتل کیا۔ بقیہ تفصیل اگلے پارے میں آرہی ہے، ان شاء اللہ۔

وَاٰخِرُ دَعۡوَانَآ أَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ

پارہ نمبر:16

اور تیسرا کام یہ کہ بغیر اجرت دیوار ٹھیک کی۔ چونکہ پہلے دونوں کام شریعت کے خلاف تھے اس لیے موسیٰ علیہ السلام سے خاموش نہ رہا گیا اور تیسری بار جان بوجھ کر پوچھا۔ جدائی ہوئی تو خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آپ کو ان واقعات کا مقصد بتائے دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

1: کشتی والے غریب لوگ تھے، آگے ظالم بادشاہ تھا۔ وہ ہر صحیح سالم کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا تو میں نے چاہا کہ اس میں کوئی عیب پیدا کر دوں، تاکہ وہ عیب کی وجہ سے نہ لے سکے۔

2: بچے کے والدین مؤمن تھے اگر یہ زندہ رہتا تو ممکن تھا کہ اپنی سرکشی اور کفر کی وجہ سے انہیں مشکل میں مبتلا کر دیتا۔ ہم نے چاہا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں انہیں ایسی اولاد دے جو پاکیزگی اور حسن سلوک میں اس سے بہتر ہو۔

3: دیوار دو یتیم بچوں کی تھی اس کے نیچے ان کے والد نے خزانہ دفن کیا ہوا تھا ان کا باپ نیک آدمی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ کر اپنا خزانہ نکال لیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریعی علم تھا۔ جبکہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس تکوینی علم تھا۔ ہم شریعت کے پابند ہیں۔

حضرت ذوالقرنین کا قصہ:

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴾٨٣﴿﴾

یہاں سے لے کر آیت نمبر 98 تک حضرت ذوالقرنین کا قصہ بیان کیا جا رہا

ہے۔ مشرکین مکہ نے جو تین سوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے تھے ان میں ایک سوال یہ تھا کہ اس شخص کے متعلق بتائیں جس نے مغرب سے مشرق تک کا سفر کیا۔

ذوالقرنین کے بارے میں یہ بات یقینی نہیں کہ وہ پیغمبر تھے یا نہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے حضرت ذوالقرنین کو اقتدار اور وسائل عطا کر رکھے تھے۔ انہوں نے تین سفر کیے۔ پہلا سفر مغرب تک کیا جہاں سورج ایک دلدل نما سیاہ چشمے میں ڈوب رہا تھا۔ یہ دنیا کا آخری کونا تھا، اس کے بعد سمندر ہی سمندر تھا۔ دوسرا سفر مشرق تک کیا جہاں سے سورج طلوع ہو رہا تھا۔ تیسرا سفر غالباً شمال کا تھا۔ وہاں کے لوگوں سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے یاجوج ماجوج کی قتل وغارت گری اور خون خرابے کی شکایت کی اور درخواست کی کہ ان پہاڑوں کے درمیان دیوار بنادیں اور مال کی پیش کش کی۔ حضرت ذوالقرنین نے فرمایا تمہارے مال کی ضرورت نہیں، البتہ افرادی اور جسمانی طور پر میری مدد کرو۔ آپ نے لوہے کے تختوں اور پگھلے ہوئے سیسے سے مضبوط دیوار بنادی جس سے وہ لوگ یاجوج ماجوج کے فساد سے محفوظ ہو گئے۔

قیامت کی ہولناکی:

﴿وَ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾﴾

جب صور پھونکا جائے گا تو اس وقت قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے لوگ بدحواسی کے عالم میں ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات:

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ

رَبِّیۡ وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

اللہ تعالیٰ کی قدرت، صفات اور کمالات غیر متناہی ہیں۔ اگر انہیں لکھا اور شمار کیا جائے تو کئی سمندر خشک پڑ جائیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کے کمالات وصفات ختم نہیں ہو سکیں گے۔

بشریت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ..... ﴿۱۱۰﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ یہ بات لوگوں کو بتادیں کہ میں بھی بشر ہوں یعنی تمہاری طرح ایک انسان ہوں اور تم بھی بشر ہو۔ بس فرق یہ ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے اور تم پر وحی نہیں آتی۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات:

﴿فَمَنۡ كَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

اور خدا کی طرف سے وحی یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے پر یقین رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائے۔

اعمال کے قبول ہونے کی شرائط:

قبولیت اعمال کی بنیادی طور پر تین شرطیں ہیں:

1-عقیدہ ٹھیک ہو:

اگر عقیدہ ٹھیک نہیں ہے تو کتنا بھی اچھا کام کرے وہ کام خدا کے یہاں فائدہ مند نہیں۔ عقائد میں بنیادی عقیدہ ایمان ہے اب اگر کسی کے پاس ایمان کی عظیم الشان نعمت ہی نہیں تو وہ کتنا بھی اچھا کام کرے اس کو فائدہ نہیں ہونا۔

2-نیت ٹھیک ہو:

اگر نیت ہی درست نہیں ہے تو چاہے اب کتنا بھی اچھا کام کرے وہ قبول نہیں ہو گا۔

3- عمل سنت کے مطابق ہو:

اگر عمل سنت کے مطابق نہیں ہے تو پھر نیک کام بھی بیکار ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں تمام کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

سورۃ مریم

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ میں حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام بھی سورۃ مریم رکھ دیا گیا ہے۔

اس سورۃ کا مرکزی مضمون حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صحیح عقائد کا بیان ہے۔ عیسائیوں کی تردید کی گئی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں، نہ تو وہ تین میں سے تیسرے ہیں اور نہ ہی خدا کے بیٹے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دیگر انبیاء علیہم السلام کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا:

﴿اِذۡ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا ﴿۳﴾﴾

حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بالکل بڑھاپے میں آہستہ آہستہ دعا مانگی ﴿فَهَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِیًّا﴾ مجھے بیٹا دے جو میرا اور آل یعقوب علیہ السلام کا وارث بنے۔ یہاں وراثت سے مراد دنیا کی وراثت نہیں بلکہ علومِ نبوت کی وراثت ہے جو کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی وراثت ہوا کرتی ہے۔ انبیاء کرام جو بھی تھوڑا بہت دنیوی مال و اسباب چھوڑ کر جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے، وراثت نہیں۔

قبولیت دعا:

﴿یٰزَكَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣ اسۡمُهٗ یَحۡیٰی ۙ لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ سَمِیًّا ﴿۷﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمالی اور ایسے بیٹے کی خوشخبری دی جس کا نام یحییٰ ہوگا اس سے پہلے اس نام کا کوئی اور شخص پیدا نہیں کیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے اسباب کو ملحوظ رکھتے ہوئے سوال کیا کہ میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا؟ کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے سے سوکھ چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے بات سمجھائی کہ ہم بغیر اسباب کے بیٹا عطا فرمادیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی درخواست پر نشانی بتائی کہ تم ٹھیک ٹھاک ہونے کے باوجود تین رات تک لوگوں سے بات نہیں کر سکو گے۔ پھر آگے حضرت یحیٰ علیہ السلام کے اوصاف کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ دانا، پاکیزہ، نرم دل، متقی اور والدین کے خدمت گزار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ان اوصاف والی اولاد عطا فرمائیں۔

حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ:

﴿وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ مَرۡيَمَ‌ۘ اِذِ انْتَبَذَتۡ مِنۡ اَهۡلِهَا مَكَانًا شَرۡقِيًّا ۝١٦﴾

یہاں سے حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کی تفصیل بیان کرکے عیسائیوں کی تردید کی جارہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام؛ اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں ہیں۔

حضرت مریم علیہا السلام کی عمر تیرہ سال یا پندرہ سال تھی، دونوں قول ملتے ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام خوبصورت مرد کی شکل میں آئے۔ فرشتہ جب بھی انسان کی شکل میں آتا ہے تو ہمیشہ خوبصورت مرد کی شکل میں آتا ہے۔ حضرت مریم نے ان کو دیکھا تو پردے کا اہتمام کیا۔ انہوں نے بتایا کہ میں جبرائیل امین ہوں، اللہ کی طرف سے بچے کی بشارت لے کر آیا ہوں۔ حضرت مریم کے گریبان میں پھونک ماری اس سے ان کو حمل ٹھہر گیا۔

ولادت کے دن جب قریب آئے تو ان کو بتایا گیا کہ فلاں جگہ پر تشریف لے جائیں، وہ ٹیلے کی طرف گئیں تو وہاں پر بغیر موسم کے اللہ نے کھجور پر پھل لگادیا اور پانی کا چشمہ بھی جاری فرمادیا۔ بچہ کی ولادت کے بعد آپ وہیں پر کھجور کھاتیں اور چشمہ کا پانی پیتیں۔ چالیس دن تک یا جتنے دن نفاس کے تھے وہیں ٹھہری رہیں۔

اس کے بعد واپس اپنے خاندان میں آئیں تو خاندان والوں نے کہا: یہ بچہ کہاں سے آگیا ہے؟ تمہارا تو نکاح ہی نہیں ہوا۔ حضرت مریم کو حکم تھا کہ آپ اس بچے کی طرف اشارہ کریں، پھر عیسیٰ علیہ السلام نے صفائی دی کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھے اللہ رب العزت نبی بنائیں گے، مجھے کتاب دیں گے۔ اس طرح ان لوگوں کا سارا بہتان ختم ہوگیا۔ اس کی مکمل تفسیر کے لیے میری کتاب "**دروس القرآن**" دیکھیے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گود میں گفتگو کرنا:

﴿قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾﴾

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ کتاب عطا فرمائیں گے، مجھے نبی بنائیں گے اور میں جہاں بھی ہوں گا اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے نماز کا، حکم دیا ہے زکوٰۃ کا، میں جب تک زندہ رہوں مجھے اپنی ماں کا فرمانبردار بنایا ہے اور مجھے سختی والا نہیں بنایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغ:

﴿وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِبْرٰهِیْمَ ؕ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ﴿۴۱﴾﴾

یہاں سے لے کر آگے کئی آیات تک مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کے فضائل وکمالات اور صفات کو بیان کیا گیا ہے۔ جن میں سر فہرست امام الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہت ہی عمدہ اور ہمدردانہ انداز میں دلائل کے ساتھ اپنے والد کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی۔ والد نے بجائے دعوت کو قبول کرنے کے الٹا دھمکی دی کہ اگر تم اپنی دعوت سے باز نہ آئے تو تم پر پتھر برساؤں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے والد سے کہا میں اپنے پروردگار سے آپ کی بخشش کی دعا کروں گا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم نہیں تھا جب معلوم ہو گیا کہ انہیں ایمان نصیب نہیں ہونا تو آپ نے دعا کرنا چھوڑ دی۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا تذکرہ:

﴿وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِدْرِیْسَ ؗ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ﴿۵۶﴾﴾

حضرت ادریس علیہ السلام کی بعض خصوصیات ہیں جو مفسرین حضرات نے ذکر کی ہیں۔ ان کے بارے میں ہے کہ آپ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے قلم سے لکھنا شروع کیا۔ آپ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے کپڑا سی کر لباس پہنا۔ آپ سے پہلے لوگ جانوروں کے چمڑے کا لباس پہنتے تھے۔ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلحہ بنایا اور کفار سے جہاد کیا۔ آپ پہلے شخص ہیں جو حساب کتاب میں ماہر تھے۔

نالائق جانشین کی بیماریاں:

﴿فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ۝٥٩﴾

انبیاء علیہم السلام تو بڑے تھے ان کی اولاد بھی نیک تھی لیکن ایک وقت آیا کہ ان کے بعد نالائق قسم کے جانشین پیدا ہوئے، انہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ نمازیں برباد کیں اور دوسرا کام؛ شہوات اور خواہشات میں مبتلا ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ جو نالائق قسم کے جانشین ہوتے ہیں ان کی دو بیماریاں ہیں: نماز میں کوتاہی کرتے ہیں اور ناجائز خواہشات کو پورا کرتے ہیں۔

پل صراط سے گزرنا:

﴿وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ۝٧١﴾

اللہ کا وعدہ ہے کہ ہر بندے نے جہنم کے اوپر سے گزرنا ہے، میدان محشر اور جنت کے درمیان جہنم ہے، ہاں فرق اتنا ہو گا کہ صلحاء اور اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے جہنم کے اوپر سے ٹھنڈک محسوس کرتے ہوئے گزریں گے اور جہنم کی گرمی انہیں محسوس تک نہیں ہو گی۔ اور جن گناہگاروں کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا تو وہ

اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے جہنم میں گریں گے پھر سزا کے بعد جنت میں بھیج دیے جائیں گے۔ جن کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان نہیں ہو گا وہ دوزخ میں گرنے کے بعد وہیں پڑے رہیں گے۔ شاید نیک لوگوں کو جہنم کے اوپر سے گزارنے میں یہ حکمت ہو کہ دوزخ کی ہولناکی دیکھنے کے بعد جنت کی قدر و قیمت بڑھ جائے۔

اہلِ ایمان کے لیے محبوبیت عامہ:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾﴾

جو آدمی ایمان لائے، عقیدہ اس کا ٹھیک ہو، اعمال سنت کے مطابق ہوں تو اللہ اس کے لیے محبت کی ہوائیں چلا دیتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ جب اللہ کسی سے پیار کرتے ہیں تو جبرائیل امین علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ فلاں بندے سے مجھے بہت پیار ہے، جبرائیل فرشتوں سے کہتے ہیں کہ اللہ کو اس بندے سے بہت پیار ہے۔ فرشتے آگے اعلان کرتے ہیں۔ وہ اعلان چلتے چلتے زمین والوں تک آتا ہے۔ پھر اس نیک بندے سے زمین والے نیک لوگ پیار کرتے ہیں۔

سورۃ طٰہٰ

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کے آغاز میں حروف مقطعات میں کا ذکر ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ "طٰہٰ" رکھا گیا ہے۔

﴿طٰهٰ ﴿١﴾﴾

یہ حروف مقطعات ہیں، ان کے معانی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

مشقت کے بعد آسانی:

﴿مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۝۲﴾

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ مکرمہ میں جب قرآن مجید کا نزول شروع ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری پوری رات تہجد میں قرآن مجید کی تلاوت اتنی فرماتے کہ بسا اوقات مسلسل قیام کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پر ورم آجاتا۔ اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ اتنی زیادہ مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا معمول تبدیل فرمالیا۔ رات کے کچھ حصے میں آرام فرماتے پھر بیدار ہو کر تہجد کی نماز پڑھتے۔

استواء علی العرش:

﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى ۝۵﴾

اھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ آیت متشابہات میں سے ہے۔ یعنی اس کا معنی تو معلوم ہے لیکن مطلب اور مراد معلوم نہیں۔ استویٰ علی العرش کی مکمل اور مدلل بحث میری کتاب "**دروس القرآن**" میں اسی مقام پر اور میری مرتب کردہ فائل "**توحید باری تعالیٰ**" میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت کا ملنا:

﴿وَهَلۡ اَتٰٮكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰى ۝۹﴾

یہاں سے لے کر آیت نمبر 98 تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی قصہ بیان کیا جارہا ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپس تشریف لارہے تھے تو راستہ

بھول گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دور سے ایک درخت کو جلتا ہوا دیکھا تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ یہاں ٹھہرو، میں وہاں سے آگ لے کر آتا ہوں۔ آپ جب اس درخت کے قریب پہنچے تو عجیب منظر دیکھا کہ اس درخت کی کوئی شاخ یا پتا جلتا نہیں ہے بلکہ آگ نے درخت کے حسن اور خوبصورتی کو مزید بڑھا دیا ہے۔

اسی دوران اس درخت سے موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آواز آئی اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں، اپنے جوتے اتار دو کیونکہ تم اس وقت طُویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔ میں نے تمہیں نبوت دینے کے لیے منتخب کر لیا ہے اس لیے جو وحی تم پر بھیجی جا رہی ہے اسے غور سے سنو۔ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس لیے میری عبادت کرو اور مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم کرو۔ آگے اللہ تعالیٰ نے جو موسیٰ علیہ السلام سے مکالمہ فرمایا اور معجزہ عطا کیا اس کا ذکر ہے۔ آپ کی دعاؤں اور ان کی قبولیت کا بھی تذکرہ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں کا ذکر:

﴿قَالَ رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ ﴿۲۵﴾﴾

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بغرض دعوت جانے کا حکم فرمایا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے چار چیزیں مانگیں:

اے اللہ! جو بات میں سمجھانا چاہتا ہوں میرے اوپر کھول دے تاکہ مجھے سمجھانے میں دقت نہ ہو۔ اے اللہ! مجھے اسباب عطا فرما دے۔ اے اللہ! مجھے فصیح زبان عطا فرما دے، زبان کی لکنت ختم ہو جائے تاکہ میں بات کھل کر بتا سکوں۔ یا اللہ! میرے خاندان میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا معاون بنا دے۔ اس کے ذریعے میری کمر مضبوط فرما دے، اس کو میرے کام میں شامل فرما دے۔ یہ ساری دعائیں اللہ

تعالیٰ نے قبول فرمالیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بطورِ احسان اور تسلی؛ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا واقعہ ذکر فرمایا کہ ہم نے ام موسیٰ کو حکم دیا کہ اسے صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن ساتھ ساتھ چلتی رہیں۔ صندوق فرعون کے محل کے پاس پہنچا۔ پھر دودھ پلانے والے معاملے کی صورت میں موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی ماں کے پاس پہنچوادیا۔ اگلی آیات میں حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے فرعون کے پاس جانے کا ذکر ہے۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا:

﴿مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَ فِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَ مِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى ۝۵۵﴾

یہاں اللہ تعالیٰ نے ضابطہ بیان فرمایا کہ مٹی سے تم کو پیدا کیا، مٹی میں لوٹائیں گے اور اسی مٹی سے اٹھائیں گے۔ بعض روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ جو انسان بھی پیدا ہوتا ہے تو رحم مادر میں ایک تو باپ کا نطفہ ہوتا ہے اور دوسرا جس مٹی میں اس انسان نے دفن ہونا ہوتا ہے اس مٹی کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ فرشتے کے ذریعے ماں کے رحم میں ڈال دیتے ہیں۔ تو جس مٹی میں اس نے دفن ہونا ہوتا ہے وہ مٹی اس میں شامل ہوتی ہے۔ اب اس کی نوعیت کیا ہوتی ہے وہ تو اللہ ہی جانتے ہیں۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"خُلِقْتُ أَنَا وَأَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ مِنْ طِيْنَةٍ وَاحِدَةٍ."۔

(تاریخ ابن عساکر ج44 ص121، رقم الحدیث 46604)

کہ مَیں، ابو بکر اور عمر ایک ہی مٹی سے بنے ہیں۔ (رضی اللہ عنہما) اس لیے

دفن بھی ایک جگہ ہوئے اور قیامت کے دن اٹھیں گے بھی اسی جگہ سے۔ اللہ تعالی ان سے راضی ہو جائے۔

﴿وَلَقَدۡ اَرَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿٥٦﴾﴾

یہاں سے لے کر آیت 98 تک حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام، فرعون اور بنی اسرائیل کا تفصیلی قصہ کا بیان ہے۔ قرآن کریم کے دیگر مختلف مقامات پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو بیان کیا گیا ہے۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت:

﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ مَا قَدۡ سَبَقَ ۚ وَ قَدۡ اٰتَيۡنٰكَ مِنۡ لَّدُنَّا ذِكۡرًا ﴿٩٩﴾﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ماضی میں جو حالات گزرے ہیں ان میں سے کچھ واقعات ہم تمہیں سناتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا باوجود اُمی ہونے کے بذریعہ وحی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اتنا تفصیلی قصہ بیان فرمانا دلیل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اور نبی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم

عصمتِ آدم علیہ السلام:

﴿ فَاَكَلَا مِنۡهَا فَبَدَتۡ لَهُمَا سَوۡاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخۡصِفٰنِ عَلَيۡهِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّةِ ۫ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿١٢١﴾﴾

گزشتہ آیات میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں

نے بھول کر اس درخت سے کھالیا تھا جس سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے دو لفظ "عَصٰی" اور "فَغَوٰی" فرمائے ہیں جن سے بعض لوگوں کو غلطی لگی انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت کے خلاف بات کہہ دی۔ جبکہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام چھوٹے اور بڑے گناہوں سے معصوم ہیں، اللہ تعالی ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔

اب مذکورہ دونوں لفظوں کا معنی سمجھیں:

عَصٰی کا ایک معنی ہے وہ کام کرنا جس کا ارادہ نہ ہو۔ آدمی بعض کام بلا ارادہ کرلیتا ہے، کرنا کچھ چاہتا ہے اور ہو کچھ جاتا ہے، اس کو بھی معصیت کہتے ہیں۔ یہاں یہی معنی مراد ہے۔ یعنی آدم علیہ السلام نے قصداً درخت سے نہیں کھایا تھا بلکہ بھول گئے تھے۔

فَغَوٰی کا ایک معنی ہے کہ دنیاوی معاملات میں انسان کا مشقت میں پڑ جانا، راحت کا ختم ہو جانا، تکلیف میں آجانا۔ یہاں یہی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جنت میں جو عیش تھی وہ ختم ہو گئی اب مشقت پیدا ہو گئی۔

پانچوں نمازوں کے اوقات کا ثبوت:

﴿وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾﴾

اس آیت میں پانچوں نمازوں کا ثبوت ملتا ہے۔ ﴿قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ﴾ سے مراد نماز فجر ہے۔ ﴿وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا﴾ سے ظہر اور عصر کی نماز

مراد ہے۔ ﴿وَ مِنۡ اٰنَآئِ الَّیۡلِ﴾ اس سے مغرب اور عشاء مراد ہیں۔ ﴿وَ اَطۡرَافَ النَّهَارِ﴾ اس سے فجر اور مغرب کی تاکید مراد ہے۔

دنیا سے بے رغبتی اختیار کریں:

﴿وَ لَا تَمُدَّنَّ عَیۡنَیۡكَ اِلٰی مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ زَهۡرَةَ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ..... (۱۳۱)﴾

یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے یہ بات ہمیں سمجھائی ہے کہ جو مال ہم نے ان کفار کو دیا ہے آپ کی نگاہ اس پر نہ اٹھے۔ یہ سب دنیا کا مال ہے، آزمائش کے لیے ہے، اللہ کا دیا ہوا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے، بس آپ خود بھی نماز پڑھیں اور گھر والوں کو بھی نماز کی ترغیب دیں۔

وَاٰخِرُ دَعۡوَانَا أَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

پارہ نمبر:17

سورۃ الانبیاء

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے سترہ انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا ہے اس لیے سورۃ کا نام بھی سورۃ الانبیاء رکھ دیا گیا۔ سورۃ الانبیاء مکی سورۃ ہے۔ مکی سورتوں میں زیادہ تر تین بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کا ذکر ہے۔ اس سورۃ میں بھی ان مضامین کو بیان کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ دیگر سترہ انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کر کے منکرین رسالت کو سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح سابقہ انبیاء علیہم السلام انسان اور بشر تھے۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بشر یعنی انسان ہی ہیں۔

تنبیہ غافلین:

﴿اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِيۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۝١﴾

اس آیت میں ان لوگوں (خواہ مؤمن ہوں یا کافر) کو تنبیہ کی جا رہی ہے جو خواب غفلت میں سو رہے ہیں کہ قیامت بالکل قریب ہے، حساب کتاب کا معاملہ آنے والا ہے، یا تو اس سے مراد قبر میں ہونے والا حساب ہے یا آخرت میں جو حساب و کتاب ہو گا وہ مراد ہے۔

نبی بشر ہی ہوتا ہے:

﴿لَاهِيَةً قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجۡوَى ۖ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۖ هَلۡ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ

مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۳﴾

مشرک لوگ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو رد کرتے اور بنیاد یہ بناتے کہ تم بشر ہو اور ہم بھی بشر ہیں، بشر نبی نہیں ہو سکتا۔ بشر کی تعریف یہ ہے کہ ذو عقل ہو اور محسوس ہو۔ محسوس ہونے کا معنی کہ آپ اس کو ہاتھ لگانا چاہیں تو لگا سکیں، پکڑنا چاہیں تو پکڑ سکیں، دیکھنا چاہیں تو دیکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ بشر ہی کو نبی منتخب کرتے تھے۔ جیسے آیت نمبر 7 میں ہے ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْۤ اِلَيْهِمْ﴾ ہم نے جب بھی کسی کو نبی بنایا تو مرد اور بشر ہی کو بنایا۔

تقلید کا ثبوت:

﴿فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷﴾﴾

اگر تمہیں معلوم نہیں تو اہلِ علم سے پوچھ لو۔ اس سے پتا چلا کہ آدمی دو قسم کے ہیں؛ بعض وہ ہیں جن کے پاس علم ہے اور بعض وہ ہیں جن کے پاس علم نہیں ہے۔ جن کے پاس علم نہیں ہے وہ ان سے پوچھیں جن کے پاس علم ہے اور پوچھنا تبھی ہوتا ہے جب عمل کرنا ہو وگرنہ پوچھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس سے تقلید ثابت ہوتی ہے کہ غیر اہلِ علم؛ اہلِ علم سے پوچھیں۔

توحید خداوندی پر نقلی دلیل:

﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ..... ﴿۲۲﴾﴾

اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ زمین وآسمان میں ایک خدا ہے، کئی خدا نہیں ہیں۔ تو یہاں تعددِ الٰہ کی نفی کی ہے کہ اگر آسمان وزمین میں ایک سے زائد خدا ہوں تو آسمان وزمین میں فساد ہو جائے یعنی یہ سب تباہ وبرباد ہو جائیں۔ چونکہ آسمان وزمین

میں فساد نہیں ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ ایک سے زائد خدا بھی نہیں ہیں۔

وعدۂ موت:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾﴾

اس آیت میں بالعموم ہر انسان کو موت سے ڈرایا گیا ہے کہ کسی بھی جاندار نے اس فانی دنیا میں باقی نہیں رہنا۔ بالخصوص مشرکین مکہ کو ڈرایا گیا ہے۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی موت کے منتظر ہیں۔ ان کی مراد یہ تھی کہ جب ان پر موت آئے گی تو ہم خوشیاں منائیں گے۔ اس آیت میں انہیں ڈرایا گیا ہے کہ موت تو سب پر آنی ہے۔ ان مشرکین پر بھی آنی ہے تو پھر خوشی کس بات کی منانا چاہتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم تمہیں اچھی اور بری حالتوں میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں اور تمہیں ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔

فائدہ:

اھل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وقوع موت کا ذکر نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں، بلکہ خطبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو صحیح بخاری میں ہے، میں موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں لہذا اس آیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ اس آیت میں وقوع موت کی خبر دی ہے، وقوع موت کا ذکر نہیں ہے۔ حیات فی القبر دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔ حیات فی القبر کی نفی میں اس آیت کو پیش کرنا جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم عطا فرمائیں۔

وزن اعمال:

﴿وَ نَضَعُ الۡمَوَازِیۡنَ الۡقِسۡطَ لِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ۔۔۔۔ ﴿۴۷﴾﴾

قیامت کے دن انصاف کا ترازو قائم کیا جائے گا جس کے ذریعے لوگوں کے تمام چھوٹے، بڑے، اچھے اور برے اعمال تولے جائیں گے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کوئی ایسی صورت بنادیں گے جس سے اعمال کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔ ہم ان باتوں پر ایمان بالغیب رکھتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ:

﴿وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَاۤ اِبۡرٰہِیۡمَ رُشۡدَہٗ مِنۡ قَبۡلُ وَ کُنَّا بِہٖ عٰلِمِیۡنَ ﴿ۚ۵۱﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی اعلی قابلیت کی بنیاد پر رشد وہدایت عطا فرمائی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی اور آپ علیہ السلام کے والد خود بت بنا کر فروخت کرتے تھے۔ قوم اپنا جشن منانے کے لیے میلے میں چلی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام موقع پا کر بت خانہ میں گئے اور کلہاڑے سے سارے بتوں کو توڑ کر ختم کر دیا۔ جو بڑا تھا اس کے کندھے پر کلہاڑا رکھ کر واپس تشریف لے آئے۔ جب قوم میلے سے واپس آئی تو دیکھا کہ بت ٹوٹے پڑے ہیں۔ انہوں نے کہا ایک نوجوان سے سنا تھا وہ ہمارے بتوں کا تذکرہ خیر نہیں کرتے تھے ان کا نام ابراہیم (علیہ السلام) ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سوال:

﴿قَالُوۡۤا ءَاَنۡتَ فَعَلۡتَ ہٰذَا بِاٰلِہَتِنَا یٰۤاِبۡرٰہِیۡمُ ﴿ؕ۶۲﴾ قَالَ بَلۡ فَعَلَہٗ ٭ۖ کَبِیۡرُہُمۡ

هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾

انہوں نے پوچھا کہ اے ابراہیم! ہمارے بتوں کے ساتھ یہ معاملہ آپ نے کیا؟ فرمایا: نہیں، یہ حرکت ان کے اس بڑے سردار نے کی ہے، انہی بتوں سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں! تو انہوں نے کہا اے ابراہیم! آپ جانتے ہیں کہ یہ تو بات بھی نہیں کرسکتے، ان سے کیا پوچھیں؟

﴿بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ "یہ حرکت ان کے اس بڑے سردار نے کی ہے" بظاہر درست نہیں کیونکہ بڑے بت نے تو یہ کام نہیں کیا تھا بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود انہیں توڑا تھا۔ اس کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد ان کے عقیدے پر طنز کرنا تھا کہ تم لوگ دن رات یہی رٹ لگاتے ہو کہ سب کچھ یہی بت کرتے ہیں، یہی خدا ہیں، بگڑی بناتے ہیں، جس کو چاہیں تباہ کر دیتے ہیں تو اسی نے مارا ہے؛ پوچھ لو اسی بڑے سے۔ اب وہ لاجواب ہوگئے اور بتوں کا عجز ان پر ظاہر ہوگیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد بھی یہی تھی۔

حضرت داود اور سلیمان علیہما السلام کا اختلاف رائے:

﴿وَ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿٧٨﴾﴾

دونوں باپ بیٹا اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ ایک آدمی کی بکریاں دوسرے کے کھیت کو کھا گئیں۔ حضرت داود علیہ السلام نے فرمایا کھیت کی قیمت کا اندازہ لگاؤ کہ کتنی قیمت بنتی ہے؟ معلوم ہوا کہ بکریوں کے برابر قیمت بنتی ہے، آپ نے فرمایا اس کی

بکریاں کھیت والے کو دے دو۔ جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: جس کی بکریاں ہیں وہ اس کے کھیت میں کام کرے اور کھیت والا بکریاں لے کر چرائے اور بکریوں کا دودھ پیے۔ جس وقت بکریوں نے کھیت کھایا تھا جب دوبارہ اتنا ہو جائے تو بکریاں؛ بکریوں والے کو دے دو اور کھیت والا اپنا کھیت سنبھال لے۔

یہاں نص موجود نہیں تھی اجتہادی مسئلہ میں اختلاف رائے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کی بھی تردید نہیں فرمائی بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس مسئلہ میں بنسبت حضرت داود علیہ السلام کے سمجھ زیادہ دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب غیر منصوص مسائل میں دو انبیاء علیہم السلام کے درمیان اختلاف ہو سکتا ہے تو جہاں نص نہ ہو وہاں امتیوں کے اجتہاد میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے۔ جس طرح اجتہادی مسئلہ میں دو انبیاء ماجور ہیں اسی طرح ائمہ مجتہدین اور ان کے مقلدین بھی ماجور ہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ:

﴿وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾﴾

حضرت ایوب علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش آئی۔ ساز وسامان، گھر بار، آل واولاد سب ختم ہو گئے، خود بیماری میں مبتلا ہوئے۔ آپ علیہ السلام کی اہلیہ نیک خاتون تھیں آپ کی خدمت کرتی رہیں۔ پھر ایک وقت آیا آزمائش ختم ہوئی اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ دوبارہ عطا فرما دیا۔

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ:

﴿وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖۗ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۷﴾﴾

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم شرک کیا کرتی تھی، آپ نے انہیں بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اگر تم باز نہیں آؤ گے تو تین دن بعد تم پر عذاب آئے گا۔ جب تین دن گزرے، آخری رات آئی تو حضرت یونس علیہ السلام بستی سے باہر چلے گئے کہ قوم پر عذاب آ رہا ہے۔ قوم پیچھے سے گڑ گڑائی، معافیاں مانگیں... بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور عذاب کو ختم فرما دیا۔

حضرت یونس علیہ السلام کا بغیر حکم الٰہی اپنے اجتہاد کی بنا پر بستی سے چلے جانا اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا تو آپ پر عتاب ہوا۔ آپ کشتی میں سوار ہوئے پھر مچھلی نے نگل لیا چند دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہے اور یہ دعا مانگتے رہے ﴿لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿٨٧﴾﴾ دعا قبول ہوئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے مچھلی نے آپ کو باہر کنارے پر رکھ دیا۔ اس طرح کے واقعات انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے بالکل خلاف نہیں ہوتے کیوں کہ انبیاء علیہم السلام منجانب اللہ معصوم ہوتے ہیں۔

غلط فہمی کا ازالہ:

﴿اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿٩٨﴾﴾

اس آیت میں ہے کہ مشرکین اور جن کی وہ عبادت کرتے ہیں یعنی تمام معبودان باطلہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی تھی کہ پھر حضرت عُزَیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی بھی لوگوں نے عبادت کی تھی تو کیا وہ بھی جہنم میں جائیں گے؟ اگلی آیت ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ

اُولٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ﴾ میں اس کا جواب موجود ہے کہ جن کے بارے میں اچھا انجام مقدر مقرر ہو چکا ہے وہ (حضرت عزیر، حضرت عیسیٰ علیہما السلام) اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔

رحمۃ للعلمین:

﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾﴾

اس آیت میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام عالمین کے لیے رحمت ہونا بتایا گیا ہے۔ عالَم انسان، عالَم جن، عالَم جمادات؛ الغرض تمام عالَم اس میں داخل ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سورۃ الحج

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ میں حج کے بنیادی ارکان واعمال بیان کیے گیے ہیں اس لیے اس کا نام سورۃ الحج رکھ دیا گیا ہے۔

قیامت کی ہولناکی:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ‌ ۚ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَىۡءٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱﴾﴾

قیامت کی ہولناکی کو بیان کیا گیا کہ وہ ایسا خوفناک منظر ہو گا کہ اس دن دودھ پلانے والی عورت اپنے بچے کو بھول بیٹھے گی اور حمل والی عورت اپنا حمل گرا دے گی۔ لوگوں کی حالت ایسی ہو گی گویا کہ وہ نشے میں ہیں حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے،

اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہو گا اس لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔

بعث بعد الموت:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ تُرَابٍ..... ﴿٥﴾﴾

گزشتہ آیات میں قیامت کا ذکر تھا اب بعث بعد الموت کا بیان ہو رہا ہے۔ اللہ رب العزت نے قیامت کا ذکر فرمایا اور دوبارہ اٹھائے جانے پر بطور دلیل انسان کی تخلیق کو بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیسے بنایا ہے کہ تمہاری غذا کا بنیادی عنصر مٹی ہے، مٹی سے پھر غذائیں نکلتی ہیں، انسان وہ غذائیں کھاتا ہے تو ان غذاؤں سے پھر نطفہ بنتا ہے، وہ باپ کی پیٹھ سے ہو کر ماں کے رحم میں جاتا ہے، اس کے بعد پھر خون بنتا ہے اور جم کر ایک لوتھڑے کی شکل اختیار کر جاتا ہے، پھر بوٹی بنتی ہے، پھر ان میں ہڈی آتی ہے۔ تو ان مراحل سے گزر کر بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ابتدائی تخلیق کی تو دوبارہ اسے بنانا کیا مشکل ہے؟

دنیوی فائدے کے لیے ایمان قبول کرنا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۖ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهِ..... ﴿١١﴾﴾

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے تو بعض لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تاکہ دنیاوی فوائد مل سکیں مگر جب ان کی مراد پوری نہ ہوئی تو انہوں نے دین اسلام سے پیٹھ پھیر کر کفر اختیار کر لیا۔ تو اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ ان لوگوں نے دنیا بھی کھوئی اور آخرت بھی کھوئی اور یہ سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔

حاسدین کا غیظ و غضب میں جلنا:

﴿مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ..... ﴿١٥﴾﴾

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اپنے نبی کی مدد نہیں کرے گا تو اسے چاہیے کہ وہ ایک رسی لے آسمان پر چڑھ جائے اور وہاں جا کر آنے والی وحی اور رابطے کو کاٹ ڈالے تا کہ نبوت کو ملنے والی اللہ کی مدد آنا ختم ہو جائے اور اگر یہ شخص ایسا نہیں کر سکتا تو پھر اپنے گلے میں رسی ڈال لے اور خودکشی کر کے مر جائے لیکن خدا کی مدد ختم نہیں ہو گی۔

کعبۃ اللہ کی تعمیر:

﴿وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْقَآئِمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿٢٦﴾﴾

بیت اللہ کی پہلی تعمیر جو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمائی تھی وہ منہدم ہو گئی تھی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وہ جگہ بتا دی جہاں احاطہ کعبہ تھا کہ اس کو دوبارہ تعمیر فرمائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مدد سے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی۔ پھر حکم ہوا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کرو کہ وہ تمہارے پاس پیدل آئیں اور دور کے راستوں سے ان سواریوں پر سوار ہو کر آئیں جو لمبے سفر کی وجہ سے دبلی پتلی ہو گئی ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقام ابراہیم پر پتھر پر کھڑے ہو کر آواز لگائی کہ خانہ کعبہ بن گیا ہے، حج کرنے کے لیے آؤ۔ حج کے طریقہ کار اور احکامات کی تفصیلات کے لیے میری کتاب **"حج و عمرہ"** ملاحظہ کیجیے!

ایامِ قربانی:

﴿وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ.....﴿۲۸﴾﴾

قربانی یعنی جانور ذبح کرنے کے دن مخصوص و متعین ہیں اور وہ 10، 11 اور 12 ذوالحجہ ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ یعنی معلوم دنوں سے مراد یوم نحر یعنی دس ذوالحجہ اور اس کے بعد دو دن ہیں یعنی گیارہ اور بارہ ذوالحجہ۔ یوں قربانی کے کل دن تین بنتے ہیں۔

قربانی کا مقصد:

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ-----﴿۳۷﴾﴾

اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ اللہ کے ہاں تمہارا تقویٰ اور اخلاص پہنچتا ہے۔ ہم جو قربانی کرتے ہیں اس سے مقصود جانور کو ذبح کرنا ہے۔ جانور کا گوشت مقصود نہیں ہے۔ قربانی کرنے والا سارا گوشت خود کھالے یا سارا تقسیم کر دے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہاں البتہ خود کھانے کی صورت میں تقسیم کرنے کا ثواب نہیں ملے گا۔

قربانی کا مقصد اور منشائے خداوندی خون بہانا ہے تو قربانی کے جانور کے پیسے غرباء میں تقسیم کرنے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس سے ان لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں جانور ذبح کرنے کے بجائے جانور کے پیسے غریبوں میں تقسیم کر دیے جائیں تاکہ ان کو زیادہ فائدہ ہو اور ان کی ضرورت بھی پوری ہو۔ یہ

خدائی نظام اور احکامِ شریعت میں سیدھی سیدھی مداخلت ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کی ایسی گمراہیوں سے حفاظت فرمائیں۔

پہلی مرتبہ جہاد کی اجازت:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ﴿۳۹﴾﴾

یہ سب سے پہلی آیت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آنے کے بعد جہاد اور قتال کے بارے میں نازل ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں مشرکینِ مکہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حد سے زیادہ ظلم کیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم تھا کہ اپنے ہاتھ روک کر رکھیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد سب سے پہلی باضابطہ جنگ جو کفر اور اسلام کے درمیان ہوئی وہ جنگ بدر ہے۔ مسلمانوں کی تعداد 313 تھی اور کفار کی تعداد ایک ہزار تھی۔ لیکن فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔

اسلامی ریاست کے اغراض و مقاصد:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾﴾

گزشتہ آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جہاد و قتال کی اجازت دی گئی تھی جس کے نتیجہ میں فتح ہو گی اور اللہ تعالیٰ انہیں اقتدار بخشیں گے۔ اب یہاں سے نظام حکومت میں کرنے کے بنیادی کام بتائے جا رہے ہیں۔ اور وہ چار ہیں:

- نماز کی پابندی کرنا۔
- نظام زکوٰۃ قائم کرنا۔
- نیکی کے کاموں کا حکم دینا۔

- گناہوں سے روکنا۔

تسلی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّ لَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِهٖ ۚ فَیَنۡسَخُ اللّٰهُ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ----(۵۲)﴾

اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ منکرین کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر جو شکوک وشبہات پیش کیے جاتے ہیں یہ صرف آپ کے ساتھ نہیں بلکہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ایسے ہی ہوتا رہاہے۔ وہ اس طرح کہ جب کسی نبی یا کسی رسول پر وحی آتی اور وہ لوگوں کے سامنے بیان کرتا تو دوسری طرف شیطان کفار کے دل میں اس وحی کے بارے میں شبہات پیدا کر دیتا جس کی وجہ سے وہ ایمان نہ لاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان شکوک وشبہات کو ختم فرمادیتے ہیں تو جو لوگ ضد پر نہیں ہوتے وہ ایمان لے آتے ہیں۔

معبودانِ باطلہ کی بے بسی کی مثال:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَنۡ یَّخۡلُقُوۡا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجۡتَمَعُوۡا لَهٗ.....(۷۳)﴾

یہاں معبودان باطلہ کی بے بسی اور ان کے باطل ہونے کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا جارہاہے کہ مشرکین جن جھوٹے اور پتھر کے بنائے ہوئے بتوں کی پوجاکرتے ہیں اگر یہ سارے معبود مل کر بھی ایک مکھی کو پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے۔ مکھی کو پیدا کرنا تو دور کی بات ہے اگر مکھی ان سے کوئی چیز اچک کرلے جائے تو سارے مل کر وہ چیز واپس بھی نہیں لے سکتے۔

دین میں حرج نہیں:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ----﴾

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام میں حرج نہیں رکھا، دین میں بہت آسانی ہے۔ لیکن آسانی کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ جہاں تھوڑی سی سختی آئے وہاں شریعت کا حکم ہی بدل دیا جائے۔ دین میں حرج نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا حکم بندے کو نہیں دیتے جس پر عمل کرنا بندے کے بس میں نہ ہو۔ مشقت پر ہی تو اجر ملتا ہے۔

امت محمدیہ کی فضیلت:

﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ.....﴾

جب قیامت کے دن سابقہ انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں پر گواہی دیں گے کہ ہم نے انہیں احکامات پہنچا دیے تھے تو وہ امتیں انکار کر دیں گی۔ اس وقت امت محمدیہ گواہی دے گی کہ ان انبیاء علیہم السلام نے احکام پہنچا دیے تھے۔ اس طرح امت محمدیہ کی فضیلت ظاہر ہو گی۔ اب اس فضیلت کا تقاضا یہ ہے کہ:

- ❖ ہم نماز قائم کریں۔
- ❖ زکوۃ ادا کریں۔
- ❖ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوطی سے پکڑیں اور اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ رکھیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ نمبر:18

سورۃ المؤمنون

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کے شروع میں مؤمنین کی صفات کو بیان کیا گیا ہے۔اس لیے اس سورۃ کا نام سورۃ "المؤمنون" رکھ دیا گیا ہے۔

مؤمنین کی خاص صفات:

﴿الَّذِیۡنَ هُمۡ فِیۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ ﴾

پہلی دس آیات میں اہل ایمان کی سات صفات بیان کی گئی ہیں کہ اگر کوئی ان اوصاف کو مکمل طور پر اپناتا ہے تو وہ صحیح معنوں میں مؤمن ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿قَدۡ اَفۡلَحَ ﴾ پکی بات ہے کہ ایسے لوگ کامیاب ہیں۔اور وہ صفات یہ ہیں:

[1]: ﴿الَّذِیۡنَ هُمۡ فِیۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ ﴾

کہ نماز عاجزی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

نماز میں خشوع و خضوع اختیار کرنا۔ خشوع کی ایک تفسیر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ خشوع والے وہ لوگ ہیں جو نماز میں عاجزی اور انکساری کرتے ہیں، دائیں بائیں نہیں دیکھتے اور نماز میں رفع الیدین نہیں کرتے۔ لہذا نماز میں رفع الیدین کرنا خشوع کے خلاف ہے۔

[2]: ﴿وَ الَّذِیۡنَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ﴾

کہ فضول کاموں اور فضول باتوں سے بچتے ہیں۔

[3]: ﴿وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوۡنَ ۙ﴾

کہ وہ لوگ زکوٰۃ پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

[4]: ﴿وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ ۙ﴾

کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

[5،6]: ﴿وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ۙ﴾

ایمان والے امانات کا خیال کرتے ہیں اور معاہدات کا خیال کرتے ہیں۔

[7]: ﴿وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَوٰتِهِمۡ يُحَافِظُوۡنَ ۘ﴾

اور نماز کی پابندی کرتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت:

﴿وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖ فَقَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴾

یہاں سے حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان کیا جارہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! اللہ کی عبات کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ لیکن قوم نے بجائے ماننے کے انکار اور استہزاء کیا۔ بحکمِ خداوندی حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنائی، ماننے والوں کو اپنے ساتھ سوار کر لیا باقی طوفان میں غرق ہو گئے۔

"ربوہ" کا ذکر اور معنیٰ:

﴿وَ جَعَلۡنَا ابۡنَ مَرۡيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّ اٰوَيۡنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبۡوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ

مَعِيۡنٍ ﴿۵۰﴾

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو اپنی قدرت کی نشانی بنایا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد کے پیدا ہوئے۔ ایک بادشاہ تھا جو ان کا دشمن تھا وہ انہیں قتل کرنا چاہتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک ایسی بلند جگہ (ربوہ) پر پناہ دی جو پر سکون، صاف ستھرے بہتے ہوئے پانی والی اور سرسبز و شاداب تھی اور یہ جگہ بیت المقدس کے قریب واقع ہے۔

ربوہ ٹیلے کو کہتے ہیں۔ اس سے قادیانیوں والا خود ساختہ "ربوہ" جو پاکستان میں ہے مراد نہیں۔ اب ہمارے اکابر خصوصاً مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ کی تیس سالہ جدوجہد سے ربوہ کا نام بدل کر "چناب نگر" رکھ دیا گیا ہے۔

مشرکین کی محرومی کی وجہ:

﴿قَدۡ كَانَتۡ اٰيٰتِىۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ فَكُنۡتُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ تَنۡكِصُوۡنَ ﴿۶۶﴾﴾

مشرکین کی عادت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنتے نہیں تھے بلکہ دوڑ جاتے تھے، آیات کا انکار کرتے تھے اور یہ کام غرور اور تکبر کی وجہ سے کرتے تھے۔ یہ لوگ رات کو محفلیں سجا سجا کر قرآن کریم کے بارے میں بے ہودہ باتیں کرتے تھے۔ ان مشرکین کی یہ گندی عادت تھی کہ رات کو بیٹھ کر قصے کہانیاں سناتے، اللہ کی آیات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں سے ان کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہی بے ہودہ حرکات کی وجہ سے ایمان جیسی عظیم نعمت سے بھی محروم رہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق جاننے کے باوجود بھی ایمان نہ لائے۔

انعامات خداوندی:

﴿وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴿۷۸﴾﴾

اللہ تعالیٰ مُنعِم ذات ہیں اپنے بندوں کو بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان میں سے تین (کان، آنکھیں اور دل) اہم نعمتیں ہیں۔ ان نعمتوں کا تقاضا یہ تھا کہ جب اللہ نے بغیر مانگے آنکھ دی ہے تو اس سے وہ کچھ دیکھتے جو اللہ چاہتے ہیں، کان دیے ہیں تو ان سے وہ سنتے جو اللہ چاہتے ہیں، اللہ نے دل دیا تو اس سے وہ سوچتے جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔ یہ انعامات تو اللہ تعالیٰ نے دیے ہیں اور استعمال تم اپنی مرضی کے مطابق کرتے ہو اور شکر بھی کم ادا کرتے ہو، یہ بات مناسب نہیں ہے۔ اللہ کریم ہم سب کو اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

کفار کے لیے عذاب کی وعید:

﴿قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ﴿۹۳﴾﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دلائل توحید و رسالت بیان فرمائے ہیں ان کا تقاضا تو یہ تھا کہ کفار و مشرکین حق کو مانتے اور قبول کرتے۔ لیکن انہوں نے نہ مانا تو یہاں ان کے لیے وعید سنائی جا رہی ہے کہ کفار عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اس سے مراد یا تو اخروی عذاب ہے یا دنیوی عذاب ہے۔ ان پر دنیوی عذاب ممکن ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آجائے اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کی جا رہی ہے کہ آپ دعا مانگیں کہ اے اللہ! اگر آپ نے ان لوگوں کو میرے سامنے ہی عذاب دینا ہے تو مجھے اس سے محفوظ رکھنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عذاب سے بالکل محفوظ ہیں لیکن پھر بھی آپ کو یہ دعا سکھائی گئی تاکہ آپ ہر حال میں اپنے رب کو یاد رکھیں اور امت کو تلقین بھی ہو جائے کہ وہ یہ دعا مانگا کریں۔

کافر کی تمنا:

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿٩٩﴾﴾

کافر کو جب موت کے آثار اور آخرت کی منزلیں نظر آنے لگیں گی تو اس وقت کہے گا اے رب! مجھے واپس لوٹا دیں، تاکہ میں ایمان لے آؤں اور وہ نیک اعمال کر سکوں جنہیں میں دنیا میں نہ کر سکا! جواب ملے گا ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ محض اس کی ایک بات ہے جس کو وہ اپنے منہ سے کہہ رہا ہے۔ یہ واپس جا کر بھی اچھے کام نہیں کرے گا۔

اور ان کے پیچھے ایک پردہ ہے جو قیامت تک کے لیے ہے۔ مرنے کے بعد سے لے کر اٹھنے تک کے زمانے کو برزخ یعنی پردہ کہتے ہیں۔ اگر ہم میت کی قبر پر جائیں اور میت کو دیکھ لیں تو یہ پردے کے خلاف ہے اور اگر میت ہم کو دیکھ لے تو یہ پردے کے خلاف نہیں ہے۔ برزخ کا معنی اور تفصیلی بحث میری کتاب "**دروس القرآن**" میں اسی مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔

جہنمیوں کی آہ و پکار:

﴿تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾﴾

قیامت کا دن ہو گا، کافر جہنم میں ہوں گے، ان کے چہرے جھلس رہے ہوں گے اور وہاں وہ اللہ تعالیٰ کو پکار رہے ہوں گے کہ اے اللہ! ہمیں یہاں سے نکال دیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی تھیں اور تمہیں ڈرایا جاتا تھا لیکن تم ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ یا اللہ! ہماری بد بختی ہم پر غالب آ گئی، ہم گمراہ ہو گئے، اللہ! ہمیں یہاں سے نکال دیں اب ہم نافرمانی نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ذلیل ہو کر یہیں جہنم میں پڑے رہو اب تم نے ہم سے بات نہیں

کرنی۔ پھر یہ اہل جہنم کسی سے بات نہ کر سکیں گے۔

انسان کی پیدائش بے مقصد نہیں:

﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾﴾

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا تمہارا خیال یہ تھا کہ ہم نے تمہیں یونہی فضول پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آؤ گے؟ اللہ رب العزت اونچی شان کا مالک ہے، حقیقی بادشاہ ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، اللہ عزت والے عرش کے مالک ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، ان کا حساب تو اللہ کے ذمہ ہے، قیامت کو کافر کامیاب نہیں ہوں گے۔ آخر میں فرمایا کہ اے میرے پیغمبر! آپ یہ دعا مانگا کریں: ﴿رَّبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ اے میرے رب میری کوتاہیوں کو معاف کر اور میرے حال پر رحم کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

فائدہ:

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا گزر ایک بندے پر ہوا جو کئی امراض میں مبتلا تھا۔ آپ نے سورۃ المؤمنون کی آخری آیات ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا﴾ سے آخر تک اس کے کان میں پڑھ دیں وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عبداللہ! آپ نے اس کے کان میں کیا پڑھا؟ انہوں نے عرض کیا حضور! میں نے سورۃ المومنون کی آخری آیتیں پڑھی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی مؤمن مکمل یقین کے ساتھ یہ

آیتیں پڑھے تو پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے۔

اس لیے سورۃ المؤمنون کی آخری چار آیات ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا﴾ سے لے کر ﴿وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ تک یاد کر لیں، زبانی یاد نہیں ہوتیں تو قرآن کھول کر پڑھ لیا کریں۔ اگر گھر میں کوئی بیمار ہے تو یہ چار آیتیں اس کے کان میں دم کر دیا کریں، سر درد ہے یا کوئی اور تکلیف ہے تو بھی ان کو پڑھ لیا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کامل یقین نصیب فرمائیں۔

سورۃ النور

﴿سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۱﴾

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی آیت نمبر 35 میں موجود ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام سورۃ النور رکھا گیا ہے۔

اس سورۃ میں مختلف دینی، اخلاقی اور معاشرتی احکامات بیان کیے گئے ہیں۔ معاشرے میں بے حیائی، فحاشی اور برائی کو روکنے اور عفت و عصمت کو عام کرنے کی ہدایات دی گئی ہیں۔ نیز ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت، گھروں میں جانے کے آداب اور پردہ کے متعلق احکامات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

حد زنا:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ..... ۝۲﴾

اگر غیر شادی شدہ مرد اور غیر شادی شدہ عورت نے زنا کیا ہو تو انہیں بطور حد سو سو کوڑے مارے جائیں گے۔ جبکہ شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت کی سزا حدیث پاک میں سنگساری بیان کی گئی ہے۔ فعلِ زنا ثابت ہونے کے تین طریقے ہیں: 1: چار مرد گواہ ہوں۔ 2: زانی یا زانیہ خود اعتراف کرے کہ مجھ سے فعلِ زنا سرزد ہو گیا ہے۔ 3: کنواری عورت کا حمل ظاہر ہو جائے تو اس سے دریافت کیا جائے گا کہ یہ حمل کس کا ہے؟ وہ جس کا نام لے تو اس سے تحقیق کی جائے گی اگر وہ بھی اس فعلِ بد کا اقرار کر لے تو مرد و عورت دونوں شرعی سزا کے مستحق ہوں گے ورنہ صرف عورت کو سزا ملے گی۔ مزید تفصیلات کتبِ فقہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حد قذف:

﴿وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًاۚ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾﴾

کسی پر زنا کا الزام لگانے والے کے ذمے ہے کہ وہ چار گواہ پیش کرے۔ اگر چار گواہ پیش نہیں کر سکتا تو اس تہمت لگانے والے پر حدِ قذف (80 کوڑے) لگائی جائے گی اور وہ مردود الشہادۃ ہو جائے گا، آئندہ کسی کیس میں اس کی شہادت قبول نہیں ہو گی۔ اگر توبہ کر لیتا ہے تو اس کو آخرت میں سزا نہیں ملے گی لیکن دنیا کی سزا باقی رہے گی یعنی اس کو کوڑے بھی لگیں گے اور آئندہ گواہی بھی قبول نہیں ہو گی۔

لعان کا مسئلہ:

﴿وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّاۤ اَنْفُسُهُمْ

فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمۡ اَرۡبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۶﴾

اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور چار گواہ بھی پیش کرے تو اس کی بیوی پر حد زنا لگ جائے گی۔ اگر گواہ نہ ہوں تو لعان ہو گا۔ میاں بیوی دونوں قاضی کے سامنے پانچ پانچ قسمیں کھائیں:

لعان کا طریقہ یہ ہے کہ یہ مرد چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ میں اس بات میں سچا ہوں کہ میں نے اسی طرح اس کو دیکھا ہے۔ پانچویں مرتبہ قسم یوں اٹھائے کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔ اب بیوی سے کہا جائے گا کہ وہ بھی چار مرتبہ قسمیں کھائے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے اور پانچویں مرتبہ یوں قسم کھائے کہ اگر یہ سچا ہے تو پھر مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو۔ لعان کے بعد یہ دونوں ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے لیکن طلاق تب ہو گی جب شوہر اس کو طلاق دے گا۔ اگر شوہر طلاق نہیں دیتا تو پھر قاضی دونوں کے درمیان نکاح فسخ کر دے۔

واقعہ افک؛ام المؤمنین کی براءت:

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡكِ عُصۡبَةٌ مِّنۡكُمۡ ؕ ..... ﴿۱۱﴾﴾

یہاں واقعہ افک کا ذکر ہے۔ سن 6 ہجری میں غزوہ بنی المصطلق سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالا۔ اس سفر میں صدیقہ کائنات، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ جب قافلہ کی روانگی ہونے لگی تو آپ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ قافلہ روانہ ہو گیا، آپ وہیں رہ گئیں۔ بعد میں حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے اونٹ پر سوار کر قافلہ کے ساتھ مل گئیں۔ لیکن عبد اللہ بن ابی؛ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ازلی دشمن تھا؛ نے افتراء باندھا، ام المؤمنین

پر تہمت لگائی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نبی کی لاڈلی بیوی کی براءت کا اعلان فرما کر آپ کی عفت و پاکدامنی کی گواہی دی اور اسے ﴿هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾ کہا۔

اہلِ علم و فضل کو خدائی پیغام:

﴿وَ لَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لْيَعْفُوْا وَ لْيَصْفَحُوْا..... (۲۲)﴾

واقعہ افک میں منافقین کے پروپیگنڈے میں کچھ سادہ لوح مسلمان بھی شریک ہو گئے۔ ان میں حضرت مِسطح رضی اللہ عنہ بھی تھے جنہوں نے بعد میں سچی توبہ کرلی تھی۔ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے رشتے دار تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کی مالی امداد فرمایا کرتے تھے۔ جب واقعہ افک پیش آیا تو آپ نے صدمے کی وجہ سے قسم کھائی کہ میں ان کی مدد نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مدد جاری رکھنے کا کہا اور فرمایا کہ جو لوگ اہلِ علم و فضل اور اہلِ خیر ہیں وہ ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتے داروں کو کچھ نہیں دیں گے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قسم کا کفارہ ادا کر دیا اور سابقہ معمول کے مطابق ان کی مدد جاری فرمادی۔

مکانات میں داخلے کا حکم:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (۲۷)﴾

چار قسم کے مکانات ہیں:

نمبر ایک وہ مکان جس میں آدمی خود اکیلا رہتا ہے۔ نمبر دو وہ مکان جس میں

اور لوگ بھی رہتے ہوں، رشتے دار ہوں یا اجنبی ہوں۔ نمبر تین وہ مکان جس میں کسی کا رہائش پذیر ہونا معلوم نہ ہو کہ کوئی اس میں رہتا بھی ہے یا نہیں! نمبر چار وہ مکانات جو رہائش کے لیے نہیں ہیں جیسے مسجد، خانقاہ اور مدرسہ وغیرہ۔

نمبر ایک اس میں اجازت کی ضرورت نہیں۔ نمبر دو اس میں اجازت کے بغیر نہیں جاسکتے۔ نمبر تین اس میں بھی اجازت کے بغیر نہیں جاسکتے۔ نمبر چار میں اجازت کی ضرورت نہیں۔

آنکھ اور عصمت کی حفاظت کا حکم:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ......﴿۳۰﴾﴾

یہاں آنکھوں کو جھکانے اور شرمگاہ کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک ہے مرد کا نا محرم عورت کو دیکھنا اور ایک ہے عورت کا نا محرم مرد کو دیکھنا۔ اگر عورت کے لیے نا محرم مرد کو دیکھنے کی اجازت ہوتی تو اللہ تعالیٰ عورت کو آنکھ نیچے رکھنے کا کبھی نہ فرماتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرد کے ذمہ ایک کام ہے عورت کو نہ دیکھنا اور عورت کے ذمہ دو کام ہیں: نمبر ایک مرد کو نہ دیکھنا۔ نمبر دو اپنے چہرے کو چھپا کر رکھنا۔ اسی وجہ سے مرد پر پردہ نہیں اور عورت پر پردہ لازم ہے۔

پھر پردے کا حکم دیا کہ خاتون کا پورا جسم حتی کہ اس کا چہرہ اور ہتھیلیاں بھی پردہ میں شامل ہیں۔ البتہ ضرورت شدیدہ اور مجبوری کے وقت ہتھیلیاں یا چہرہ کھلا رکھنے کی گنجائش ہے، اس حالت میں مردوں کے لیے حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کا نور ہے:

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ...... (۳۵)﴾

اس آیت میں اللہ نے اپنے نور؛ نورِ ہدایت کی مثال دی ہے۔ جب ہم کہتے ہیں: اللہ نور ہے تو اس سے مراد ہوتا ہے "مُنَوِّرٌ" یعنی روشن کرنے والا۔ "نور" کا حقیقی معنی ہے: "اَلظَّاهِرُ بِنَفْسِهٖ وَالْمُظْهِرُ لِغَيْرِهٖ" خود ظاہر ہو اور دوسرے کو ظاہر کرے۔ نور کا یہ حقیقی معنی اللہ پر صادق نہیں آتا کیونکہ اللہ ظاہر نہیں ہیں تو یہاں نور کا مجازی معنی ہے۔ نور سے مراد ہے کہ اللہ رب العزت آسمانوں زمین کو روشن کرتے ہیں۔ اس میں تمام مخلوقات آتی ہیں۔

اللہ رب العزت کیسے روشن کرتے ہیں؟ تو اس کی مثال دی ہے کہ جیسے ایک طاقچہ ہو، اس طاقچے میں چراغ ہو اور چراغ ایک قندیل میں ہو اور چراغ کو جس تیل سے جلایا جارہا ہو وہ زیتون کا تیل ہو۔ زیتون بھی ایسا کہ جس پر پورا دن سورج کی روشنی پڑتی رہتی ہے خواہ سورج مشرق میں ہو یا مغرب میں، اسی وجہ سے اس کا تیل نہایت صاف اور عمدہ ہوتا ہے۔ مراد اس سے مؤمن کا دل ہے کہ مؤمن کے دل میں طبعی طور پر ایمان کے قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے، پھر جب ان کے سامنے آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو انہیں بہت جلد عمل کی توفیق مل جاتی ہے۔

کافروں کے اعمال کی مثال:

﴿وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً.....

﴾

اس آیت میں ان کفار کے اعمال کی مثال دی گئی ہے جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں لیکن توحید ورسالت کو نہیں مانتے۔ ان کفار کے اعمال کی مثال ایسے ہے جیسے آدمی ریگستان میں سفر کر رہا ہو تو اسے دور سے ریت کی چمک ایسے معلوم ہوتی ہے جیسے پانی؛ لیکن حقیقت میں وہ پانی نہیں ہوتا تو "سراب" سے اس نے دھوکہ کھایا۔ اسی طرح کفار کے وہ نیک اعمال جن کے بارے میں وہ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں آخرت میں فائدہ دیں گے، ایمان نہ ہونے کی وجہ سے وہ نیک اعمال سراب کی طرح دھوکہ ہیں۔

دوسری قسم کے کفار کے اعمال کی مثال:

﴿اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ..... ﴿۴۰﴾﴾

یہاں ان کفار کی مثال ہے جو آخرت پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ ان کفار کی مثال ایسے ہے جیسے بہت گہرا سمندر ہو اوراس میں اندھیرے ہوں، اس کے اوپر پھر ایک موج ہے پانی کی، پھر اس کے اوپر ایک اور موج ہے، پھر اس کے اوپر بادل ہیں۔ اب اتنا اندھیرا ہو تو آدمی کو اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آتا۔

کامیابی کی بنیاد چار باتوں پر ہے:

﴿وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَخْشَ اللّٰهَ وَ یَتَّقْهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ ﴿۵۲﴾﴾

اگر کوئی شخص چار باتوں کا اہتمام کرے تو کامیاب ہو جائے گا اور وہ چار باتیں یہ ہیں:

- ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ﴾ اللہ رب العزت کی اطاعت کرے۔
- ﴿وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے۔
- ﴿وَيَخْشَ اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔
- ﴿وَيَتَّقْهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے۔

خلافتِ راشدہ موعودہ:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ..... ﴿٥٥﴾﴾

اس آیت کو "آیتِ استخلاف" کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خلافت کا وعدہ کیا ہے وہ اھل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کے مطابق حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ انہی کو خلافت راشدہ حق چار یار بھی کہتے ہیں اور چار خلفائے راشدین بھی کہتے ہیں۔ تو اس آیت میں انہی چار حضرات کی خلافت کا ثبوت ہے۔

تین اوقات میں اجازت لیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ..... ﴿٥٨﴾﴾

گزشتہ آیات میں بڑوں کے متعلق حکم تھا کہ کسی کے گھر بغیر اجازت داخل نہ ہوں۔ اب یہاں غلام، لونڈی اور چھوٹے بچوں کے متعلق حکم ہے کہ تین اوقات میں ان کو بھی گھروں اور کمروں میں بغیر اجازت کے داخل نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ

ان اوقات میں انسان بے تکلفی میں صرف ضروری کپڑوں میں ہوتا ہے اور تنہائی چاہتا ہے تو ان کے داخل ہونے سے بے پردگی بھی ہوتی ہے اور ناپسندیدگی بھی۔ اس لیے انہیں حکم دیا کہ تین اوقات نماز فجر سے پہلے، دوپہر کے وقت اور نماز عشاء کے بعد بغیر اجازت گھروں یا کمروں میں داخل نہ ہوں۔

معذورین کو کھانے میں شریک کرنا:

﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ..... (٦١)﴾

معذور حضرات یعنی نابینا، پاؤں سے معذور وغیرہ تندرستوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے سے شرماتے تھے کہ کہیں ہمیں کھانے کی تہذیب نہ ہو یا معذور سوچتا کہ جگہ نہ زیادہ گھیر لوں۔ اسی طرح تندرست حضرات کو بھی الجھن ہوتی تھی کہ کہیں یہ معذوری کی وجہ سے مشترک کھانے میں ہم سے کم کھائیں اور اپنا پورا حصہ نہ لے سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو ساتھ بٹھا کر کھلانے میں کوئی حرج نہیں۔ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں میں باریک بینی کی ضرورت نہیں۔

مخلص مسلمانوں کی مدح اور منافقین کی مذمت:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ..... (٦٢)﴾

یہ آیت غزوہ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی تھی جس میں مخلص مسلمانوں کی مدح اور منافقین کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ جب کفار کے تمام قبائل مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے متحد ہو کر آنے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفاعی پوزیشن

اختیار کرنے کے لیے خندق کھودنے کا حکم دیا تو مخلص مسلمان صدق دل سے کام میں لگے رہتے۔ جب جانا ہوتا تو اجازت لے کر جاتے۔ جبکہ منافقین اول تو سستی کرتے جب آجاتے تو بہانے بنا کر یا مخفی طور پر نکل جاتے۔

عام مجالس میں بھی اسی طرح ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت بیان فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ مخلصین مسلمان جب آپ سے اجازت مانگیں تو ان کو دے دیا کریں اور ان کے لیے دعائے مغفرت بھی کیا کریں۔

آج بھی یہی حکم ہے کہ کسی اجتماعی مشورے کے لیے جب سب جمع ہوں تو بلا اجازت چلے جانا درست نہیں۔ اجازت لے کر جانا چاہیے۔

سورۃ الفرقان

وجہ تسمیہ:

"فرقان" کے معنی ہیں حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا۔ اس سورۃ میں قرآن کریم کو فرقان فرمایا گیا ہے اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام بھی فرقان رکھا گیا ہے۔

اس سورۃ میں بنیادی عقائد کے علاوہ مشرکین کے اعتراضات کے جواب دیے گئے ہیں، مومنین کے لیے انعامات کا ذکر ہے اور سورۃ کے آخر میں عباد الرحمن کے اوصاف کو بیان کیا گیا ہے۔

پہلا اعتراض اور جواب:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ

فَقَدۡ جَآءُوۡ ظُلۡمًا وَّ زُوۡرًا ﴿۴﴾

مشرکین کہتے تھے کہ قرآن کریم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود گھڑا ہے۔ ان کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نظریہ تھا کہ دیگر کچھ لوگ بھی اس کی مدد کرتے ہیں۔ یعنی یہودیوں سے کچھ باتیں سیکھ لی ہیں وہی ہمیں بتادیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ وحی الٰہی یعنی قرآن کریم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ظلم اور کھلے جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔ اگلی آیت میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے پیغمبر! آپ فرمادیجیے کہ قرآن میری طرف سے (افتراء) نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

دوسرا اعتراض اور جواب:

﴿وَ قَالُوۡا مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ يَاۡكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمۡشِىۡ فِى الۡاَسۡوَاقِ‌ ؕ لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مَلَكٌ فَيَكُوۡنَ مَعَهٗ نَذِيۡرًا ۙ﴿۷﴾﴾

ان کا ایک اعتراض یہ تھا کہ یہ کیسا نبی ہے جو کھاتا پیتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، فرشتہ بھی نہیں اور اس کے پاس خزانہ بھی نہیں۔ اگر نبی ہوتا تو اس کے ساتھ ملائکہ ہوتے، پیغمبر ہوتا تو نہ کھاتا نہ پیتا۔

جواب دیا کہ مشرکین کیسی نکمی مثالیں پیش کرتے ہیں کہ نبی ہوتا تو اس کے ساتھ فرشتہ ہوتا۔ لیکن اگر پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ فرشتہ ہوتا تو پھر یہی لوگ کہتے کہ اس کے فرشتہ ہونے پر کیا دلیل ہے؟ اگر نبی ہوتا اور نہ کھاتا تو یہ کہتے کہ ہم کھاتے ہیں تو ہمارا نبی تو وہ ہونا چاہیے جو کھانے والا ہو!

﴿وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمۡ لَيَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَ

يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ..... ﴿۲۰﴾

گزشتہ آیات میں مشرکین کا اعتراض تھا کہ یہ کیسا نبی ہے جو کھاتا بھی ہے، پیتا بھی ہے، بازاروں میں چلتا بھی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ نبی انسان نہیں ہونا چاہیے بلکہ فرشتے کو نبی ہونا چاہیے۔ یہاں جواب دیا کہ جن انبیاء علیہم السلام کو تم بھی نبی ورسول مانتے ہو وہ بھی تو انسان ہی تھے انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے، بازاروں میں چلتے تھے۔ لہذا اس سے تم سمجھ لیتے کہ کھانا پینا، بازار میں پھرنا وغیرہ منصب نبوت ورسالت کے منافی نہیں ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ نمبر:19

متکبرین کی تمنا:

﴿وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾﴾

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے وہ اپنے تکبر کی وجہ سے اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھتے ہیں کہ نبی پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں یا تو فرشتہ آسمان سے نازل ہو وہ آکر ہمیں سمجھائے یا اللہ تعالیٰ بذات خود ہماری رہنمائی فرمائے۔ ابھی تو انہیں فرشتے دیکھنے کی چاہت ہے اگلی آیت میں ہے کہ جس دن ان کو فرشتے نظر آگئے اس دن ان مجرموں کے لیے کوئی خوشی کا موقع نہیں ہوگا۔ یعنی فرشتے انہیں اس وقت دکھائے جائیں گے جب وہ انہیں جہنم میں ڈالنے کے لیے آئیں گے۔ اس وقت یہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیں گے۔

مشرک کی حسرت و ندامت:

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾﴾

کل قیامت کے دن عذاب کو دیکھ کر کافر اپنی انگلیوں کو کاٹتے ہوئے انتہائی حسرت اور ندامت سے کہے گا اے کاش! میں فلاں (ابی بن خلف) کو اپنا دوست نہ بناتا بلکہ رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کا راستہ اپنا لیتا۔

واقعہ یہ ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت

دینے پر اسلام قبول کر لیا۔ اس کے دوست ابی بن خلف کو پتہ چلا تو اس نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کو چھوڑ دے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر یہ دونوں غزوہ بدر میں مارے گئے۔ عقبہ جب آخرت کا عذاب دیکھے گا تو اس وقت اسے یہ حسرت ہو گی کہ کاش میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والے راستے کو اپنا لیتا۔ اپنے دوست کی بات ماننے پر ندامت ہو گی۔

شکوہِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾﴾

قیامت کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی شکایت کریں گے کہ اے میرے پروردگار! میری قوم نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا تھا۔ یہاں قوم سے مراد تو کافر قوم ہے لیکن مسلمانوں کو بھی اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ قرآن کریم کو پڑھیں، سمجھیں، عمل کریں اور آگے پہنچائیں۔ ہماری کوتاہی کی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ کل قیامت دن اللہ تعالیٰ کے سامنے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری بھی شکایت کریں۔

قدرتِ باری تعالیٰ:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا..... ﴿٤٥﴾﴾

اللہ رب العزت نے اپنی قدرت بتائی ہے کہ اللہ تعالیٰ سائے کو کیسے پھیلا دیتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو سائے کو ایک ہی جگہ ٹھہرا کر رکھتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سورج کو اس پر دلیل بنا دیا ہے۔ جب سورج نکلتا ہے تو سایہ مغرب کی طرف ہوتا ہے۔ جب سورج زوال کے وقت اوپر آتا ہے تو سایہ سمٹ جاتا ہے۔ جب سورج مغرب کی طرف

جاتا ہے تو سایہ مشرق کی طرف جاتا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں پھر ہم آہستہ آہستہ اس سائے کو اپنی طرف سمیٹتے رہتے ہیں۔ جب شام ہوتی ہے تو سایہ ختم ہو جاتا ہے۔

دینی امور پر اجرت لینا:

﴿ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ ﴾

اے پیغمبر! آپ فرما دیجیے کہ میں تمہیں دین کی بات بتاتا ہوں لیکن اس پر میں تم سے اجر نہیں مانگتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اجرت علی تعلیم الدین جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی دین کا کام ہی اجرت لینے کے لیے کرتا ہے تو یہ جائز نہیں۔ اگر اجرت لینے کے لیے دین کا کام نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتا ہے اور ضرورت کے تحت اجرت بھی ملتی ہے تو یہ جائز ہے۔ باقی اس آیت میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میں تم سے اجر نہیں مانگتا یہ کفار کو خطاب ہے۔ مؤمنین کو نہیں، ایمان والے اور خصوصاً ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا مال خرچ فرماتے تھے۔

عباد الرحمٰن کی صفات:

﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا..... ﴿۶۳﴾ ﴾

یہاں سے کچھ آیات تک عباد الرحمٰن کے بارہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں کہ عباد الرحمٰن کون ہوتے ہیں اور امت مسلمہ کو اس سے سبق ملتا ہے کہ عباد الرحمٰن بنیں اور ان اوصاف اپنانے کی کوشش کریں۔ ان کے اوصاف یہ ہیں:

زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں۔ جب جاہل ان سے بات کریں تو وہ ان کو سلام

کہہ دیتے ہیں۔ رات سجدے اور قیام کی حالت میں گزارتے ہیں یعنی تہجد کا اہتمام کرتے ہیں۔ جہنم کے عذاب سے بچنے کی دعا مانگتے ہیں۔ میانہ روی کرتے ہیں، نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی بخل سے کام لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ ناحق کسی کو قتل نہیں کرتے۔ زنا نہیں کرتے۔ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ گناہ کی جگہ سے گزر جاتے ہیں، وہاں کھڑے نہیں ہوتے۔ قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے اہل وعیال کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ بنا اور ہمیں متقین کا امام بنا۔ ان اوصاف کی مزید تفصیل میری کتاب **اللہ کے بندے** میں ملاحظہ فرمائیں۔

عباد الرحمن کے اوصاف اپنانے کا نتیجہ:

﴿أُولَٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿٧٥﴾﴾

عباد الرحمن کے اوصاف کے بعد ان کے لیے نتیجہ بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت کے بالاخانے دیں گے، وہاں ان کا استقبال دعاؤں اور سلام کے ساتھ کیا جائے گا۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ رہنے کی بہترین جگہ ہے۔

سورۃ الشعراء

وجہ تسمیہ:

اس سورت کے آخر میں شعراء کا ذکر ہے اس لیے سورت کا نام بھی "الشعراء" رکھ دیا گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کڑھن:

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝٣﴾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی بے حد فکر تھی کہ لوگ کلمہ پڑھیں، دین پر آئیں اور جنت میں جائیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کڑھتے بھی بہت تھے، محنت بھی فرماتے تھے، لوگوں کی باتیں برداشت بھی فرماتے تھے تو اللہ رب العزت نے یہ بات سمجھائی کہ اگر یہ لوگ آپ کی بات نہ مانیں تو کیا آپ کڑھ کڑھ کر اپنے آپ کو ختم کرلیں گے؟

فائدہ:

سابقہ امتوں نے اپنے اپنے نبی سے منہ مانگے اور فرمائشی معجزات طلب کیے تھے ان کی فرمائش پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ معجزات انہیں دکھائے گئے لیکن انہوں نے پھر بھی نہ مانا اور اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ جب کوئی قوم منہ مانگی فرمائش پوری ہونے کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو اسے نشان عبرت بنادیتے ہیں۔

یہاں تذکیر بایام اللہ کے ضمن میں سابقہ امتوں؛ قوم موسیٰ، قوم نوح، قوم ھود، قوم صالح، قوم لوط اور قوم شعیب [علیہم السلام] کے واقعات بیان کرکے مشرکین مکہ کو سمجھایا جارہاہے کہ تمہارے پاس جو دلائل آچکے ہیں ان میں غوروفکر کرکے ایمان لے آؤ۔ مزید فرمائشی معجزات کا مطالبہ نہ کروتا کہ تم سابقہ امتوں کی طرح ہلاکت سے بچ جاؤ۔

موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ کا حکم:

﴿وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٠﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کی قوم کے پاس جاکر انہیں دعوت دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے اللہ! میں ڈر محسوس کرتا ہوں کہ وہ کہیں مجھے جھٹلا نہ دیں۔ اور مجھ سے ایک ایسا کام (قبطی کا قتل) ہوا تھا کہ جس کو یہ لوگ گناہ سمجھتے ہیں لہذا آپ میرے ساتھ میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت دے دیں تاکہ کوئی میری تائید کرنے والا ہو، اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوت عطا کر کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھیج دیا۔ آگے کئی آیات تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ:

﴿وَ اتۡلُ عَلَیۡہِمۡ نَبَاَ اِبۡرٰہِیۡمَ ﴿۶۹﴾ اِذۡ قَالَ لِاَبِیۡہِ وَ قَوۡمِہٖ مَا تَعۡبُدُوۡنَ

جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دی اور یہ کہا کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا یہ بت تمہاری باتیں سن سکتے ہیں؟ کیا یہ تمہیں نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ جب ان سے کوئی اور جواب نہ بن پڑا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے تھے تو ہم بھی یہی کریں گے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یہ سب ہمارے دشمن ہیں سوائے اللہ کی ذات کے۔ دشمن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی وجہ سے بندے جہنم میں جائیں گے۔

قلبِ اطہر پر وحی کا نزول:

﴿وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ ﴿۱۹۳﴾﴾

نزول وحی کے مقام کو بیان کیا جارہا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر وحی لاتے تھے۔ نبی اور امتی میں فرق ہے؛ جب امتی سوجائے تو اس کا دل اور آنکھ دونوں سوجاتے ہیں اور جب پیغمبر سوجائے تو نبی کی آنکھ سوتی ہے دل جاگتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ وحی دل مبارک پر آتی ہے اس لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوں اور جبرائیل علیہ السلام آئیں تب بھی وحی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سوجائیں اور خواب دیکھیں تب بھی وحی ہے۔

مشرکین مکہ کی تردید:

﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الۡغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمۡ تَرَ اَنَّهُمۡ فِيۡ كُلِّ وَادٍ يَّهِيۡمُوۡنَ ﴿۲۲۵﴾﴾

مشرکین کہتے تھے کہ (معاذاللہ) محمد(صلی اللہ علیہ وسلم) شاعر ہیں اور قرآن کریم شاعری کی کتاب ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے شعراء کی مذمت بیان فرمائی ہے کہ شعراء کے پیچھے گمراہ لوگ چلتے ہیں اور اکثر شاعر ہر قسم کی خیالی وادی میں بھٹکتے رہتے ہیں اور ایسی بات کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔ یعنی شاعری ایک تخیلاتی چیز ہے جس کا بسا اوقات حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ البتہ اہل ایمان اور عمل صالح والے وہ شعراء جو اشعار میں خلاف شرع بات نہ کریں بلکہ دین ومذہب کی بات کریں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسے شاعرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

سورۃ النمل

وجہ تسمیہ:

سورۃ النمل کی آیت نمبر 18 میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں چیونٹی کا ذکر ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "النمل" رکھا گیا ہے۔

اس سورۃ میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد توحید ورسالت اور قیامت کو بیان بیان کیا گیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت اور دولت کا ذکر ہے۔ ملکہ بلقیس کا قصہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔ تذکیر بایام اللہ کے ضمن میں مختصراً سابقہ امتوں کے واقعات کو بھی بیان کیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا قصہ:

﴿اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۷﴾

موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپس تشریف لارہے تھے آپ کے گھر والے بھی ساتھ تھے۔ سردی تھی اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ قریب میں آگ نہیں تھی۔ دور کوہ طور پر انہیں آگ جلتی ہوئی محسوس ہوئی جو حقیقت میں نور تھا۔ وہاں گئے تا کہ آگ لے آؤں یا راستہ معلوم کروں۔ وہاں پہنچ کر آپ نے یہ آواز سنی کہ اے موسیٰ! میں اللہ ہوں، غالب ہوں اور حکمت والا ہوں۔ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت بھی عطا فرمائی۔ معجزات اور نشانیاں بھی عطا فرمائیں اور فرعون اور اس کی قوم کی طرف جانے کا حکم

دیا۔

نبی کی وراثت:

﴿وَوَرِثَ سُلَیۡمٰنُ دَاوٗدَ۔۔۔۔﴾ (۱۶)

یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کو والد محترم حضرت داود علیہ السلام کی طرف سے وراثت ملنے کا بیان ہے۔ اس وراثت سے مراد وراثت مالی نہیں بلکہ وراثت علمی ہے۔ یعنی نبوت اور سلطنت میں وہ اپنے والد محترم کے وارث اور جانشین بنے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کا ایک بیٹا تو نہیں تھا بلکہ انیس بیٹے تھے لیکن وارث صرف ایک بیٹا حضرت سلیمان بنا۔ تو اگر یہ وراثت مالی ہوتی تو ایک بیٹے کو نہیں بلکہ تمام بیٹوں کو مساوات کے ساتھ ملتی کیونکہ مساوات کے بغیر تقسیم پیغمبر کی شان کے لائق نہیں ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ "ہم نبیوں کا گروہ ہیں، ہمارے مال میں کوئی وارث نہیں ہوتا، جو مال نبی چھوڑ کر جائے وہ امت کے لیے صدقہ بن جاتا ہے"۔

پرندوں کی بولیوں کا علم:

﴿قَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمۡنَا مَنۡطِقَ الطَّیۡرِ وَ اُوۡتِیۡنَا مِنۡ كُلِّ شَیۡءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡفَضۡلُ الۡمُبِیۡنُ﴾ (۱۶)

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلطنت میں جہاں دیگر کئی چیزیں عطا فرمائی تھیں وہاں پرندوں اور جانوروں کی بولیوں کا علم بھی دیا تھا۔ پرندوں کا یہاں ذکر ہے۔

سلطنت سلیمانی:

﴿وَ حُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ۝۱۷﴾

یہاں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بادشاہت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی وہ صرف انسانوں پر نہیں تھی بلکہ جنات، جانوروں اور پرندوں پر بھی تھی۔ اسی وجہ سے جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر جاتا تو اس میں تعداد کثیر ہو جاتی۔ نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لیے کافی انتظام واہتمام کرنا پڑتا تھا۔

چیونٹی کا واقعہ:

﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝۱۸﴾

حضرت سلیمان علیہ السلام اور آپ کے لشکر کا چیونٹیوں کی وادی سے گزرنے کا واقعہ ہے جس میں ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں کو بلوں میں جانے کا حکم دیا کہ کہیں سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ ڈالیں۔

پرندوں کی حاضری:

﴿وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَاۤ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآىِٕبِيْنَ۝۲۰﴾

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ پرندوں کی حاضری لی تو ہدہد پرندہ غائب تھا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ہدہد نے میرے سامنے کوئی واضح عذر پیش نہ کیا تو میں اسے سخت سزا دوں گا یا ذبح کر دوں گا۔

﴿فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ۲۲﴾

کچھ دیر بعد ہدہد حاضر ہو گیا اور اس نے ملک سباء کے متعلق بتایا کہ وہاں ایک عورت ہے جو لوگوں پر حکمرانی کر رہی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کی پوجا پاٹ کر رہے ہیں اور اس عورت کا ایک شاندار تخت بھی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط:

﴿اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَا ذَا يَرْجِعُوْنَ ۲۸﴾

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے کہا ابھی پتہ چل جاتا ہے کہ تم سچ کہہ رہے یا جھوٹ۔ سلیمان علیہ السلام نے اسے خط لکھ دیا کہ یہ خط پہنچا کر دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ خط کا مضمون یہ تھا:

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور میرے پاس تابع دار بن کر چلے آؤ۔

ملکہ بلقیس کا واقعہ:

﴿قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ۲۹﴾

ملکہ بلقیس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ میرے سامنے ایک باوقار خط ڈالا گیا ہے۔ یہ خط سلیمان (علیہ السلام) کی طرف سے آیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کیا گیا ہے؛ مجھے فیصلہ کن مشورہ دو۔ انہوں نے کہا کہ ہم طاقت ور ہیں اور ڈٹ کر

لڑنے والے لوگ ہیں باقی آپ دیکھ لیں، آپ کیا حکم دیتی ہیں۔

پھر آگے ذکر ہے کہ ملکہ بلقیس نے تحائف اور ہدایا بھیج کر جانچنا چاہا لیکن سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم میری مدد مال کے ذریعہ کرنا چاہتے ہو؟ واپس چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں دیا ہے اس سے کہیں زیادہ بہتر مجھے دیا ہے۔ ہم ایسا لشکر لے کر آئیں گے جس کے مقابلے کی وہ طاقت نہیں رکھتے۔ پھر سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کے آنے سے پہلے اپنے وزیر آصف بن برخیا سے یا بذات خود اس کا تخت منگوالیا اور اس میں کچھ تبدیلی بھی کروادی۔ ملکہ بلقیس مطیع و فرمانبردار ہو کر آگئیں اور کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار حقیقت یہ ہے کہ میں نے اب تک اپنی جان پر ظلم کیا تھا اور اب میں نے سلیمان (علیہ السلام) کے ساتھ رب تعالیٰ کی فرمانبرداری قبول کرلی ہے۔

توحید پر انتہائی بلیغ خطبہ:

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِكُوْنَ ؕ﴿۵۹﴾﴾

گزشتہ آیات میں سابقہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات و قصص کو بیان کیا گیا ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترکہ اور متفقہ موقف اور مشن اللہ تعالیٰ کی توحید کو بیان کرنا تھا۔ اب پارے کے آخر میں خطبہ کے آداب (اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور منتخب بندوں پر سلام) بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کی گئی ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہیں یا وہ جن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ انہوں نے شریک بنا رکھا ہے؟

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پارہ نمبر:20

قدرتِ باری تعالیٰ کے دلائل سے مشرکین کی تردید:

﴿اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ..... ﴿٦٠﴾﴾

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کے دلائل بیان کرکے مشرکین کی تردید فرما رہے ہیں کیونکہ مشرکین کہتے اور مانتے تھے کہ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے مگر انتظام کا کام اللہ تعالیٰ نے اپنے علاوہ دوسرے معبودوں کو سونپا ہوا ہے۔ لہذا ان معبودوں کی بھی عبادت کرنی چاہیے۔

آسمان وزمین کو اللہ تعالیٰ نے بنایا، کائنات میں مختلف قسم کی رنگ رنگیلیاں یعنی سرسبز باغات، متحرک زمین پر مضبوط پہاڑوں کو گاڑنا، خوشخبری لانے والی ہواؤں کو بھیجنا، دو سمندروں کے درمیان پردہ حائل کرنا، بے قرار آدمی کی پکار پر اس کی تکلیف کو دور کرنا، ابتداءً پیدا کرکے موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنا، آسمان وزمین سے روزی دینا، یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کرتے ہیں تو عبادت کے لائق اور مستحق بھی وہی ہیں۔

تسلی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿٨٠﴾﴾

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل دعوت سے کفار نہ مانتے تو آپ غمزدہ ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو تسلی دی ہے کہ اے پیغمبر! ان کو سنانا آپ کے ذمہ ہے، آپ سنا سکتے ہیں لیکن منوانا آپ کے بس میں نہیں ہے، اس لیے ان

کے نہ ماننے پر آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوا کریں۔ جس طرح قبر میں آپ کسی مردے کو سنا دیں تو اس کے سننے کا اس کو کچھ فائدہ نہیں، اسی طرح اگر زندہ کفار بات سنیں اور قبول نہ کریں تو یہ بھی فائدہ نہ اٹھانے میں مُردوں کی طرح ہیں۔ اس آیت میں زندہ کفار کو مردوں اور بہروں کے ساتھ عدم انتفاع میں تشبیہ دی ہے۔ لہذا اس آیت سے یہ ثابت کرنا کہ مردے نہیں سنتے، درست نہیں۔

علامت قیامت؛ دابۃ الارض کا نکلنا:

﴿وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ۝۸۲﴾

اور جب ہماری بات پوری ہونے کا وقت ان لوگوں کے پاس آ پہنچے گا یعنی قیامت قریب ہو گی تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا۔ آخری علامات قیامت میں سے ایک علامت یہ ہے اللہ تعالیٰ ایک عجیب الخلقت جانور کو زمین سے پیدا فرمائیں گے جو لوگوں سے بات کرے گا۔

سورۃ القصص

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے، اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام سورۃ القصص رکھا گیا ہے۔

اس سورۃ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بیان ہے اور آپ کی رسالت پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ سورۃ کے آغاز سے

لے کر آیت نمبر 43 تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ:

﴿نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۳﴾

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بالکل ابتدائی حالات وواقعات بیان ہو رہے ہیں۔ فرعون کو کسی نجومی نے کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہو گا جو تمہاری سلطنت کے لیے خطرہ ہو گا۔ اسی لیے فرعون نے بچوں کے قتل کا حکم دیا تھا۔

امِ موسیٰ کی طرف پیغامِ خداوندی:

﴿وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَ لَا تَخَافِيْ وَ لَا تَحْزَنِيْ..... ۝۷﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں ڈالا کہ جب تمہارا بچہ پیدا ہو جائے تو اسے دودھ پلاتی رہنا، جب کوئی خطرہ محسوس ہو تو اس بچے کو دریا میں ڈال دینا اور ڈرنا مت، نہ ہی غمگین ہونا۔ ہم اس بچے کو تمہارے پاس ضرور بالضرور پہنچائیں گے اور اسے رسول بنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تسلی دی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو کہ آپ کا بچہ آپ کی گود میں پلے گا، اس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، یہ قتل نہیں ہو گا۔

چنانچہ والدہ نے صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا فرعون کے لوگوں نے اسے اٹھا کر فرعون کے پاس پہنچا دیا۔ فرعون کی بیوی آسیہ نے اسے آمادہ کر لیا کہ اسے ہم اپنا بیٹا بنا کر پالتے ہیں۔

پھر آگے پورا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کا

مسئلہ پیش آیا تو آپ نے کسی بھی عورت کا دودھ نہ پیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کی تجویز کے مطابق ام موسیٰ کو دودھ پلانے کے لیے لایا گیا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کا دودھ قبول فرمالیا۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کو اپنی والدہ کے پاس لوٹا دیا گیا۔

قبطی کا قتل:

﴿وَ دَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰى حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ٘ۗ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ..... ﴿۱۵﴾﴾

ایک قبطی اور اسرائیلی کا جھگڑا ہو رہا تھا تو اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلی کو قبطی کے ظلم سے بچانے کے لیے قبطی کو ایک مکہ مارا وہ تاب نہ لا سکا اور مر گیا۔ دوسرے دن وہ کسی اور سے لڑ رہا تھا، اس نے پھر موسیٰ علیہ السلام کو مدد کے لیے بلایا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم ہی شریر لگتے ہو۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کی مدد کے لیے انہیں پکڑنا چاہا تو الٹا اس نے کہا اے موسیٰ کیا تم مجھے بھی قتل کرنا چاہتے ہو جیسے کل تم نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا؟

خیر خواہ کی آمد:

﴿وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰى٘ قَالَ یٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۰﴾﴾

ایک شخص شہر کے دور دراز علاقے سے دوڑتا ہوا موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آیا کہ اے موسیٰ! سردار لوگ آپ کے قتل کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں۔ کہیں وہ آپ کو قتل نہ کر دیں، میں آپ کا خیر خواہ ہوں، لہذا آپ یہاں سے کہیں

اور چلے جائیں۔

مدین کی طرف روانگی:

﴿وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۬ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ..... ﴿۲۳﴾﴾

اس خیر خواہ کے کہنے پر آپ علیہ السلام مدین؛ جو کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بستی تھی ؛کی طرف چل پڑے اور فرمایا: امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھے راستے پر ڈال دے گا۔

جب وہ مدین کے کنویں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلارہے ہیں اور دو عورتیں ہیں جنھوں نے اپنے جانوروں کو روکا ہوا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ انہوں نے جا کر گھر اپنے والد حضرت شعیب علیہ السلام کو پورا واقعہ سنایا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت:

﴿فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ..... ﴿۲۵﴾﴾

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کے کہنے پر موسیٰ علیہ السلام کو اپنے پاس بلوا لیا اور تسلی دی کہ آپ خوف نہ کریں کیونکہ آپ ظالم لوگوں سے بچ آئے ہیں۔ ایک بیٹی نے درخواست کی کہ ابا جان! آپ انہیں اجرت پر رکھ لیں۔ کیونکہ بہترین اجیر وہ ہے جو طاقت ور بھی ہو اور امانت دار بھی ہو۔ وہ یہ دونوں صفات حضرت موسیٰ علیہ السلام میں دیکھ چکی تھیں۔

معاہدہ اور نکاح کی پیش کش:

﴿قَالَ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ..... ﴿۲۷﴾﴾

حضرت شعیب علیہ السلام نے از خود پیش کش کی کہ میں ان دو لڑکیوں میں سے ایک سے آپ کا نکاح کر دوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ آٹھ سال تک میرے پاس کام کریں۔ اور اگر آپ دس سال پورے کریں تو یہ آپ کا معاملہ ہے، ہماری طرف سے آپ کو مجبور نہ کیا جائے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں باتوں (نکاح، معاہدہ اجرت) کو قبول کر لیا اور فرمایا کہ دونوں مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کروں، مجھ پر کوئی زبردستی نہیں۔

ہمارے معاشرے میں لڑکے والے لڑکی والوں سے جا کر رشتہ مانگتے ہیں اور اس چیز کو معاشرے میں لوگ عیب بھی نہیں سمجھتے۔ لیکن اگر کہیں کوئی لڑکی والا خود لڑکے والوں سے اپنی لڑکی دینے کی بات کرے تو لوگ معاشرے میں اسے عیب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ شریعت کی رو سے دوسری صورت اختیار کرنے میں بھی کوئی عیب نہیں۔ بلکہ اگر کبھی نیک اور دین دار لڑکا مل جائے تو لڑکی والوں کے لیے ایسے لڑکے کو اپنا داماد بنانے کے لیے پہل کرنا مستحسن ہے۔ جیسا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کے نکاح کی موسیٰ علیہ السلام سے بات کی۔

موسیٰ علیہ السلام کی مصر واپسی اور عطائے نبوت:

﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ..... ﴿۲۹﴾﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے بیوی کو ہمراہ لے کر مصر واپس روانہ

ہوئے۔ رات سرد اور اندھیری تھی اور موسیٰ علیہ السلام کی بیوی امید سے تھیں۔ ان کو دردزہ شروع ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس چقماق تھا کہ پتھر کو پتھر پر مارتے تو آگ نکلتی لیکن کوشش کے باوجود اس سے آگ نہ نکلی۔ آپ نے دور سے دیکھا کہ ایک جگہ آگ ہے تو بیوی کو بتا کر آگ لینے کے لیے چلے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو وہ آگ نہیں بلکہ تجلئ الٰہی تھی، جس سے درخت چمک رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں، آپ اپنے جوتے اتار دیں کیونکہ آپ اس وقت طوی کی مقدس وادی میں ہیں۔ پھر اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت اور معجزات بھی عطا فرمائے۔ حکم دیا کہ فرعون کے پاس جائیے تو آپ نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے اپنا معاون بنوایا۔

خاتم الانبیاء کی نبوت پر دلائل:

﴿وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے ہیں اور جس مقام پر یہ واقعات (کوہ طور کے مغربی جانب توراۃ کا دیا جانا، موسیٰ علیہ السلام کا عرصہ دراز تک مدین میں رہنا، مدین سے واپسی پر نبوت کا ملنا) پیش آئے ہیں وہاں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں تھے۔ لیکن آپ پھر بھی من و عن تفصیل کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو وحی الہی کے ذریعے بتائے گئے ہیں اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔

دوہرا اجر:

﴿اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (٥٤)﴾

اہل کتاب میں سے وہ لوگ جو پہلے اپنے نبیوں اور ان کی کتابوں پر ایمان لائے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم پر ایمان لائے؛ ان اہل کتاب کے متعلق قرآن کریم کہتا ہے کہ ان کو دوہرا اجر ملے گا:

- اس لیے کہ دین موسوی اور دین عیسوی چھوڑ کر دین اسلام کو اختیار کیا۔
- اور پھر اپنے لوگوں کی تکلیف دہ باتیں سن کر صبر کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ انہیں دوہرا اجر عطا فرمائیں گے۔

مختار کل صرف اللہ تعالیٰ ہیں:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (٥٦)﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کا آخری وقت تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافی کوشش کی کہ وہ کلمہ پڑھ کر ہدایت پا جائیں حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے چچا! میرے کان میں کلمہ پڑھ لو قیامت کے دن آپ کے ایمان کی گواہی دوں گا۔ لیکن ہدایت ان کے مقدر میں نہیں تھی اور ہدایت دینے کا اختیار بھی صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اے میرے محبوب! آپ جس کو ہدایت دینا چاہیں نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے

اسے ہدایت عطا فرماتا ہے اور اللہ ہدایت قبول کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

قارون کا قصہ اور انجام:

﴿اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ..... (۷۶)﴾

قارون بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا بیٹا تھا۔ اس کے پاس مال اتنا زیادہ تھا کہ اس کے خزانے کی چابیاں اونٹ اٹھاتے تھے۔ یہ فرعون کا خاص آدمی تھا اور بنی اسرائیل پر فرعون کی طرف سے نگران مقرر تھا۔ جب بنی اسرائیل فرعون کے تسلط سے نکل آئے تھے تو یہ بھی بنی اسرائیل کے ساتھ آیا تھا۔ اسے اپنے سامان اور مال و جائیداد پر بہت ناز تھا۔ یہ اونٹوں پر مال لاد کر نکلتا اور فخر و تکبر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے اپنے فن سے مال کمایا ہے۔ پھر ایک وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے قارون کو اس کے مال سمیت زمین میں دھنسا دیا۔

وعدہ خداوندی:

﴿اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۸۵)﴾

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرما کر چلے، جب مقام جُحْفَة پر پہنچے جو مدینہ کے راستے کی مشہور منزل رابغ کے قریب ہے، اس وقت مکہ مکرمہ کے راستے پر نظر پڑی تو بیت اللہ اور وطن یاد آیا۔ اسی وقت جبرائیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی! جس اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے وہ اللہ آپ کو مکہ دوبارہ لائے گا۔

اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے اور وعدہ فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ آپ مکۃ المکرمہ میں فاتح بن کر داخل ہوں گے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم؛ آٹھ ہجری میں فاتح بن کر اپنے آبائی وطن مکۃ المکرمہ میں داخل ہوئے اور یوں وعدہ خداوندی پورا ہوا۔

سورۃ العنکبوت

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ میں مکڑی کا ذکر کر کے مشرکین کو مکڑی کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جیسے وہ کمزور گھر بنا کر اس پر بھروسہ کرتی ہے اسی طرح مشرکین بھی غیر اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اس سورۃ کا نام "عنکبوت" رکھا گیا ہے۔

یہ سورۃ مکی ہے، دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید، رسالت اور قیامت کے دلائل بیان کیے گئے ہیں۔ سابقہ اقوام کے واقعات ذکر کر کے اہل ایمان کو تسلی دی گئی ہے کہ اہل ایمان پر پہلے آزمائشیں آتی ہیں، پھر آسانیاں آتی ہیں۔ والدین کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے معتدل اصول بیان کیا گیا ہے۔ اگر مؤمنین پر کسی جگہ میں دین پر چلنا اور عمل کرنا مشکل ہو جائے تو ہجرت کر کے اس علاقے کو چھوڑنے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع ہے۔

مؤمنین پر آزمائش:

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْۤا اَنْ يَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝۲﴾

یہ وہ زمانہ تھا جب کفار کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم و ستم کیا جاتا تھا۔ بعض

او قات مسلمان پریشان ہو جاتے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرتے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے مدد کی دعا فرمائیں۔ یہاں مؤمنین کو تسلی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو جنت تمہارے لیے تیار فرمارکھی ہے وہ اتنی سستی نہیں کہ تکلیفوں کے بغیر حاصل ہو جائے، لہذا تکلیفیں آئیں گی لیکن وہ عارضی ہیں، بہت جلد ختم بھی ہو جائیں گی لہذا تسلی رکھو، صبر سے کام لو۔ انہی آزمائشوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سچوں اور جھوٹوں کے درمیان امتیاز فرمائیں گے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم:

﴿وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا...... ﴿٨﴾﴾

دین اسلام کے ابتدائی زمانے میں ایسا بھی ہوا کہ اولاد اسلام لے آتی لیکن والدین کفر پر بضد رہتے اور اپنی اولاد کو واپس کفر اختیار کرنے پر مجبور کرتے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک معتدل اور برحق اصول عطا فرمایا کہ والدین کافر بھی ہوں تب بھی ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور ان سے حسن سلوک کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ کفر کا حکم دیں یا ایسا کوئی حکم دیں جو شریعت کے خلاف ہو تو اس میں والدین کی اطاعت نہ کرنا واجب اور ضروری ہے۔

آخرت میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا:

﴿وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَ لْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ وَ مَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٢﴾﴾

بعض کفار ایسے تھے جو اہل ایمان سے کہتے کہ تم ایمان چھوڑ کر واپس کفر

اختیار کرلو، اگر قیامت کے دن مواخذہ ہوا تو ہم تمہارا بوجھ اٹھالیں گے۔ اس آیت میں کفار کی اس لغو اور فضول پیش کش کی بھرپور تردید کی گئی ہے کہ قیامت کے دن ہر انسان اپنے گناہوں کا بوجھ خود اٹھائے گا، کوئی کسی کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ:

﴿وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖ فَلَبِثَ فِیۡہِمۡ اَلۡفَ سَنَۃٍ اِلَّا خَمۡسِیۡنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَہُمُ الطُّوۡفَانُ وَ ہُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۴﴾﴾

یہاں سے کئی آیات تک چند ایک سابقہ انبیاء (نوح، ابراہیم، اسحاق لوط اور شعیب) علیہم السلام کے واقعات بیان کرکے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلی دی گئی ہے کہ سابقہ امتوں کو بھی پہلے آزمائش کا سامنا کرنا پڑا پھر بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان آزمائشوں کو ختم کرکے اہل ایمان کو فتح اور غلبہ عطا فرمادیا۔

سابقہ امتوں کا انجام:

﴿فَکَذَّبُوۡہُ فَاَخَذَتۡہُمُ الرَّجۡفَۃُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِہِمۡ جٰثِمِیۡنَ ﴿۳۷﴾﴾

یہاں سے اللہ تعالیٰ ان سابقہ امتوں کا انجام ذکر فرمارہے ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ برباد کردیا۔ ان میں قوم ثمود، قوم عاد، قارون، قوم نوح، قوم لوط، اور قوم شعیب داخل ہیں۔ تذکیر بایام اللہ کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کفار و مشرکین کو تنبیہ فرمارہے ہیں کہ اگر تم بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو انہی والا انجام ہوگا۔

مشرک کی مثال:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ..... (۴۱)﴾

مشرک کی مثال دی کہ جس طرح مکڑی جالا تن کر اس پر بھروسہ کر لیتی ہے اسی طرح مشرک بھی حقیقی خداوند قدوس کو چھوڑ کر دیگر معبودان باطلہ کو اپنا رکھوالا بنا لیتا ہے۔ جس طرح مکڑی کا جالا انتہائی کمزور ہوتا ہے اسی طرح معبودان باطلہ بھی بے بس اور لاچار ہوتے ہیں اور کفار کو کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ نمبر: 21

مبلغ دو چیزوں کا اہتمام کرے:

﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ..... (۴۵)﴾

دین کی دعوت دینے والے داعی اور واعظ کو دو چیزوں کا اہتمام کرنا چاہیے۔ قرآن کریم کی تلاوت اور نماز کا اہتمام۔ صرف نماز پڑھنا کافی نہیں ہے بلکہ نماز کا اہتمام ضروری ہے۔ نماز انسان کو فحش اور منکر سے روک دیتی ہے۔ ”منکر“ ایسے گناہ کو کہتے ہیں جس کے حرام ہونے پر دلیل شرعی ہو، اور ”فحشاء“ اس گناہ کو کہتے ہیں جس کو ہر عقل مند شخص برا اور نامناسب سمجھے۔ بسا اوقات بندہ نماز پڑھتا ہے اور پھر بھی گناہ نہیں چھوڑتا۔ اس آیت کا معنی یہ نہیں ہے کہ نماز بندے سے اس کے گناہ چھڑوا دیتی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نماز گناہوں سے روکتی ہے۔ روکنا اور ہے، چھڑوانا اور ہے۔ نماز پورے آداب کے ساتھ ہو تو پھر گناہوں سے روکتی ہے۔

ہجرت کا حکم:

﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ (۵۶)﴾

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے دین پر چلنا دشوار تھا تو پہلے انہیں صبر واستقامت کی تعلیم دی گئی۔ یہاں فرمایا کہ اگر ایک جگہ رہتے ہوئے دین پر عمل اور اللہ تعالیٰ کی عبادت مشکل ہو تو ہجرت کر کے کسی ایسے علاقے کی طرف چلے جائیں جہاں دین پر چلنا آسان ہو، اللہ تعالیٰ کی زمین بہت وسیع ہے۔

ہجرت کرنے پر شبہ کا ازالہ:

﴿وَ كَاَیِّنۡ مِّنۡ دَآبَّةٍ لَّا تَحۡمِلُ رِزۡقَهَا اَللّٰهُ یَرۡزُقُهَا وَ اِیَّاكُمۡ وَ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۶۰﴾﴾

اس آیت میں ایک شبہ کا ازالہ بھی کر دیا کہ ہجرت کے وقت کسی کے ذہن میں آسکتا ہے کہ یہاں تو روزگار کی ترتیب بنی ہوئی ہے جب دوسرے علاقے میں ہجرت کرکے جائیں گے، وہاں روزگار کی ترتیب کیسے بنے گی؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بہت سے جانور ہیں کوئی بھی اپنا رزق ساتھ اٹھا کر نہیں چلتا بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں رزق دیتا ہے۔ تو کیا وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور مرضی کے لیے اپنا وطن چھوڑیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں رزق نہیں دیں گے؟

مشرکین کی مصیبت کے وقت پکار:

﴿فَاِذَا رَكِبُوۡا فِی الۡفُلۡكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ فَلَمَّا نَجّٰىهُمۡ اِلَى الۡبَرِّ اِذَا هُمۡ یُشۡرِكُوۡنَ ﴿۶۵﴾﴾

مشرکین جب کشتی میں سوار ہوتے اور پھنس جاتے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کو پکارتے اور اخلاص کے ساتھ پکارتے۔ مشرک بھی سمجھتے تھے کہ اس مشکل سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی نہیں نکال سکتا۔ چونکہ یہ دعا اخلاص سے ہوتی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو نجات عطا فرما دیتے تھے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مؤمن ہو جاتے تھے بلکہ اس گھڑی میں ان کا عقیدہ یہ ہوتا تھا کہ اس مشکل سے خدا کے علاوہ ہمیں کوئی نہیں نکال سکتا۔ اللہ تعالیٰ بچالیتے یہ پھر شرک شروع کر دیتے۔ ان کی اس بری عادت اور اس احسان فراموشی کو یہاں ذکر کرکے ان پر رد کیا گیا ہے۔

مشکلات سے ہارنا نہیں چاہیے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا...... ﴿۶۹﴾﴾

جو شخص ہمارے دین کے راستے میں مشقت برداشت کرے اور محنت کرے، ہم اس کے لیے اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔ یہ آیت دین پر چلنے والوں کے لیے بڑی خوشخبری ہے کہ جب انسان ہمت نہ ہارے بلکہ مسلسل کوشش و محنت میں لگا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات دور فرما کر راستے کھول دیتے ہیں اور منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں۔

سُبُل؛ سبیل کی جمع ہے، اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ایک راستہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے کئی راستے ہیں۔ تو دین کو ایک خاص ہیئت یا مخصوص محنت میں محدود کرنا بہت بڑا ظلم ہو گا۔ اس لیے میں یہ بات اکثر سمجھایا کرتا ہوں کہ مجموعۂ نبوت نے تین کام کیے ہیں: اشاعت دین، دفاع دین اور نفاذ دین۔ اور اس کام کے لیے چار طریقے اختیار فرمائے ہیں: تقریر، تحریر، مناظرہ اور جہاد۔

سورۃ الروم

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کے آغاز میں ایرانیوں کے مقابلے میں رومیوں کی فتح کی پیشین گوئی کی گئی جو سات سال بعد پوری ہوئی، اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الروم ہے۔

سورۃ روم مکی ہے دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی دین اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور قیامت کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔

شروع سورۃ میں ایک عظیم پیشین گوئی کی گئی ہے جس میں دو خوشخبریوں کا

ذکر تھا۔ ایک یہ کہ کچھ سالوں بعد اہل روم [جو اہل کتاب عیسائی تھے] کو ایرانیوں [جو آتش پرست تھے] پر فتح نصیب ہو گی۔ اسی دن مسلمانوں (اہل قرآن) کو مشرکین پر فتح کی صورت میں خوشی نصیب ہو گی۔

اہل روم کے لیے فتح کی پیشین گوئی:

﴿الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِیْۤ اَدْنَى الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾﴾

ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ دنیا میں دو سپر پاورز آمنے سامنے تھیں: ایک روم دوسری ایران۔ روم کے ہر بادشاہ کو قیصر کہا جاتا تھا۔ ایران کے ہر بادشاہ کو کسریٰ کہا جاتا تھا۔ رومی اہل کتاب عیسائی تھے اور ایرانی آتش پرست مجوس تھے۔ ایران مسلسل روم کو شکست دیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ ادھر مکہ میں بت پرست مشرکین کی ہمدردیاں ایرانیوں کے ساتھ تھیں جب وہ کسی شہر کو فتح کرتے تو مکہ کے مشرکین؛ مسلمانوں کو چڑاتے کہ دیکھو ہمارے ایرانی بھائی مسلسل اہل روم کے مقابلے میں فتح حاصل کر رہے ہیں۔

اس وقت یہ سورت نازل ہوئی جس میں دو پیشین گوئیاں کی گئیں۔ پہلی یہ کہ چند سالوں میں اہل روم اہل ایران پر غالب آجائیں گے۔ اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد فرمائیں گے اور مسلمان بھی اس سے خوش ہو جائیں گے۔ اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کا اس وقت بظاہر کوئی امکان نظر نہیں آرہا تھا۔ اسی وجہ سے مشرکین کے سردار ابی بن خلف نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سو سو اونٹوں کی شرط لگالی تھی کہ اگر آئندہ نو سالوں میں اہل روم غالب آگئے تو میں سو اونٹ دوں گا وگرنہ ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) دیں گے۔ حضرت ابو بکر صدیق

رضی اللہ عنہ نے اس شرط کو قبول فرمالیا اس وقت تک اس طرح دوطرفہ شرط کی حرمت نہیں آئی تھی۔

اس سورۃ کے نزول کے سات سال بعد اللہ تعالیٰ نے اس پیشن گوئی کو پورا فرمایا۔ قیصر روم ہرقل نے کسریٰ ایران پر پلٹ کر حملہ کیا جس میں قیصر کو فتح ہوئی۔ یہ وہی سال ہے جس میں غزوہ بدر ہوا تھا۔ یوں دونوں پیشین گوئیاں پوری ہوئیں۔ ابی بن خلف مرچکا تھا اس کے بیٹوں نے شرط کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ دیے۔ اُس وقت دوطرفہ شرط کی حرمت آچکی تھی اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان اونٹوں کو صدقہ کر دیں۔

پنج وقتہ نمازوں کا ثبوت:

﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿١٧﴾ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿١٨﴾﴾

اس آیت سے پانچ نمازوں کا اشارہ نکلتا ہے۔ ﴿حِيْنَ تُمْسُوْنَ﴾ میں مغرب اور عشاء دونوں شامل ہیں، ﴿حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ﴾ میں فجر کی نماز ہے، ﴿عَشِيًّا﴾ میں عصر کی نماز ہے اور ﴿حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ﴾ میں ظہر کی نماز ہے۔

قدرت باری تعالیٰ کی نشانیاں:

﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا......﴿٢١﴾﴾

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں بیان فرمائی ہیں:

♦ ﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾

اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ تمھیں مٹی سے پیدا فرمایا۔

♦ ﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا﴾

اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے پاس جا کے سکون حاصل کرو۔

♦ ﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ﴾

اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش، زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا بھی ہے۔

♦ ﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ ابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾

رات اور دن کا ایک ایک حصہ نیند اور اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے ہے۔

♦ ﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا﴾

بجلی کی چمک سے ڈر اور امید دونوں ہوتی ہیں۔

♦ ﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ﴾

آسمان وزمین اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم ہیں۔

♦ ﴿وَ هُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾

آخر میں بعث بعد الموت کو بیان فرمایا کہ ابتدا میں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا مرنے کے

بعد دوبارہ بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرے گا۔

انسانی اعمال کا اثر:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾﴾

انسانوں نے جو اعمال خود کیے اس کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیلتا ہے۔ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جو بھی تکلیف، مصیبت یا طوفان آتا ہے اس کی وجہ انسانی اعمال ہیں۔ ذہن میں اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء پر جو تکلیفیں آتی ہیں کیا ان کا سبب بھی ان کے اعمال ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ مصیبت ہر حال میں انسانی اعمال کی وجہ سے آئے، مصیبت کے آنے کا سبب کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔ مصیبت یا تکلیف انسانی اعمال کے بجائے کسی اور سبب سے بھی آسکتی ہے اور آیت اس کی نفی بھی نہیں کر رہی۔ بغیر گناہ کے کسی کو کوئی مصیبت یا تکلیف پیش آجائے جیسے انبیاء و اولیاء کو جو مصیبتیں اور تکلیفیں پیش آتی ہیں، یہ ان کی آزمائش ہوتی ہے اور اسی آزمائش کے ذریعے ان کے درجات کو بلند کیا جاتا ہے۔

سورۃ لقمان

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ میں چونکہ حضرت لقمان حکیم کی نصائح کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو فرمائی تھیں، اسی لیے اس سورۃ کا نام بھی انہی کے نام "لقمان" پر رکھا

گیا ہے۔

قرآن کریم کی اشاعت کا راستہ روکنا:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَہۡوَ الۡحَدِیۡثِ لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ..... ﴿۶﴾﴾

نضر بن حارث ایک مشرک تھا اور تجارت کے لیے مختلف ملکوں کا سفر کیا کرتا تھا وہاں سے پرانے بادشاہوں کے قصوں اور کہانیوں پر مشتمل کتابیں یا گانا گانے والی کنیز خرید کر لاتا۔ اہلِ مکہ کو جمع کر کے کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں پرانے وقت کی کہانیاں، عاد اور ثمود کے قصے سناتے ہیں تو میں تمہیں اس سے بھی زیادہ مزیدار کہانیاں سناتا ہوں۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ قرآن کریم نہ سنیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو خدا سے غافل کرنے والی باتوں کو خرید لیتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو خدا کے راستے سے بھٹکا دیں اور اس کا مذاق اڑائیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحتیں:

﴿وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِکۡمَۃَ اَنِ اشۡکُرۡ لِلّٰہِ..... ﴿۱۲﴾﴾

یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کا ذکر فرمایا کہ انہیں حکمت عطا کی گئی تھی۔ وہ توحید پرست تھے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانے کو ظلمِ عظیم قرار دیتے تھے۔ حضرت لقمان نبی نہیں تھے، بلکہ ایک نیک اور برگزیدہ آدمی تھے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحتیں فرمائیں: بیٹا! شرک نہ کرنا، شرک

بہت بڑا گناہ ہے۔ اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ اسے حاضر کر دے گی، اس لیے اللہ تعالیٰ کے علم کا قائل رہنا۔ نماز کی پابندی کرنا۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔ لوگوں کے ساتھ ترش روئی سے پیش نہ آنا۔ زمین پر اکڑ کر نہ چلنا۔ میانہ روی کے ساتھ چلنا۔ اپنی آواز کو پست رکھنا۔

پانچ چیزوں کا علم:

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ..... ﴿۳۴﴾﴾

یہاں پانچ چیزوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ عام طور پر لوگ انہی پانچ چیزوں کے بارے میں بات کرتے ہیں، نجومیوں سے انہی کے بارے میں پوچھتے ہیں، اندازے انہی کے بارے میں لگاتے ہیں۔ وہ پانچ چیزیں یہ ہیں:

قیامت کا علم۔ بارش کب ہو گی، ماداؤں کے پیٹ میں کیا ہے، انسان کیا کمائے گا اور انسان کہاں مرے گا۔ مذکورہ پانچوں چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ ان کے علم کو "مفاتح الغیب" یعنی غیب کی پانچ کنجیاں بھی کہا جاتا ہے۔

سورۃ السجدہ

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں آیتِ سجدہ اور سجدہ کا ذکر ہے اسی وجہ سے اس کا نام سورۃ سجدہ رکھا گیا ہے۔

اس سورۃ میں دین اسلام کے بنیادی ارکان توحید، رسالت اور آخرت کا

اثبات کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں اس سورۃ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

آسمان وزمین کی تخلیق:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ..... ﴿۴﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے آسمان، زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا۔ چھ دنوں سے مراد چھ دنوں کی مقدار ہے کیونکہ اس وقت تو دن رات ہوتے ہی نہیں تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوئے۔ یہ متشابہات میں سے ہے اور استواء علی العرش کا معنی ہم نہیں جانتے بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔

استویٰ علی العرش پر مدلل بحث کے لیے میری مرتب کردہ فائل **"توحید باری تعالیٰ"** کا مطالعہ فرمائیں۔

ملاقات کا ہونا یا کتاب کا ملنا:

﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآىِٕهٖ..... ﴿۲۳﴾﴾

اس آیت کا ایک معنی یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی ہے اور آپ کو قرآن کریم دیا ہے ﴿فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآىِٕهٖ﴾ یہ قرآن ہماری طرف سے ہے اس قرآن میں آپ نے شک نہیں کرنا! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے قرآن ہونے میں کوئی شک نہیں تھا لیکن بسا اوقات اس پر مزید پختہ رہنے کے لیے اللہ پاک ایسی بات ارشاد فرماتے ہیں۔

ایک معنی مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات

دی اور آپ کی موسیٰ علیہ السلام سے اس دنیا میں ملاقات ہو گی اس ملاقات میں آپ شک نہ کرنا، یقین رکھنا کہ آپ کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام ہی سے ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موسیٰ علیہ السلام سے یہ ملاقات معراج کی رات آسمانوں پر ہوئی ہے۔

مقتداء کے لیے دو شرطیں:

﴿وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ﱏ وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ(۲۴)﴾

اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت کا مقتدا اور امام الہدیٰ بناتے ہیں اس کے لیے دو شرطیں ہیں:

کمالِ علمی۔ کمالِ عملی۔

﴿لَمَّا صَبَرُوْا﴾ یہ کمالِ عملی ہے۔ صبر کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ طاعات پر بھی صبر کرنا، گناہوں سے رکنے پر بھی صبر کرنا اور مشقت آئے تو برداشت کرنا۔ کمال عملی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا؟

﴿وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ﴾ آیات پر یقین رکھنا۔ یقین وہی کرے گا جس کے پاس علم اور فہم ہو، یہ کمالِ علمی ہے۔

سورۃ الاحزاب

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ میں غزوہ احزاب کا ذکر ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام "الاحزاب" رکھا گیا ہے۔

یہ سورۃ مدنی دور میں نازل ہوئی اس میں چند اہم چیزوں کو بیان کیا گیا ہے۔ متبنیٰ یعنی لے پالک بیٹے کے احکام، غزوہ احزاب، غزوہ بنی قریظہ، ازواج مطہرات، ختم نبوت، پردہ کے احکام وغیرہ۔

تین رسومات کی تردید:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ..... ﴿۴﴾﴾

عرب میں تین باتیں بہت مشہور تھیں:

- ایک بات یہ تھی کہ جو آدمی سمجھ دار ہوتا تو لوگ اس کے بارے میں کہتے کہ اس کے دو دل ہیں۔
- دوسری یہ تھی کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو "تم میرے لیے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت" کہہ دیتا تو وہ اپنی بیوی کو ماں کی طرح حرام سمجھتا۔
- تیسری یہ تھی کہ جب کوئی شخص کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیتا تو وہ اسے ایسے سمجھتا جیسے حقیقی بیٹا ہو، میراث میں شریک کرتا، اس کی بیوی سے اس کی طلاق یا وفات کے بعد نکاح کو حرام سمجھتا۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہاں تینوں رسومات کی تردید فرمائی کہ جس طرح کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں ہوسکتے ایسے ہی انسان کی دو قسم کی مائیں نہیں ہو سکتیں کہ ایک تو اس کی سگی ماں ہو اور دوسری ظہار کی ہوئی بیوی ماں بن جائے۔ اسی طرح انسان کے دو قسم کے بیٹے بھی نہیں ہوسکتے کہ ایک اس کا حقیقی بیٹا ہو اور دوسرا منہ بولا بیٹا بن جائے۔

حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم جان سے عزیز:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ..... ﴿٦﴾﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مؤمنین کو ان کی اپنی جانوں سے زیادہ عزیز و محبوب ہیں اور ازواج مطہرات مؤمنوں کی مائیں ہیں۔ اس کے باوجود بھی مسلمانوں کی وراثت کا مال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات میں تقسیم نہیں ہوتا بلکہ مؤمنین کے اپنے قریبی رشتے داروں میں تقسیم ہوتا ہے۔ تو پھر متبنیٰ کو کیسے وراثت مل سکتی ہے!

غزوہ خندق کا واقعہ:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا..... ﴿٩﴾﴾

یہاں سے لے کر آیت نمبر 27 تک غزوہ احزاب کا مختلف پہلوؤں سے تذکرہ چل رہا ہے۔ مشرکین مکہ نے احد و بدر میں ناکامی کے بعد عرب کے مختلف قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جمع کر کے بارہ سے پندرہ ہزار کا لشکر تیار کیا اور مدینہ منورہ پر حملے کی نیت سے نکلے۔ ادھر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع مل گئی آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق مدینہ منورہ کے باہر خندق کھودی گئی۔ مشرکین نے تقریباً ایک ماہ تک محاصرہ کیا۔ بالآخر خدائی مدد سے تیز آندھی چلی جس سے مشرکین بھاگ گئے۔ مدینہ سے یہود بنی قریظہ نے عہد شکنی کی تو غزوہ خندق سے فارغ ہونے کے بعد مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے مطابق ان کے مردوں کو قتل کیا گیا اور ان

کے نابالغ بچوں اور عورتوں کو غلام اور لونڈیاں بنایا گیا۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کا بھی ذکر فرمایا ہے جنہوں نے حیلے بہانے کر کے غزوہ میں شریک ہونے سے عذر پیش کیا تھا۔

ازواج مطہرات کا ذکر:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾﴾

اس آیت کو "آیتِ تخییر" بھی کہتے ہیں۔ ازواج مطہرات نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ خندق اور جنگ بنی قریظہ کی فتوحات کے بعد نفقہ بڑھانے کا ایک جائز مطالبہ کیا تھا۔ لیکن یہ ازواج مطہرات کی شان کے لائق نہیں تھا۔ اس لیے ان آیات کو نازل کر کے ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں اور اپنی اس سوچ کو بدلیں۔ اور اگر دنیا کی زیب وزینت کو اختیار کرنا چاہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی اختیار کرلیں۔ لیکن قربان جایئے اپنی ماؤں پر کہ انہوں نے پہلی صورت اختیار کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں، اور ان شاء اللہ آخرت میں بھی ساتھ رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی روحانی ماؤں کی قدر اور ان کی ناموس کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ نمبر:22

ازواجِ مطہرات کے لیے ہدایات:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسۡتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيۡتُنَّ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَيَطۡمَعَ الَّذِيۡ فِيۡ قَلۡبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۞﴾

یہاں اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کے مقام کو بیان فرمایا کہ ان کا مقام و مرتبہ دیگر عورتوں سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے اگر وہ تقویٰ اختیار کریں گی تو ثواب بھی دوگنا ملے گا، اگر گناہ کریں گی تو عذاب بھی دوگنا ملے گا۔ یہاں انہیں چھ ہدایات بھی دی ہیں: 1: اگر کوئی بندہ مسئلہ پوچھنے آئے تو جان بوجھ کر نزاکت سے بات نہ کریں، وگرنہ وہ شخص جس کے دل میں مرض ہے اس کے دل میں طمع پیدا ہو گی۔ 2: اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہیں۔ 3: قدیم جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھریں۔ 4: نماز کی پابندی کیا کریں۔ 5: زکوۃ ادا کیا کریں۔ 6: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کیا کریں۔ مذکورہ ہدایات اگرچہ ازواج مطہرات کو ہیں لیکن اس میں دیگر تمام مسلمان عورتیں بھی شامل ہیں۔

اہلِ بیت میں کون کون شامل ہیں؟

﴿اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَ يُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا ۞﴾

مذکورہ ہدایات پر عمل کرنے کا فائدہ اور نتیجہ یہ ہو گا کہ ازواج مطہرات سے اللہ تعالیٰ گندگی کو دور رکھ کر ایسی پاکیزگی عطا فرمائیں گے جو ہر طرح سے مکمل ہو گی۔

اھل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اہلِ بیت میں پہلے پیغمبر کی بیویاں، پھر پیغمبر کی اولاد، پھر اولاد کی اولاد اور پھر داماد شامل ہیں۔ اس آیت کے ماقبل اور مابعد سے معلوم ہو رہا ہے کہ ازواج مطہرات تو اہل بیت کا براہ راست مصداق ہیں، جبکہ عمومِ الفاظ اور صحیح مسلم کی حدیث کے مطابق چاروں بنات (حضرت زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت رقیہ اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہن) اور ان کی اولاد اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تینوں داماد اہل بیت میں شامل ہیں۔

اس آیت کی مزید تفصیل، اہل بیت کا مصداق اور اعتراضات کے جوابات میری کتاب "**دروس القرآن**" میں اسی مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔

حکمِ خدا اور حکمِ مصطفیٰ کے سامنے سرِ تسلیمِ خم:

﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ...... (٣٦)﴾

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کا نکاح اپنی پھوپھی کی بیٹی حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ کرنا چاہا تو حضرت زینب اور ان کے بھائی عبد اللہ بن جحش کو یہ بات ناگوار گزری کیونکہ حضرت زید آزاد کردہ غلام تھے جبکہ حضرت زینب قریشی خاندان سے تھیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اونچے خاندان والی عورت کا ایک آزاد کردہ غلام سے نکاح معیوب سمجھا جاتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ یا اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرمادیں تو پھر کسی مؤمن اور مؤمنہ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ اس فیصلہ کو قبول نہ کریں۔ اس آیت کے نزول کے بعد دونوں (بہن بھائی) نے سر خم تسلیم کیا اور نکاح پر راضی ہوگئے۔ رضی اللہ عنہما

حضرت زید وزینب رضی اللہ عنہما کا واقعہ:

﴿وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ..... ﴿۳۷﴾﴾

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی پھوپھی کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کرادیا۔ چونکہ زینب بنت جحش اونچے خاندان سے تھیں اور حضرت زید آزاد کردہ غلام تھے اس لیے ان کی آپس میں ان بن رہتی تھی۔ بالآخر حضرت زید نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق دینے کے لیے مشورہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈریں طلاق نہ دیں اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے آگاہ فرمادیا تھا کہ طلاق ہو گی اس کے بعد آپ حکم خداوندی سے حضرت زینب سے نکاح کریں گے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا اظہار نہیں فرمارہے تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہونے سے مخالفین کو اعتراضات کا موقع مل جاتا کہ اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اس رسم کو مٹانا تھا کہ منہ بولا بیٹا احکامات میں حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہے۔ اس لیے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی طلاق کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینب سے نکاح ہو گیا۔

اگلی آیت میں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مرد کے نسبی باپ نہیں؛ لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم

عقیدہ ختم نبوت:

﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾﴾

اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننا بھی ضروری ہے اور آخری نبی ماننا بھی ضروری ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہ مانے وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے اور جو نبی مانے مگر آخری نبی نہ مانے وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ صفات:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾﴾

یہاں دو آیات میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ صفات بیان کی گئی ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اپنی امت یا دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتوں پر گواہی دیں گے جب گزشتہ امتیں اپنے نبیوں کی تکذیب کریں گی۔ بشارت دینے والے، ڈرانے والے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے ہیں اور ایسے چراغ ہیں جو امت کو روشنی دیتے ہیں۔

خاتم الانبیاء کی خصوصیات:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ..... ﴿۵۰﴾﴾

یہاں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند ایک خصوصیات بیان ہو رہی ہیں۔ نمبر ایک: چار سے زائد بیویاں آپ کے لیے حلال ہیں۔ نمبر دو: مال فئی میں جو

باندی آپ کی ملکیت میں آجائے تو وہ آپ کے لیے حلال ہے، خاصیت اس طرح ہے کہ تقسیم سے پہلے آپ کسی باندی کو لے سکتے ہیں۔ نمبر تین: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چچا کی بیٹیاں، پھوپھی کی بیٹیاں، ماموں کی بیٹیاں اور خالہ کی بیٹیاں صرف وہ حلال ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔ نمبر چار: اگر کوئی ایمان والی عورت اپنے آپ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہدیہ کرے بغیر حق مہر کے اور پیغمبر پاک اس سے نکاح کرنا چاہیں تو نکاح ہو سکتا ہے۔

کھانے کی دعوت کے آداب:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ----- ﴿٥٣﴾﴾

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کیا اور لوگوں کو بلایا تو بعض احباب کھانا تیار ہونے سے پہلے آ گئے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر تو چھوٹا سا تھا، بٹھانے کی جگہ نہیں تھی تو حضرت زینب دیوار کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئیں۔

کھانا کھا لیا گیا لیکن بعض لوگ نہیں اٹھے اور وہیں پر باتیں کرنے کے لیے جم کر بیٹھ گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ناگوار گزرا تو آپ اٹھ کر باہر تشریف لے گئے۔ آپ جب واپس آئے تو دیکھا کہ لوگ پھر بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس سے آپ کو ناگواری ہوئی تو ان لوگوں کو احساس ہوا اور وہ اٹھ کر چلے گئے۔

اس آیت میں فرمایا کہ تین باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

- جن کو کھانے پر بلایا جائے صرف وہ آئیں۔
- کھانے سے پہلے جا کر نہ بیٹھیں، اس سے میزبان کو مشغول ہونا پڑتا ہے۔

❖ کھانا کھا کر چلے جایا کریں، وہاں بیٹھے نہ رہیں۔ آج بھی ان آداب کی رعایت ضروری ہے۔

ازواج مطہرات سے نکاح کی حرمت:

﴿وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا..... (۵۳)﴾

اس آیت سے ازواج مطہرات سے نکاح کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہو رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طبعی اور فطری بات ہے کہ جو غیور آدمی ہے وہ اپنی منکوحہ کو خواہ طلاق دے دے، کسی اور کو اس کا شوہر بننا اسے طبعاً ناگوار گزرتا ہے۔ عام بندے کی طبعی ناگواری کا خیال نہیں رکھا گیا لیکن پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طبعی تقاضے کا اللہ تعالیٰ نے خیال فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز دیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی سے کبھی نکاح نہ کرنا کہ اس سے نبی کو طبعاً ناگواری محسوس ہو گی۔

پردے کا حکم:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ..... (۵۹)﴾

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور ایمان والی عورتوں سے فرمائیں کہ وہ پردہ کریں۔ اس آیت سے پردہ کا حکم ثابت ہو رہا ہے۔ یہ حکم صرف ازواج مطہرات کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام ایمان والی عورتوں کو حکم ہے کہ جب وہ اپنے گھر سے باہر نکلیں تو بڑی چادر اوڑھ لیں۔ ایسی

چادر ہونی چاہیے جس سے جسم کی ساخت چھپ جائے۔ چادر ہو یا برقعہ؛ دونوں میں اس چیز کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

انسان؛ بارِ امانت کا حامل:

﴿اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَ اَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَ حَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا ۙ﴿۷۲﴾﴾

"امانت" سے مراد شریعت ہے۔ اللہ رب العزت نے امانت یعنی عقائد اور اعمال دونوں پیش فرمائے آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر اور ساتھ اختیار دیا کہ تم چاہو تو لے لو اور تم چاہو تو نہ لو تو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے اس بار کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور نوع انسانی نے اس کو اٹھالیا۔

سورۃ سبا

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں قوم سبا کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اسی لیے اس سورت کا نام "سبا" رکھا گیا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے فضائل:

﴿وَ لَقَدۡ اٰتَيۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِىۡ مَعَهٗ وَ الطَّيۡرَ ۚ وَ اَلَنَّا لَهُ الۡحَدِيۡدَ ۙ﴿۱۰﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو حسنِ صوت عطا فرمائی تھی۔ جب حضرت داود علیہ السلام تسبیح وذکر کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ حضرت داود علیہ السلام کے ساتھ مل کر تسبیح کریں۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے لوہے کو ان کے لیے نرم فرمادیا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ سے اسے موڑ کر زرہ وغیرہ بناتے تھے اور بڑے عمدہ طریقے اور سلیقے سے بناتے تھے۔

سلیمان علیہ السلام کے معجزات اور انعامات:

﴿وَ لِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ الْقِطْرِ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ۔۔۔۔(۱۲)﴾

اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمادیا تھا۔ وہ اس کے ذریعے دور دراز کا سفر مختصر وقت میں طے کر لیتے تھے۔ تخت ہوا میں اڑتا اور ایک مہینے کی مسافت صرف ایک صبح یا شام میں طے کر لیتا۔ جنات کو بھی اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا، جیسے چاہتے ان سے کام لیتے۔ تانبے کا چشمہ بھی تھا اس سے برتن وغیرہ بناتے۔

سلیمان علیہ السلام کی وفات:

﴿فَلَمَّا قَضَیْنَا عَلَیْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰی مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ۔۔۔۔(۱۴)﴾

سلیمان علیہ السلام ایک دن عبادت کے لیے عصا لے کر کھڑے ہو گئے۔ جنات دیکھ رہے تھے کہ آپ عبادت کے ساتھ ساتھ ہماری نگرانی بھی کر رہے ہیں۔ اسی دوران ملک الموت نے باذن اللہ آپ کی روح قبض کر لی۔ آپ علیہ السلام فوت

ہو گئے لیکن جنات یہی سمجھتے تھے کہ سلیمان علیہ السلام زندہ ہیں اور نگرانی کر رہے ہیں۔ ایک سال تک جنات اپنے کام میں لگے رہے۔ جب تعمیر کا کام مکمل ہوا اللہ نے دیمک کے کیڑے کو بھیجا، اس نے سلیمان علیہ السلام کے عصا کو کھایا، عصا ٹوٹا تو سلیمان علیہ السلام زمین پر گر گئے۔ پھر جنات کو پتا چلا کہ سلیمان علیہ السلام کو فوت ہوئے تو ایک سال گزر گیا ہے اور ہم کام میں لگے ہیں۔ اس سے دو باتیں مقصود تھیں: بیت المقدس کا باقی ماندہ کام مکمل ہو جائے اور یہ واضح ہو جائے کہ جنات عالم الغیب نہیں ہیں۔

قوم سبا کا واقعہ:

﴿لَقَدۡ كَانَ لِسَبَاٍ فِيۡ مَسۡكَنِهِمۡ اٰيَةٌ ---- (۱۵)﴾

قوم سبا کے رہنے کی جگہ میں اللہ تعالی نے برکت عطا فرمائی تھی۔ ملک یمن کے دار الحکومت کا نام ہے "صنعاء" اس سے تین منزل کے فاصلے پر ایک شہر تھا "مآرب" اس میں یہ قوم آباد تھی۔ یہ بہت خوبصورت جگہ تھی۔ ان کی سڑکوں کے دونوں طرف پھل دار باغات کے سلسلے تھے جو دور تک چلے گئے تھے۔ پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں یہ شہر آباد تھا۔

یہاں کے بادشاہوں نے پہاڑوں کے درمیان میں ایک مضبوط ڈیم بنا دیا تھا جس میں پانی کا ایک بڑا ذخیرہ محفوظ کر لیا جاتا تھا۔ پہاڑوں سے آنے والا پانی اور بارشوں کا پانی اس میں ذخیرہ ہوتا تھا۔ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کی ناقدری کی تو اللہ تعالیٰ نے بند توڑنے کے لیے چوہے بھیجے۔ ان چوہوں نے بنیادوں کو کاٹا، وہ بند ٹوٹ گیا اور تباہی و بربادی ہو گئی۔

غور وفکر کی دعوت:

﴿قُلْ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ----(۴۶)﴾

مشرکین مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہتے تھے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے فرمائیں کہ میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تعصب اور ضد کو چھوڑ کر انصاف کرتے ہوئے آپس میں مشورہ کرو یا تنہائی میں بیٹھ کر سوچ وبچار کرو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے اندر چالیس سال تک رہے ہیں بچپن سے لے کر اب تک سارے حالات تمہارے سامنے ہیں۔ ان کی صداقت وامانت کے تم بھی قائل ہو کیا ایسا شخص مجنون ہو سکتا ہے؟

سورۃ الفاطر

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں فاطر کا لفظ ہے اسی مناسبت سے اس کا نام "فاطر" رکھ دیا گیا ہے۔ سورت فاطر مکی سورت ہے دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید، رسالت اور آخرت کو ثابت کیا گیا ہے۔ مزید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ مشرکین اور کفار کی تکذیب سے پریشان نہ ہوا کریں، آپ کی ذمہ داری صرف تبلیغ کرنا ہے۔

فرشتے قاصد ہیں:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓىِٕكَةِ رُسُلًا اُولِیْۤ

اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ----﴿۱﴾

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنا قاصد بنا کر بھیجا ہے۔ قاصد کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فرشتے واسطہ ہوتے ہیں۔ فرشتوں میں سے کسی کے دو پر ہیں، کسی کے تین پر ہیں، کسی کے چار پر ہیں، لیکن اس میں حصر نہیں ہے اس سے زائد بھی ہوسکتے ہیں جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بارے میں روایت میں ہے کہ ان کے چھ سو پر ہیں۔

کلمات طیبات کا مصداق:

﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ----﴿۱۰﴾﴾

پاک کلمات سے مراد کلمہ توحید ہے اور اس کے علاوہ دیگر اذکار بھی اس میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے چڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کلمات اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہو جاتے ہیں۔ اور نیک عمل کے اس کلمہ کو اوپر اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ کلمات کی نفسِ قبولیت کے لیے تو اعمال شرط نہیں لیکن قبولیتِ تامہ کے لیے اعمال شرط ہیں۔

مؤمن کی تین قسمیں ہیں:

﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ----﴿۳۲﴾﴾

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے اس کتاب کا وارث اپنے بندوں میں سے ان کو

بنایا جنہیں ہم نے چن لیا ہے، ان میں سے یہاں تین کا ذکر ہو رہا ہے:

(1) ﴿ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ جو اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں۔ یعنی جو نیک اعمال کرتے ہیں اور گناہوں سے نہیں بچتے۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔

(2) ﴿مُّقْتَصِدٌ﴾ جو درمیانی راستہ اختیار کرنے والے ہیں۔ یعنی حلال کام کرتے ہیں اور حرام سے بچتے ہیں لیکن مکروہات سے نہیں بچتے اور مستحبات کو نہیں کرتے، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوں گے۔

(3) ﴿سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ﴾ جو نیکیوں میں بڑھتے جاتے ہیں۔ یعنی حلال کام کرتے ہیں اور حرام سے بچتے ہیں، مستحبات اپناتے ہیں اور مکروہات سے بچتے ہیں لیکن اس کے باوجود بعض مباح چیزیں جن کے کرنے کی اجازت ہے، وہ انہیں عبادت میں حد درجہ انہماک یا شبہات کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں، یہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔

جانوروں کی ہلاکت کا مطلب:

﴿وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ..... ﴿۴۵﴾﴾

اگر اللہ تعالیٰ اعمالِ کفریہ کی وجہ سے سزا دیں تو اس زمین پر کسی ذی روح کو نہ چھوڑیں، خواہ وہ جانور ہو یا انسان۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ جانور انسانوں کے فائدے کے لیے بنائے گئے تھے جب انسانوں کو نہیں رکھنا تو پھر جانوروں کے رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

سورۃ یٰسٓ

وجہ تسمیہ:

حروف مقطعات میں سے دو حروف "یا، سین" سے اس سورۃ کا آغاز ہوا، اسی مناسب سے اس کا نام "یٰس" رکھا گیا ہے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل:

﴿يٰسٓ ۚ﴿١﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿٢﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ﴿٣﴾﴾

اس سورۃ کو قرآن کریم کا دل کہتے ہیں۔ صبح اس کو پڑھنے سے پورے دن کے کام درست رہتے ہیں۔ ان آیات میں نص قطعی سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ بذات خود حکمت سے لبریز قرآن کریم کی قسم کھا کر فرمارہے ہیں کہ (اے میرے محبوب!) آپ یقیناً پیغمبروں میں سے ہیں۔ آیت نمبر پانچ میں آپ کا منصبی فریضہ بیان کیا گیا کہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادوں کو پہلے نہیں ڈرایا گیا۔ اس سے مراد مکہ مکرمہ اور اس کے مضافات ہیں کیونکہ یہاں حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔

تین رسولوں کا قصہ:

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۚ﴿١٣﴾﴾

گزشتہ آیات میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بیان تھا۔ اب یہاں سے آگے کئی آیات تک تین رسولوں کا قصہ بیان کیا جارہا ہے۔ قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ نہ تو بستی کا تعین کیا اور نہ ہی رسولوں کے ناموں کا۔ البتہ بعض

روایات میں بستی کا نام انطاکیہ اور رسولوں کے نام صادق، صدوق اور شلوم یا شمعون علیہم السلام بتائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے دو رسولوں کو بھیجا، لوگوں نے ان کی تکذیب کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید و تقویت کے لیے تیسرے رسول کو بھیجا لیکن بستی والوں نے ان کی بات نہ مانی اور تکذیب کی۔

حبیب نجار کی ہمدردی:

﴿وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٠﴾﴾

"رجل" کا نام روایات میں حبیب بن اسماعیل نجار بتایا گیا ہے، یہ بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ انہوں نے رسولوں کی دعوت پر ایمان قبول کر لیا تھا۔ جب انہوں نے شہر والوں کا یہ حال سنا کہ وہ رسولوں کے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہیں تو وہ دوڑتے ہوئے شہر میں آئے اور قوم کو ہمدردی کے طور پر بڑے احسن انداز میں سمجھایا کہ رسولوں کی بات مان لو۔ لیکن قوم نے انہیں شہید کر دیا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ نمبر: 23

جنت میں داخلے کا مطلب:

﴿قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾﴾

شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حبیب نجار کو جنت میں داخلے کی خوشخبری دی گئی۔ جنت میں داخلہ تو حشر نشر کے بعد ہو گا، البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک لوگوں کو عالم برزخ اور قبر میں جنت دکھائی جاتی ہے، جنت کی خوشبو سونگھائی جاتی ہے، جنت کی فضا دکھاتے ہیں اور قبر میں جنت اور بندے کے درمیان جو دروازہ ہے اس کو کھول دیتے ہیں تو جنت کا منظر بن جاتا ہے۔

یہ ہے تو عرضِ جنت لیکن اسے دخولِ جنت سے تعبیر فرمادیا گیا ہے۔ حبیب نجار نے جنت کی نعمتیں دیکھ کر اظہار افسوس کیا کہ کاش! میری قوم کو معلوم ہو جائے کہ مجھے کن نعمتوں سے نوازا گیا ہے۔

مشرک قوم کا انجام:

﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿٢٨﴾﴾

جب قوم کی سرکشی میں مزید اضافہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کا فیصلہ فرمادیا۔ فرمایا کہ ہمیں کسی قوم کو ہلاک کرنے کے لیے آسمان سے فرشتوں کو نازل کرنے کی ضرروت نہیں بس ایک چنگھاڑ ہی کافی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک ہی فرشتے نے چیخ ماری اور پوری بستی کلیجے پھٹنے کی وجہ سے تباہ برباد ہو گئی۔

قیامت کے دن ہاتھ اور پاؤں کا گواہی دینا:

﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴿٦٥﴾﴾

قیامت کے دن جس وقت حساب کتاب کا معاملہ ہو رہا ہو گا کفار اس وقت اپنے شرک اور کفر کا انکار کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے۔ مہر لگانے کا مطلب یہ ہے کہ منہ کو پابند کیا جائے گا کہ وہ اپنی مرضی سے نہیں بولے گا۔ ان کے ہاتھ اور پاؤں کو قوت گویائی عطا فرمائیں گے تو ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ انہوں نے فلاں فلاں جرائم اور گناہ کیے تھے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ہے کہ وہ تعجب سے اپنے اعضاء سے مخاطب ہو کر کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟

مشرکین کی تردید:

﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ﴿٦٩﴾﴾

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کا علم نہیں دیا اور نہ ہی شاعری پیغمبر کی شان کے لائق ہے، یہ تو نصیحت کی بات ہے اور نہایت واضح قرآن ہے۔ کفار؛ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ شاعر ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ اس کی نفی فرما رہے ہیں۔ کفار کیوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور قرآن کو شعر کہتے تھے؟ ہمارے ہاں شاعر وہ ہے جو مسجع اور مقفیٰ کلام کہے۔ جبکہ اہل عرب کے ہاں شاعر وہ بھی ہے جو فرضی، خیالی اور غیر تحقیقی باتیں کرے۔ تو کفار نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے کہ یہ فرضی اور خیالی باتیں کرتے ہیں۔

(العیاذ باللہ) قرآن کریم نے مشرکین کی اسی بات کی تردید فرمائی ہے کہ نہ تو ہم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعری سکھائی اور نہ ہی شاعری آپ کے شایان شان ہے۔

مشرک کی حماقت:

﴿اَوَلَمۡ يَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۷۷﴾﴾

مکہ مکرمہ میں عاص بن وائل ایک مشرک تھا۔ اس نے ایک بوسیدہ ہڈی لی، اس کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: کیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو بھی زندہ کرے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ اپنی پیدائش کو بھول گیا؟ ہم نے انسان کو ایک نطفے سے بنایا ہے۔ جس خدا نے پہلے پیدا کیا ہے وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ آگے دو درختوں کی مثال دیکر سمجھایا کہ جو خدا سبز درختوں سے آگ کو پیدا کرتا ہے اس کے لیے بوسیدہ ہڈی سے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟

سورۃ الصّٰفّٰت

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی ابتداء ﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا﴾ سے ہو رہی ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام " الصّٰفّٰت " رکھا گیا ہے۔ یہ سورۃ مکی ہے، اس میں اسلام کے بنیادی عقائد توحید ورسالت اور قیامت کا اثبات کیا گیا ہے۔ اور مشرکین کے ایک غلط عقیدے [کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، معاذ اللہ] کی تردید کی گئی ہے۔

مشرکین کی تردید:

﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكۡرًا ﴿۳﴾﴾

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی تین قسمیں کھائی ہیں۔ قسم ہے ان فرشتوں کی جو صفیں باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور ان فرشتوں کی جو ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں۔ یعنی شیاطین جب عالمِ بالا کی طرف جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ فرشتے ان کو روکتے ہیں۔ اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو تلاوت کرتے ہیں ذکر کی۔ یہاں مشرکین کی تردید فرمائی اس لیے کہ مشرکینِ مکہ میں سے ایک طبقہ ملائکہ کی عبادت کرتا تھا اور ایک طبقہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتا تھا۔ تو ملائکہ کی قسمیں کھا کر یہ بتایا کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی اسے اولاد کی ضرورت ہے۔

اہل جنت کا ذکر:

﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ۝٤١ فَوَاكِهُ ۖ وَهُم مُّكْرَمُونَ ۝٤٢﴾

اہل جنت کو رزقِ معلوم ملے گا۔ جنت کے رزق میں ہلکا سا بھی شبہ نہیں کہ شاید ملے شاید نہ ملے؛ نہیں، بلکہ یقیناً اور دائماً ملے گا۔ دنیا کی طرح نہیں کہ کوئی شخص یقین کے ساتھ نہیں بتا سکتا کہ کل مجھے کیا اور کتنا رزق ملنے والا ہے۔ جنتی لوگ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھیں گے اور گفتگو کریں گے۔

اہل جہنم کا ذکر:

﴿أَذَٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ۝٦٢ إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِّلظَّالِمِينَ ۝٦٣﴾

گزشتہ آیات میں اہل جنت اور ان کے انعامات کا ذکر تھا۔ یہاں اہل جہنم اور ان کے عذاب کا ذکر ہے۔ جہنمیوں کو زقوم کا درخت جو نہایت بدبو دار، کڑوا اور کریہہ المنظر ہے، بطور خوراک ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس درخت کو ظالموں کے لیے آزمائش بنایا ہے۔ اس کے خوشے ایسے ہوں گے جیسے شیطان کا سر ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ:

﴿وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿٧٥﴾﴾

یہاں سے لے کر کئی آیات تک اللہ تعالیٰ نے چھ انبیاء (حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت لوط اور حضرت یونس علیہم السلام) کے قصص وواقعات کو بیان کیا ہے۔

نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور نوح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو دردناک عذاب سے بچالیا۔ باقی سب ختم ہوگئے۔ طوفان نوح کے بعد زمین پر جو نسلِ انسانی چلی وہ نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سام، حام اور یافث کی نسل سے ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ:

﴿وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٤﴾﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام؛ حضرت نوح علیہ السلام کے گروہ کے آدمی تھے، یعنی عقائد ایک تھے۔ قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو میلے پر لے جانا چاہتی تھی تو آپ علیہ السلام نے عذر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں بیمار ہوں۔ ہوسکتا ہے حقیقت میں بیمار ہوں یا یہ مطلب ہو کہ تمہارے کفر وشرک کی وجہ سے میری طبیعت روحانی طور پر خراب ہے۔ نہ جانے کا مقصد بتوں کو توڑنا تھا تاکہ ان کو اپنے بتوں کو بے بسی معلوم ہوجائے۔

امتحان میں کامیابی:

﴿ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ

اَذْبَحُكَ----﴿۱۰۲﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام عطا فرمائے۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ انہیں ذبح کر رہے ہیں تو بیٹے سے رائے لی۔ بیٹے نے فرمایا جو آپ نے دیکھا ہے کر گزریے۔ یہ اگرچہ خواب تھا لیکن انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوا کرتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی لیکن اللہ تعالیٰ نے جنت سے مینڈھا بھیج دیا، وہ ذبح ہوا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بچ گئے۔ یہ امتحان تھا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کامیاب ہوئے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ:

﴿وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾﴾

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ سورۃ یونس میں بھی گزر چکا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نینوا بستی میں مبعوث ہوئے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی مگر قوم نے نہ مانا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا تین دن کے بعد عذاب آئے گا اور آپ خود اس بستی سے حکم خداوندی کے آنے سے پہلے چلے گئے۔ قوم نے گڑگڑا کر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے عذاب ٹال دیا۔ آپ علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے، کشتی بھنور میں پھنس گئی، قرعہ اندازی میں آپ کا نام آیا۔ پانی میں گئے تو مچھلی نے منہ میں لے لیا پھر کچھ وقت یا دنوں بعد باہر نکال دیا۔ بعض لوگوں نے عصمتِ انبیاء کے خلاف بات کرتے کہا کہ آپ علیہ السلام نے فریضہ نبوت میں کوتاہی کی، معاذ اللہ۔ یاد رہے تمام انبیاء علیہم السلام انتخاب خدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے کوئی ایسا کام نہیں ہونے دیتے جو عصمت کے منافی ہو۔ مزید تفصیل "**دروس القرآن**" میں اسی مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔

مشرکین مکہ کی تردید:

﴿فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿١٤٩﴾﴾

شروع سورت میں بیان کیا جاچکا ہے کہ مشرکین فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ثابت کرتے تھے۔ یہاں ان کی تردید کی جارہی ہے کہ یہ کیسا انصاف ہے کہ اپنے لیے تو لڑکیوں کو پسند ہی نہیں کرتے، شرم کے مارے زندہ دفن کردیتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ثابت کرتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو نہ بیٹوں کی ضرورت ہے نہ بیٹیوں کی۔ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک اور منزہ ہیں۔

تنزیہ باری تعالیٰ:

﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٨٠﴾ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٨١﴾ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٢﴾﴾

سورۃ کے آخر میں پھر مشرکین ومنکرین کی تردید فرمائی۔ مشرکین نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اس کی تردید میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا کہ لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کو نہیں مانا تو فرمایا: وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ سلامتی ہے انبیاء علیہم السلام پر۔ مشرک لوگ شرک کا ارتکاب کرتے تھے، فرمایا: وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اللہ تعالیٰ شرک کو پسند نہیں فرماتے، اللہ توحید کو پسند فرماتے ہیں۔

سورۃ ص

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی ابتداء میں حرف "ص" ہے، اسی مناسبت سے اس کانام ص رکھا گیا ہے۔

مذاکرات میں ناکامی:

﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴿٥﴾﴾

جناب ابوطالب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتے داری کا حق نبھاتے تھے۔ ان کی آخری عمر میں مشرکین ان کے پاس آئے اور کہا کہ آپ اپنے بھتیجے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہیں کہ وہ ہمارے بتوں کو برا بھلا نہ کہیں تو ہم انہیں ان کے دین اسلام پر چلنے سے منع نہیں کریں گے۔ جب جناب ابوطالب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں انہیں ایک ایسے کلمہ کی دعوت نہ دوں کہ جس سے پورا عرب وعجم ان کے سامنے سرنگوں ہو جائے؟ انہوں نے پوچھا وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ توحید پیش کیا تو انہوں نے کہا کہ تعجب ہے کہ ہم سارے خداؤں کو چھوڑ کر ایک خدا کی عبادت کریں، یہ ہم سے نہیں ہو سکتا۔ اس پر وہ سارے لوگ چلے گئے۔ اس موقع پر سورۃ ص کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

حضرت داود علیہ السلام کی آزمائش:

﴿وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿٢١﴾﴾

حضرت داود علیہ السلام سے کوئی اجتہادی خطاء ہو گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دو بندے بھیجے جو دیوار پھلانگ کر حضرت کے پاس گئے۔ حضرت داود علیہ السلام اس وقت اپنی عبادت گاہ میں تھے۔ انہوں نے اپنے جھگڑے کا مقدمہ پیش کرکے فیصلہ چاہا۔ حضرت داود علیہ السلام نے ان کا فیصلہ فرمایا لیکن اس کے ساتھ ہی حضرت داود علیہ السلام کو اچانک خیال آیا کہ میرا تو امتحان ہو گیا، فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور سجدے میں گر گئے۔ یہاں کچھ آیات میں اس واقعے کو بیان فرمایا گیا ہے۔ لغزش کیا ہوئی تھی؟ قرآن کریم اس معاملے میں خاموش ہے۔ اس لیے ہمیں بھی کھود کرید کرنے کی ضرورت نہیں۔ تفصیلات کے لیے کتاب **"دروس القرآن"** ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر:

﴿وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ؕ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۙ﴿۳۱﴾﴾

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنگ و جہاد کے لیے عمدہ قسم کے گھوڑے رکھے ہوئے تھے۔ ایک دن آپ نے ان گھوڑوں کا معائنہ کیا اور اتنے مشغول ہوئے کہ آپ کی نماز عصر قضا ہو گئی۔ آپ کو بہت افسوس ہوا، فرمایا ان گھوڑوں کو دوبارہ لاؤ! پھر اللہ تعالیٰ کے لیے انہیں قربان کر دیا۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہواؤں، پرندوں اور جنوں پر حکومت عطا فرمائی تھی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ:

﴿وَ اذْكُرْ عَبْدَنَاۤ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ؕ﴿۴۱﴾﴾

حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک بیماری لاحق ہوئی تھی، یہاں ان کی شفا کا بیان ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے حکم خداوندی سے زمین پر پاؤں مارا تو چشمہ جاری ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے نہائیں اور اسے پییں۔ صحت مل گئی۔ بیماری کی حالت میں ایک مرتبہ شیطان حضرت کی اہلیہ سے ملا کہ میں طبیب ہوں آپ کے شوہر کا علاج کروں؟ گھر والی نے حامی بھر لی۔ شیطان نے کہا میری ایک شرط ہے کہ جب ٹھیک ہو جائیں تو آپ نے کہنا ہے کہ اس طبیب نے اسے شفا دی ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو یہ واقعہ سنایا تو آپ کو غصہ آیا کہ وہ تو شیطان تھا۔ آپ علیہ السلام نے قسم کھائی کہ ٹھیک ہو گیا تو تمہیں سو چھڑیاں ماروں گا۔ جب صحت یاب ہوئے تو پریشان تھے کہ قسم پوری کرتا ہوں تو وفادار بیوی کو تکلیف ہو گی نہیں کرتا تو حانث ہوتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایک سو چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کا ایک گٹھا لے کر ایک ہی مرتبہ اپنی بیوی کو مار دیں، قسم پوری ہو جائے گی۔

سورۃ کے آخر میں حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ الزمر

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کے آخر میں دو گروہوں کا ذکر ہے اور زمر کا معنی گروہ ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام "الزمر" رکھا گیا ہے۔

مشرکین کے غلط عقیدے کی تردید:

﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ

اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی---- ﴿۳﴾

مشرکین یہ مانتے تھے کہ کائنات کو بنانے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ لیکن وہ بتوں اور فرشتوں کی عبادت اور پوجا پاٹ کرتے اس نظریے سے کہ یہ خوش ہو کر ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے۔ یہاں ان کی تردید کی گئی ہے کہ عبادت تو خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اور شفاعت کے لیے دو شرطیں ہیں: شفاعت کرنے والا اللہ کے ہاں مقبول ہو اور جس کی شفاعت ہونی ہے وہ قابلِ مغفرت ہو۔ یہاں دونوں شرطیں مفقود ہیں تو وہ سفارش کیسے کریں گے؟

اسلام کے لیے شرح صدر:

﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ..... ﴿۲۲﴾﴾

اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص نور اور روشنی پر ہوتا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ! شرح صدر کا کیا معنی ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اس بندے کے قلب کو وسیع فرما دیتے ہیں۔ یعنی احکامِ شریعت کو سمجھنا پھر ان پر عمل کرنا اس بندے کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی نشانی پوچھی تو فرمایا: جنت کی طرف انسان کا رجوع ہوتا ہے، دنیا کے دھوکے سے بچتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کرتا ہے۔

موحد و مشرک کی مثال:

﴿ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْہِ شُرَکَآءُ مُتَشٰکِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا..... ﴿۲۹﴾﴾

ایک غلام مختلف آقاؤں کی ملکیت میں ہو اور ہر آقا اسے اپنا اپنا کام کہے تو وہ غلام پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے کہ کس کا کہا مانوں؟ دوسرا وہ غلام ہے جو صرف ایک ہی آقا کی ملکیت ہے اسے کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوتی۔ اسی طرح مشرک کئی خداؤں کو مانتا ہے اب وہ پریشان ہے کبھی اِس کے سامنے جھکا ہوا ہے اور کبھی اُس کے سامنے جھکا ہوا ہے؛ اس کو یکسوئی میسر نہیں آتی۔ جبکہ موحد صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، اسی کی اطاعت کرتا ہے۔ اسے یکسوئی حاصل ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پارہ نمبر:24

پیکر صداقت تصدیق میں اول:

﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾

ایک تفسیر کے مطابق اس آیت میں " بِالصِّدْقِ " سے مراد اسلامی احکامات اور دینی تعلیمات ہیں، عام ہے کہ وہ قرآن کریم ہو یا احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور " صَدَّقَ بِہٖٓ " سے مراد بالخصوص حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور بالعموم دوسرے تمام مؤمنین ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی تصدیق کی ہے، یہی لوگ متقین ہیں۔

تصرفِ باری تعالیٰ:

﴿اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا ۚ فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰٓی اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی۔۔۔۔ ﴿۴۲﴾﴾

ہر جاندار کی روح اللہ تعالیٰ کے قبضے، تصرف اور اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں روح کو قبض کر لیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں واپس کر دیتے ہیں۔ جیسے انسان سو جاتا ہے تو روح ایک حیثیت سے قبض ہو جاتی ہے اور بیداری کے وقت واپس لوٹا دی جاتی ہے۔ بسا اوقات نیند میں روح قبض ہوتی ہے اور بالکل واپس نہیں ہوتی یعنی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس آیت کی مزید تفسیر و تشریح میری کتاب **"دروس القرآن"** میں ملاحظہ فرمائیں۔

رحمتِ خداوندی سے مایوس نہ ہوں:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾﴾

یہ آیت گنہگاروں کے لیے بہت ہی امید افزا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو دین اسلام کی طرف دعوت دی۔ انہوں نے کہا کہ جس دین کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ تو اچھا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہم جو نے گناہ کیے ہیں مثلاً زنا، قتل ناحق، شراب وغیرہ اگر ہم ایمان لے آئیں تو کیا ہماری توبہ قبول ہو جائے گی؟ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ بڑے سے بڑا گناہ حتیٰ کہ کفر و شرک ہی کیوں نہ ہو بس بندہ صدقِ دل سے توبہ کر لے اللہ تعالیٰ اس کے ماضی کے سارے گناہ معاف فرما دیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے۔

نفخِ صور کا ہولناک منظر:

﴿وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ..... ﴿۶۸﴾﴾

صور پھونکے جانے کی وجہ سے سب بے ہوش ہو جائیں گے پھر سب مر جائیں گے اور جو پہلے مر چکے ہیں ان کی روحیں بے ہوش ہو جائیں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صور پھونکنے کے اثر سے جو موت واقع ہو گی اس سے جبرائیل، اسرافیل، میکائیل اور ملک الموت محفوظ رہیں گے۔ لیکن بعد میں ان کو بھی موت آ جائے گی اور سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے کوئی زندہ نہیں رہے گا۔

جنت مہمان خانہ اور جہنم قید خانہ:

﴿وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا..... ﴿۷۱﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے یہاں جہنم کا تذکرہ فرمایا کہ کفار کو جہنم کی طرف کھینچا جائے گا، جب جہنم کے پاس آئیں گے تو دروازے کھل جائیں گے۔ آگے جنت کے متعلق فرمایا کہ جب اہلِ جنت آئیں گے تو ان کے آنے سے پہلے جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے۔

قید خانے اور مہمان خانے میں فرق ہوتا ہے، جب قیدی کو جیل کی طرف لے کر جاتے ہیں تو دروازہ بند ہوتا ہے، اس کے پہنچنے پر دروازہ کھلتا ہے پھر دروازہ بند کر دیتے ہیں۔ جبکہ مہمان خانے کا طرز یہ نہیں ہوتا، مہمان خانہ مہمان کی آمد سے پہلے کھلا رکھتے ہیں۔

سورۃ المؤمن

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں فرعون کی قوم کے ایک مرد مؤمن کا ذکر ہے جس نے فرعون کے دربار میں بیان کیا تھا۔ اسی پر اس سورت کا نام "مؤمن" رکھ دیا گیا ہے۔

وہ سورتیں جن کے شروع میں حم آتا ہے، سورۃ المؤمن ان میں سے پہلی سورت ہے۔ انہیں حوامیم یا آل حم کہتے ہیں۔ وہ سات سورتیں ہیں:

1۔ مؤمن 2۔ حم سجدہ 3۔ شوریٰ 4۔ زخرف 5۔ دخان 6۔ جاثیہ 7۔ احقاف

یہ سورتیں بڑی شان و عظمت اور فضیلت والی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان:

﴿حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۙ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِی الطَّوْلِ ...... ﴿۳﴾﴾

یہاں اللہ تعالیٰ کی صفات بیان فرمائی ہیں: "اَلْعَزِیْزِ" عزیز ہیں، غالب ہیں، "الْعَلِیْمِ" صاحبِ علم ہیں، "غَافِرِ الذَّنْۢبِ" گناہوں کو معاف فرمانے والے ہیں، "قَابِلِ التَّوْبِ" توبہ قبول فرمانے والے ہیں، "شَدِیْدِ الْعِقَابِ" سخت سزا دینے والے ہیں، "ذِی الطَّوْلِ" طاقت والے ہیں۔

لفظ غافر: غُفْرَان سے ہے، غفران کا اصل معنی ہے ڈھانپ لینا چونکہ جب انسان کے گناہ معاف ہو جائیں تو اس کا گناہ چھپ جاتا ہے، اس لیے گناہ کی معافی کو غفران سے تعبیر کرتے ہیں۔

کفار اپنے آپ سے نفرت کریں گے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِیْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰﴾﴾

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا انہیں پکار کر کہا جائے گا کہ آج تم جس قدر اپنے آپ سے بے زار ہو رہے ہو اللہ اس سے بھی کہیں زیادہ بے زار ہوتا تھا جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا اور تم انکار کر دیتے تھے۔ یعنی کفار جب جہنم میں ہوں گے تو اس وقت اپنے آپ سے نفرت کریں گے اور ساتھ ہی ساتھ افسوس کریں گے کہ ہم نے دنیا میں کفر کا راستہ کیوں اختیار کیا تھا۔

دنیا میں واپس آنے کا سوال:

﴿قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۱۱﴾﴾

قیامت کے دن کفار کہیں گے اے ہمارے رب! دو مرتبہ آپ نے ہمیں موت دی تھی اور دو مرتبہ زندگی دی تھی، ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، کیا اب واپس جانے کی کوئی صورت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اب تم واپس نہیں جا سکتے۔

یہاں دو موتوں سے مراد ایک پیدائش سے پہلے کی اور دوسری دنیا میں زندگی کے آخر کی۔ دو حیاتوں سے مراد ایک پیدائش والی دوسری حشر والی۔ یہ دونوں ظاہری ہیں، تیسری موت و حیات برزخ والی ہے جو مخفی ہے اس لیے آیت میں اس کا صراحتاً ذکر نہیں ہے، برزخی حیات پر قرآن و حدیث کے مستقل دلائل موجود ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ:

﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾﴾

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزات اور دیگر دلائل دے کر فرعون، ہامان اور قارون کے پاس دعوت دینے کے لیے بھیجا گیا۔ جب لوگ ایمان لانے لگے تو فرعونیوں نے تجویز پیش کی کہ ان کے ایمان لانے والے مردوں کو قتل کر دو اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھو تاکہ انہیں لونڈیاں بنا کر ان سے خدمت لے سکیں۔ قتل کرنا یا تو اس وجہ سے تھا کہ ان کی نسل نہ بڑھے یا اس وجہ سے تھا کہ یہ ڈر جائیں ایمان نہ لائیں۔

رجل مؤمن کی تقریر:

﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ..... ﴿۲۸﴾﴾

فرعون؛ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو العیاذ باللہ قتل کرنا چاہتا تھا تو فرعون ہی کے خاندان کا ایک مؤمن بندہ اٹھا جس نے اپنا ایمان چھپایا ہوا تھا، اس نے فرعون اور آل فرعون کو سمجھایا۔ اس رجل مؤمن نے کہا: کیا تم ایسے بندے کو قتل کرنا چاہتے ہو جو فرمارہے ہیں کہ میرا رب اللہ ہے! اور وہ اپنے رب کی طرف سے واضح دلائل لے کر بھی آئے ہیں۔ اگر یہ جھوٹ بولتے ہیں تو جھوٹ کا وبال خود انہی کو پہنچے گا۔

انبیاء اور مؤمنین سے نصرت خداوندی کا وعدہ:

﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ہم اپنے نبیوں کی اور ان پر ایمان لانے والوں کی دنیوی مدد اور نصرت بھی کرتے ہیں۔ اکثر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ تو یہ وعدہ دنیا میں ان کی موجودگی میں پورا ہوا جیسے غزوہ بدر اور فتح مکہ کے موقع پر اور بعض انبیاء علیہم السلام (حضرت یحییٰ، زکریا اور شعیب علیہم السلام) کے دنیا سے جانے کے بعد ان کے دشمنوں سے انتقام لینے کی صورت میں پورا ہوا کہ کفار کو یا تو تباہ و برباد کر دیا یا مغلوب کر دیا۔ اور آخرت میں انبیاء کرام علیہم السلام اور مؤمنین کے لیے مدد و نصرت کا خصوصی وعدہ ہے۔

عصمت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾﴾

اس آیت کریمہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزوں کو حکم دیا گیا ہے:

- آپ صبر کریں۔
- اللہ سے معافی مانگیں اپنے ان معاملات کی جو آپ کی شان کے لائق نہیں تھے۔
- صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید کریں۔

اھل السنۃ والجماعۃ کے عقیدے کے مطابق نبی اکرم صلی للہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے، اس کی وجہ امت کو سبق دینا مقصود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہونے کے باوجود اتنی کثرت سے اپنے ایسے کاموں پر معافی مانگتے ہیں جو حقیقت میں گناہ نہیں، تو جو لوگ معصوم نہیں انہیں تو بطریق اولی معافی مانگنی چاہیے۔

انعاماتِ خداوندی:

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے جو انعامات اپنے بندوں کو عطا فرمائے ہیں ان میں سے دو نعمتیں رات اور دن ہیں۔ دن کو اس لیے بنایا کہ انسان روشنی میں اپنے کام کاج اور دیگر

معاملات دیکھ اور چلا سکے۔ جب تھک جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے سکون اور آرام کے لیے رات بنائی۔ اندھیرا چھا جاتا ہے اور انسان رات کو سکون حاصل کرتے ہیں۔

علم غیب اور مختار کل کی نفی:

﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بہت سے پیغمبر مبعوث ہوئے۔ ان میں سے بعض کے حالات سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا گیا اور بعض کے حالات سے آگاہ نہیں کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا خاصہ ہے۔ مشرکین روزانہ نت نئے فرمائشی معجزات کا مطالبہ کیا کرتے تھے اور ایمان نہیں لاتے تھے۔ یہاں انہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی جواب دیا جارہا ہے کہ معجزہ دکھانا کسی پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی دکھایا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔

وحی کے مقابلے میں اپنے علم پر ناز کرنا:

﴿فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾﴾

جب پیغمبر کفار کے سامنے کھلی کھلی نشانیاں پیش کرتے تو کفار اپنے علم پر ناز کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے۔ یہاں علم سے مراد دنیاوی زندگی کا ظاہری علم وفن

اور ظاہری ہنر ہے۔ اس پر اکڑتے اور کہتے کہ ہم کیوں کلمہ قبول کریں! پھر جب اللہ تعالیٰ کا عذاب انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو ایمان قبول کرنے لگے۔ یہ نزع کی حالت کے وقت کا ایمان تھا اور ایسا ایمان معتبر نہیں، تو انہیں نقصان ہی اٹھانا پڑا۔

سورۃ حم السجدہ

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کے شروع میں "حم" کا لفظ ہے اور آگے آیت نمبر 37 میں سجدہ تلاوت کا ذکر ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام "حم سجدہ" رکھا گیا ہے۔

﴿حٰمٓ ۝١ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢﴾

کفار مکہ کی طرف سے پیش کش:

اس سورۃ کا دوسرا نام سورۃ فصلت ہے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں تشریف فرما تھے، ابو الولید عتبہ بن ربیعہ نے آکر آپ کو پیش کش کی کہ اگر آپ کو حکومت چاہیے تو ہم آپ کو اپنا حاکم بناتے ہیں، اگر پیسے چاہییں تو اکٹھے کرتے ہیں، اگر آپ پر کسی جن کا اثر ہے تو علاج کرواتے ہیں، مگر آپ اپنی تبلیغ چھوڑ دیں، ہمارے مذہب اور بتوں کو برا بھلا نہ کہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں اس سورۃ کی تلاوت شروع کی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پر پہنچے ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۝١٣﴾ تو ابو الولید پر خوف طاری ہو گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک پر رکھا اور کہا کہ میں

خاندان اور قرابت کا واسطہ دیتا ہوں کہ رک جائیں اور آگے نہ پڑھیں۔ عتبہ نے واپس اپنے لوگوں کے پاس آکر کہا میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بہتر یہی ہے کہ تم لوگ ان (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

مشرکین کی ضد:

﴿وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ وَ فِیْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَیْنِنَا وَ بَیْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ﴿۵﴾﴾

کفار کہتے تھے کہ جس چیز کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں اس کے لیے ہمارے دل پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ پڑے ہوئے ہیں، ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے آپ اپنا کام کریں اور ہم اپنا کام کریں۔ حالانکہ پردہ نہیں تھا کیونکہ ہوتا تو نظر آجاتا۔ یہ محض کفار کی ہٹ دھرمی تھی کہ ہم تمہاری بات نہیں سن رہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب میں فرمایا میں بھی تم جیسا انسان ہوں البتہ مجھ پر یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اور مشرکین کے لیے تباہی ہے۔

کفار کو تنبیہ:

﴿فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً---﴿۱۵﴾﴾

اللہ تعالی نے گزری ہوئی قوموں کے برے انجام کا ذکر فرمایا۔ قوم عاد و ثمود جو اپنے آپ کو بہت قوت و طاقت والے خیال کرتے تھے اور تکبر و غرور کی وجہ سے اپنے پیغمبروں پر ایمان نہیں لائے تو برباد ہو گئے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں اگر تم بھی ایسا

ہی کروگے تو تم بھی ہلاک وبرباد ہوجاؤگے تمہارے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا۔

اعضاء جسمانی کا گواہی دینا:

﴿وَ يَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝۱۹ حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲۰﴾

کچھ کفار چھپ کر گناہ کرتے اور کہتے کہ اس گناہ کا تو کسی کو پتا نہیں حتی کہ اللہ تعالیٰ کو بھی اس کا علم نہیں۔ حالانکہ کائنات کا کوئی ذرہ بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انسان کے اعضاء (کان، آنکھوں اور کھال) کو قوت گویائی عطا فرمائیں گے تو انسان کے اپنے اعضاء خود اس کے خلاف گواہی دیں گے۔

اہل ایمان کا ذکر:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۳۰﴾

گزشتہ آیات میں کفار کا تذکرہ تھا، یہاں اہل ایمان کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان کی شان یہ ہے کہ جب وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے تو پھر ثابت قدم رہتے ہیں۔ مصائب کے وقت بھی دین پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہتے ہیں۔ نتیجۃً اللہ تعالیٰ ان کو حزن و غم سے محفوظ فرما لیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان اور اس کی رحمت کے مستحق ہوتے ہیں۔

لفظ "استقامت" کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں کہ استقامت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر سیدھے جمے رہو۔ گویا لفظ استقامت تمام شرائع اسلام کو جامع ہے۔

حفاظتِ قرآن کریم:

﴿لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾﴾

گزشتہ آیت میں ملحدین کے انجام (جہنم) کا ذکر تھا۔ ملحد اسے کہتے ہیں جو قرآن کریم کے الفاظ کو مانے لیکن معنی میں تحریف کرے۔ یہاں قرآن کریم کے محفوظ ہونے کا ذکر ہے۔ قرآن کریم ایک ایسی آسمانی کتاب ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے۔ جس طرح قرآن کریم کے الفاظ محفوظ ہیں اسی طرح معانی بھی محفوظ ہیں۔

﴿مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ﴾ سے مراد ظاہر یعنی الفاظ قرآن ہیں۔ ﴿مِنْ خَلْفِهٖ﴾ سے مراد باطن یعنی معانی ہیں۔ جو سامنے ہے وہ نظر آتا ہے اور جو پیچھے ہے وہ نظر نہیں آتا۔ یعنی قرآن کا ظاہر بھی محفوظ رہے گا اور قرآن کا باطن بھی محفوظ رہے گا۔ نہ کوئی قرآن کا لفظ بدل سکتا ہے نہ ہی معنی بدل سکتا ہے۔ کوشش تو کریں گے لیکن رسوا ہوں گے، بالآخر حق ہی غالب رہے گا۔

قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت:

﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْ لَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَ اَعْجَمِيٌّ وَّ عَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ ----- ﴿۴۴﴾﴾

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی فصاحت اور بلاغت کی ایک حکمت یہ بیان کی ہے کہ اگر یہ قرآن کریم فصاحت وبلاغت پر مشتمل نہ ہوتا تو مشرک لوگ یہ اعتراض کرتے کہ صاحبِ کتاب جس پر قرآن کریم کا نزول ہوا وہ خود تو فصیح و بلیغ ہیں مگر ان پر نازل ہونے والی کتاب غیر فصیح ہے، معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پیدا ہونے والے شبہ کا تسلی بخش جواب دیا کہ یہ کتاب فصاحت وبلاغت کے اتنے اونچے معیار پر ہے کہ اہل عرب جنہیں اپنی فصاحت وبلاغت پر ناز ہے وہ بھی اس کی ایک آیت کی مثل لانے سے عاجز آ گئے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ کلام کسی مخلوق کا نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ نمبر:25

علم غیب اللہ تعالیٰ کی ذات کا خاصہ ہے:

﴿اِلَيۡهِ يُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ ؕ وَ مَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَكۡمَامِهَا وَ مَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ----﴿۴۷﴾﴾

مشرکین و کفار انکار کرنے اور استہزاء کرنے کے لیے اکثر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے بارے سوال کرتے کہ کب آئے گی؟ یہاں جواب دیا گیا کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اسی طرح پھل کا اپنے شگوفے سے نکلنا، مادہ کو حمل ٹھہرنا، بچے کا پیدا ہونا؛ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے علم میں آئے بغیر وجود میں نہیں آتیں۔

انسان کی فطرت:

﴿وَ اِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِيۡضٍ ﴿۵۱﴾﴾

اگر انسان پر اچھے احوال آجائیں اور خوشی کے مواقع ہوں تو انسان اکڑ دکھاتا اور تکبر کرتا ہے۔ اگر احوال اچھے اور موافق نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ انسان کی حالت یہ نہیں ہونی چاہیے بلکہ اپنی فطرت کو ایسا رکھنا چاہیے کہ جب وہ تکلیف میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو خوشی میں بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرے اس لیے کہ ہر حالت کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ دونوں طرح کے حالات میں اسی کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔

قدرت وتوحید باری تعالیٰ کی نشانیاں:

﴿سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ وَفِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَـقُّ ؕ اَوَ لَمۡ يَكۡفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ﴿۵۳﴾﴾

اللہ تعالیٰ کائنات (آسمان وزمین) میں اور خود انسانی جسم میں ایسی کئی نشانیاں دکھاتے ہیں جن میں کوئی ادنیٰ عقل وشعور کا آدمی بھی غور کرے تو اس اعتراف پر مجبور ہو گا کہ ان کو پیدا کرنے اور قائم رکھنے والی کوئی ایسی ذات موجود ہے جس کے علم وقدرت کی کوئی انتہا نہیں۔ انسانی جسم کے ایک ایک عضو پر غور کریں کہ اسے کیسے بنایا گیا پھر اس میں رگیں کتنی اور کیسے جوڑی گئیں ان میں خون کتنی تیزی کے ساتھ دوڑتا ہے۔ یہ ایسی کاریگری ہے کہ انسان ساٹھ ستر سال کا بھی ہو جائے تو اس کے اعضاء گھستے نہیں۔

سورۃ الشوریٰ

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی آیت نمبر 38 میں ہے﴿ وَ اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ﴾ اہل ایمان کے معاملات آپس میں مشورہ کے ساتھ طے پاتے ہیں، اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام "شوریٰ" رکھ دیا گیا ہے۔

ملائکہ کی وجہ سے آسمان کا پھٹنا:

﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡ فَوۡقِهِنَّ وَالۡمَلٰۤئِكَةُ يُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَيَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ----﴿۵﴾﴾

ایسے لگتا ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان میں اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے اور اللہ کی عبادت کرنے والے فرشتے اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ یوں لگتا ہے ان کے بوجھ سے آسمان پھٹ پڑے گا۔

رشتہ داری کا لحاظ کرو:

﴿قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى..... ﴿۲۳﴾﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تبلیغ فرماتے تو کفار و مشرکین کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائی جاتی اور آپ علیہ السلام کی دعوت کے لیے رکاوٹیں کھڑی کی جاتیں۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ اے میرے پیغمبر! آپ ان سے کہیں کہ میں تمہیں جو دعوت دیتا ہوں اس پر پیسے نہیں مانگتا، بس یہ کہتا ہوں کہ رشتہ داری کا خیال کرو۔

مطلب یہ ہے کہ میرے تم پر دو حقوق ہیں۔ پہلا اور اصل حق تو یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تم اس کا اعتراف کرکے میری اطاعت کرو۔ اگر یہ نہیں کرتے تو کم از کم میرے دوسرے خاندانی حق کی وجہ سے میرا لحاظ کرلو کہ میری بات کو توجہ سے سنو! میں تمہارا آدمی ہوں، میرے راستے میں رکاوٹیں مت ڈالو۔

مصیبت کا سبب:

﴿ وَ مَاۤ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَ يَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ﴿۳۰﴾﴾

اکثر و بیشتر تو ایسے ہی ہوتا ہے کہ انسان کو تکلیف اس کے گناہوں کی وجہ سے پہنچتی ہے۔ لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ اس آیت سے وہ شخصیات مستثنیٰ ہیں جن کے

گناہ نہیں ہوتے انہیں پھر بھی آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام، نابالغ بچے وغیرہ۔ ان پر آزمائش کا آنا گناہوں کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے درجات کو بلند کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

آخرت میں اجر کے مستحقین کی کچھ صفات:

﴿وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ۝٣٦﴾

جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لیے:

جن کے عقیدے ٹھیک ہیں، جو اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں، جو بڑے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں، جب کبھی غصہ ہوتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی بات مانتے ہیں، نماز کی پابندی کرتے ہیں، اپنے معاملات باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں، جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ خرچ بھی کرتے ہیں اور جب ان پر ظلم ہو تو بدلہ لیتے ہیں۔ لیکن بدلہ لینے کے لیے بھی انصاف سے کام لیتے ہیں یعنی حق سے تجاوز نہیں کرتے۔

خالق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے:

﴿لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ الذُّكُوۡرَ ۝٤٩﴾

یہاں کائنات کی تخلیق کو بیان کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت خلق میں کوئی اور شریک نہیں۔ انسانیت کی تخلیق کو بھی بیان کیا کہ اولاد دینا، کسی کو لڑکی دینا یا لڑکا دینا، یا لڑکا لڑکی دونوں دینا یا کچھ بھی نہ دینا اس میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا کوئی عمل دخل نہیں، حتیٰ کہ ماں باپ جو اپنی اولاد کی پیدائش کے لیے ظاہری سبب بنتے ہیں

انہیں بھی اس میں کوئی اختیار نہیں۔

قرآنی ترتیب میں لڑکی کا اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کیا ہے۔ اگر کسی کے ہاں پہلی اولاد لڑکی کی صورت میں ہو تو وہ قرآنی ترتیب کے مطابق بھی ہو گی اور مبارک بھی ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کا انسان سے ہم کلام ہونے کا طریقہ:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحۡيًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوۡ يُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَيُوۡحِىَ بِاِذۡنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِىٌّ حَكِيۡمٌ ﴿۵۱﴾﴾

مشرکین؛ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے کہ ہم آپ پر کیسے ایمان لائیں؟ آپ اللہ تعالیٰ سے بالمشافہ کلام نہیں کرتے جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بالمشافہ کلام کیا تھا۔ یہاں مشرکین کی اس بات کی تردید کی گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پردے کے پیچھے سے کلام کیا۔ دنیا میں کسی انسان میں یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے آمنے سامنے کلام کرے۔ ہاں البتہ جب بات کرنی ہو تو تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقے کو اپنایا جاتا ہے:

وَحۡيًا یعنی الہام کے ذریعے اللہ تعالیٰ دل میں کوئی بات ڈال دیتے ہیں۔ مِنۡ وَّرَآئِ حِجَابٍ پردے کے پیچھے سے۔ یعنی کوئی صورت تو نظر نہ آئے بس آواز کانوں میں آئے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بات ہوئی۔ يُرۡسِلَ رَسُوۡلًا اور تیسرا طریقہ اللہ تعالیٰ جبرائیل امین علیہ السلام کے ذریعہ اپنا کلام اپنے پیغمبر پر بھیج دیتے ہیں۔

سورۃ الزخرف

وجہ تسمیہ:

"زخرف" سونے کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورۃ میں سونے کا ذکر کیا گیا ہے اسی مناسبت سے اس کا نام زخرف رکھ دیا گیا ہے۔

اس سورۃ میں مشرکین مکہ کے مختلف اعتراضات کے جوابات دے کر ان کی تردید کی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔

قرآن کریم کے واضح ہونے کا مطلب:

﴿حٰمٓ ۚ ﴿۱﴾ وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۙ ﴿۲﴾﴾

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ قسم ہے اس کتاب کی جو بڑی واضح ہے۔ یہاں پر واضح ہونے سے مراد یہ ہے کہ بطورِ وعظ و نصیحت قرآن کریم بڑی واضح کتاب ہے۔ اس کا معنی یہ کرنا کہ قرآن کریم میں احکام بہت واضح ہیں، یہ معنی درست نہیں ہے۔ کیونکہ اگر احکام واضح ہوتے تو استنباط اور اجتہاد کی ضرورت نہ ہوتی، حالانکہ احکام کے لیے استنباط اور اجتہاد کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح ان آیات میں بھی اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے جن میں ابہام یا اجمال ہوتا ہے یا دو آیات آپس میں بظاہر متعارض ہوتی ہیں۔

مشرکین کی قابل نفرت سوچ:

﴿اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخۡلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصۡفٰكُمۡ بِالۡبَنِيۡنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحۡمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّهُوَ كَظِيۡمٌ ﴿۱۷﴾﴾

مشرکین فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ثابت کرتے ہیں؛ حالانکہ مشرکین

کی اپنی حالت یہ ہے کہ اگر ان کے ہاں بیٹی پیدا ہو تو ان کے چہرے سیاہ ہو جاتے ہیں، لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے ہیں اور اسے زندہ در گور کرنے کی تدبیریں سوچنے لگتے ہیں۔ یہ کتنی قابل نفرت اور غلط سوچ ہے۔ جس چیز کو تم اپنے لیے ناپسند کرتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیسے ثابت کرتے ہو؟

مشرکین کے دعویٰ کی تردید:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٦﴾﴾

گزشتہ آیات میں تھا کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی جاتی تو وہ اپنے دین کو صحیح سمجھتے ہوئے کہتے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم کے مطابق ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔

یہاں سے ان کے اس غلط دعوے کی تردید ہو رہی ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن و سنت اور قطعی عقائد کے معاملے میں باپ دادا کی تقلید غلط طریقہ ہے۔ اگر باپ دادوا کے پیچھے چلنا ہی تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام؛ جو ابوالانبیاء ہیں، جنہوں نے شرک سے کھلم کھلا بیزاری اور براءت کا اعلان کیا تھا؛ ان کے پیچھے کیوں نہیں چلتے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اپنی اولاد میں یہی کلمہ توحید چھوڑا تھا، تم شرک پر کیوں چل رہے ہو؟

مشرکین کی غلط سوچ اور اس کی تردید:

﴿وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿٣١﴾﴾

مشرکین کہتے کہ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے اتارنا تھا تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی پر اتارا جاتا جس کے پاس مال و دولت خوب ہوتا۔ مشرکین کی سوچ یہ تھی

کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاصہ (نبوت) غریب آدمی کو نہیں بلکہ امیر آدمی کو ملنی چاہیے تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں اس کا جواب دیا: تم نبوت کو تقسیم کرتے ہو کہ نبوت فلاں کو ملنی چاہیے فلاں کو نہیں ملنی چاہیے۔ نبوت تو رحمتِ خاصہ ہے؛ دنیا کی روزی رحمتِ عامہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی وقعت ہی نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی تقسیم کا اختیار تمہیں نہیں دیا۔ نبوت تو بہت اعلیٰ درجے کی چیز ہے اس کی تقسیم کا اختیار تمہیں کیسے دیں گے!

ذکر اللہ کو چھوڑنے کا نقصان:

﴿وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ ﴿۳۶﴾﴾

جو شخص ضد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کو چھوڑ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بات کو نہیں مانتا تو اللہ تعالیٰ اس پر شیطان کو مسلط فرما دیتے ہیں۔ پھر وہ شیطان اسے نیکی کی طرف نہیں آنے دیتا۔ شیطان اس کا ساتھی بن جاتا ہے اور اس کو سیدھے راستے سے ہٹاتا ہے۔ وہ بندہ یہ سمجھتا ہے کہ میں ہدایت پر ہوں حالانکہ وہ ہدایت پر نہیں ہوتا۔

سابقہ انبیاء علیہم السلام سے پوچھنے کا مطلب:

﴿وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِهَةً يُّعۡبَدُوۡنَ ﴿۴۵﴾﴾

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلے انبیاء علیہم السلام سے پوچھنے کا مطلب یہ ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں اور کتابوں کا جو کچھ حصہ باقی ہے اس میں آپ دیکھیں۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ لیلۃ المعراج میں جب آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کی تمام انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی اس وقت پوچھیں کہ کیا کبھی بھی ہم نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟

ایک کافر کے اعتراض کا جواب:

﴿وَلَمَّا ضُرِبَ ابۡنُ مَرۡيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوۡمُكَ مِنۡهُ يَصِدُّوۡنَ ﴿۵۷﴾﴾

جب سورۃ الانبیاء کی یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ "کہ تم لوگ اور جس کی تم پوجا کرتے ہو، سب جہنم کا ایندھن بنو گے"۔ تو ایک کافر نے کہا کہ میرے پاس اس آیت کا جواب ہے، وہ یہ کہ عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں، تو کیا وہ بھی جہنم میں جائیں گے؟ اس پر مشرکین نے بہت شور مچایا کہ اس نے لاجواب اعتراض کیا ہے۔ حقیقت میں اس اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ سورۃ انبیاء کی آیت میں بت پرستوں کو خطاب تھا۔ آیت زخرف میں بتوں کے علاوہ وہ لوگ شامل تھے جنہوں نے لوگوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا تھا۔ رہی بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تو انہوں نے تو کبھی بھی کسی کو اپنی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ عیسیٰ علیہ السلام تو فرماتے ہیں "میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، مجھے خدا نے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے"۔

عقیدہ اِبنیّت اور مشرکین کی تردید:

﴿قُلۡ اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِيۡنَ ﴿۸۱﴾﴾

گزشتہ آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونے کی نفی تھی۔ اب یہاں اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ہونے کی نفی، مشرکین کے بے ہودہ اعتراضات اور ان کے غلط عقائد کا رد ہے کہ اے پیغمبر! آپ یہ اعلان کر دیجیے کہ اگر

فرض محال کے طور پر خدا کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے عبادت کرنے والا میں ہوتا۔

سورۃ الدخان

وجہ تسمیہ:

"دخان" عربی میں دھویں کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورۃ میں دھویں کا ذکر ہے اسی وجہ سے اس کا نام دخان رکھا گیا ہے۔

یہ سورۃ مکی ہے دیگر سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید، رسالت اور آخرت کو ثابت کیا گیا ہے۔ مشرکین مکہ پر قحط مسلط کیا گیا تھا اس کا بھی ذکر ہے۔

لیلہ مبارکہ سے کیا مراد ہے؟

﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ ﴿۳﴾﴾

قرآن کریم کو ہم نے برکت والی رات میں نازل فرمایا ہے کیونکہ ہم لوگوں کو ڈرانے والے ہیں۔ لیلہ مبارکہ؛ برکت والی رات سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ کیونکہ سورۃ القدر میں صراحت کے ساتھ قرآن کریم کا لیلۃ القدر میں نازل ہونا منقول ہے۔ تو اس سے لیلہ مبارکہ کی تعیین ہو رہی ہے۔ "اَنۡزَلۡنٰهُ" اس کا مطلب یہ ہے کہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر پورا قرآن کریم ایک ہی مرتبہ نازل کیا گیا ہے۔ پھر آسمان دنیا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر 23 سال تک تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔

"دخان" سے کیا مراد ہے؟

﴿فَارۡتَقِبۡ یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۰﴾﴾

اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی

مسلسل مخالفت اور اسلام دشمنی کی وجہ سے بد دعا کی تو مکہ پر سخت قحط پڑا اور قحط اتنا شدید تھا کہ لوگ ہڈیاں اور مردار کھانے پر مجبور ہو گئے۔ لوگ آسمان کی طرف دیکھتے تو بھوک کی وجہ سے انہیں دھواں نظر آتا تھا۔ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اگر آپ دعا کریں اور قحط ختم ہو جائے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو قحط ختم ہو گیا لیکن وہ ایمان پھر بھی نہیں لائے۔

فرعون کی تباہی:

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿١٧﴾﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو میرے حوالے کر دو کیونکہ میں امانت دار پیغمبر بن کر تمہاری طرف آیا ہوں۔ فرعون نے بجائے ماننے کے الٹا موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی دھمکیاں دیں۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے حواریوں کو سمندر میں غرق کر دیا۔

اہل جہنم کا کھانا:

﴿اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿٤٤﴾﴾

یہاں سے اہل جہنم کے کھانوں کا ذکر ہے۔ انہیں جہنم میں کھانے کے لیے زقوم کا درخت ملے گا جس کی شکل تلچھٹ جیسی ہو گی تو ان کے پیٹ میں ہنڈیا کی طرح ابال شروع ہو جائے گا، یہ درخت شکل سے بھی بے کار ہو گا اور ذائقے کے اعتبار سے بھی ٹھیک نہیں ہو گا۔

اہل جنت کے لیے انعامات:

﴿اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ مَقَامٍ اَمِیۡنٍ ﴿۵۱﴾ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿۵۲﴾﴾

گزشتہ آیات میں جہنمیوں کی خوراک کا ذکر تھا۔ یہاں سے متقین کے انعامات کا ذکر ہے کہ متقین ایسی جگہ پر ہوں گے جو امن والی ہو گی، باغات میں ہوں گے اور چشموں میں ہوں گے۔ باریک ریشم بھی پہنیں گے اور موٹا ریشم بھی پہنیں گے، آمنے سامنے بیٹھیں گے۔ خوب صورت آنکھوں والی حوروں سے ہم ان کی شادیاں کرائیں گے۔ اللہ کریم مجھے بھی جنت کی خوشیاں نصیب کریں اور آپ سب کو بھی نصیب کریں۔

سورۃ الجاثیہ

وجہ تسمیہ:

"جاثیہ" کا عربی میں معنی ہے گھٹنوں کے بل بیٹھنا۔ چونکہ اس سورۃ میں قیامت کی ہولناکی کو بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ خوف کی وجہ سے گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے؛ اسی وجہ سے اس کا نام جاثیہ رکھ دیا گیا ہے۔

دلائل توحید و قدرتِ باری تعالیٰ:

﴿اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾﴾

یہاں شروع میں اللہ تعالیٰ نے دلائلِ توحید و قدرت بیان فرمائے ہیں اور طرز میں تنوع رکھا ہے، الگ الگ طرز اختیار فرمایا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے دلائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں یقین رکھنے والوں کے لیے دلائل

ہیں۔ دن اور رات کے آنے جانے میں اور جو رزق خدا نے آسمان سے اتارا اور اس کے ذریعے زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا، اور ہواؤں کے چلنے میں عقلمندوں کے لیے دلائل ہیں۔

گویا یہاں تین قسم کے لوگ ہوئے: جو ایمان لا چکے ہیں۔ جو ایمان تو نہیں لائے لیکن ان کو دلائل پر یقین ہے اسی وجہ سے ایمان بھی لے آئیں گے۔ تیسرے نہ ایمان لائے اور نہ ہی دلائل پر یقین رکھتے ہیں لیکن ان کے پاس عقل سلیم ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ یہ یقین کر کے ایمان لے آئیں گے۔ مذکورہ تینوں کامیاب ہوں گے۔

شریعت؛ عقائد اور مسائل کا نام:

﴿ثُمَّ جَعَلۡنٰكَ عَلٰى شَرِيۡعَةٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ فَاتَّبِعۡهَا وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸﴾﴾

گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کتاب، حکومت، نبوت، پاکیزہ روزی اور کھلے کھلے احکام دیے تھے۔ اس کے باوجود وہ حسد وضد کی وجہ سے آپس کے اختلاف میں پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے۔ اب یہاں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہو رہا ہے کہ اے میرے پیغمبر! ہم نے آپ کو دین کی ایک خاص شریعت پر رکھا ہے لہذا اسی کی پیروی کرنا اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلنا جو حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

شریعت بنیادی طور پر دو چیزوں کا نام ہے: عقائد اور مسائل۔ عقائد میں گزشتہ انبیاء علیہم السلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ مسائلِ شریعت ان کے الگ تھے اور ہمارے الگ ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کی شریعت کا جو مسئلہ ہوتا ہے وہی مسئلہ ہماری شریعت کا بھی ہوتا

ہے۔ یہ اس وقت ہے جب ان کی شریعت کے مسائل کو منسوخ نہ کیا گیا ہو۔ ان کی شریعت کے وہ مسائل جنہیں منسوخ کر دیا گیا ہو وہ ہماری شریعت کے مسائل نہیں ہوں گے۔

نسخ مسائل میں ہوتا ہے عقائد میں نہیں ہوتا کہ کل عقیدہ اور ہو اور آج عقیدہ اور ہو۔ اس لیے عقائد میں اختلاف نہیں ہے، صرف مسائل میں ہے۔

قیامت کی ہولناکی:

﴿وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾﴾

قیامت کے دن مختلف مراحل سے گزرنا پڑے گا ایک مرحلہ ایسا بھی آئے گا کہ لوگ وہاں کے ہولناک مناظر دیکھ کر گھٹنوں کے بل گر جائیں گے اور انہیں نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ دنیا میں کیے ہوئے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ انبیاء علیہم السلام اور بہت سارے صلحاء رحمہم اللہ بھی گھٹنوں کے بل بیٹھیں گے لیکن ان کا بیٹھنا اتنے کم وقت کے لیے ہو گا جو نہ ہونے کے برابر ہو گا۔ یا پھر ان کے بیٹھنا خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی وجہ سے ہو گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ نمبر:26

سورۃ الاحقاف

وجہ تسمیہ:

"احقاف" ریت کو ٹیلے کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورۃ میں قوم عاد کا ذکر ہے جو ریت کے ٹیلوں کے پاس آباد تھی، اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام "احقاف" رکھ دیا ہے۔

توحید خداوندی پر دلائل نقلیہ اور عقلیہ:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ..... (۴)﴾

یہاں اسلام کے بنیادی عقائد میں سے عقیدہ توحید پر دلائل کا بیان ہے۔

دلائل کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں:

1: دلائل عقلی 2: دلائل نقلی

اور دلیل نقلی میں پھر دو قسم کی دلیلیں ہوتی ہیں:

ایک دلیل وہ جو آسمانی کتاب میں ہو۔ ایک دلیل وہ جو پیغمبر کی زبان سے ہو۔

تو یہاں تینوں قسم کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾

اے پیغمبر! آپ ان سے فرمائیں کہ یہ جو تم اللہ کے علاوہ اوروں کی عبادت کرتے ہو تو یہ بتاؤ کہ جن کو تم خدا بناتے ہو کیا انہوں نے زمین کی کوئی چیز پیدا کی ہے؟ یا آسمانوں کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ یہ عقلی دلیل ہے۔

﴿اِیۡتُوۡنِیۡ بِکِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ ھٰذَاۤ﴾

تمہارے اس دعویٰ پر اگر اس سے پہلے کسی کتاب؛ تورات، انجیل، زبور یا کسی آسمانی صحیفے میں کوئی بات درج ہے تو میرے پاس لاؤ! یہ دلیل نقلی ہے۔

﴿اَوۡ اَثٰرَۃٍ مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ﴾

یا کسی پیغمبر کی زبان سے کوئی بات نکلی ہو، کوئی علمی بات ہو تو بتاؤ اگر تم سچے ہو تو۔ یہ بھی دلیل نقلی ہے۔

قرآن کریم کی حقانیت:

﴿اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ قُلۡ اِنِ افۡتَرَیۡتُہٗ فَلَا تَمۡلِکُوۡنَ لِیۡ مِنَ اللّٰہِ شَیۡئًا...... ﴿۸﴾﴾

کفار و مشرکین کا الزام یہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ انہیں جواب دیا جا رہا ہے کہ "اگر میں نے اسے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے تو تم مجھے اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بالکل بھی نہیں بچا سکو گے" یعنی اللہ تعالیٰ کا طریقہ اور دستور یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی چیز کی نسبت کرے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو دنیا میں ہی ذلیل و رسوا فرما دیتے ہیں۔ بالفرض میں نے یہ اپنی طرف سے گھڑا ہے تو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے مجھے کوئی بھی نہیں بچا سکے گا۔ معلوم ہوا کہ یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔

اہل کتاب قرآن پر ایمان لائیں گے:

﴿قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ وَ کَفَرۡتُمۡ بِہٖ وَ شَہِدَ شَاہِدٌ مِّنۡۢ بَنِیۡۤ

اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ----﴿۱۰﴾

اس آیت میں ایک تو یہ پیشین گوئی کی جارہی ہے کہ اہل کتاب میں سے کچھ حضرات (عبد اللہ بن سلام، عدی بن حاتم رضی اللہ عنہما وغیرہما) قرآن کریم پر ایمان لائیں گے اور گواہی دیں گے کہ اسی جیسی کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی نازل ہوئی تھی۔ مشرکین کو تنبیہ بھی کی جارہی ہے کہ اہل کتاب میں سے اہل ایمان قرآن کریم پر بھی ایمان لاکر تم پر سبقت لیے جارہے ہیں اور تم غرور و تکبر میں پڑے ہو۔

حقوق الوالدین:

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا.....﴿۱۵﴾﴾

یہاں اولاد کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ والدین اسلام لے آتے اور اولاد کفر پر ہوتی۔ بعض دفعہ اولاد اسلام قبول کرلیتی مگر والدین کفر پر برقرار رہتے اور بعض مرتبہ اپنی مسلمان اولاد پر تشدد بھی کرتے۔ تو یہاں اولاد کو سمجھایا جارہا ہے کہ والدین جیسے بھی ہوں، ان کے حقوق کا خیال رکھو۔ البتہ کفر، غلط عقائد اور گناہ کے کام میں ان کی اطاعت نہ کرنا۔

شانِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ:

﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ-----﴿۱۵﴾﴾

ایک تفسیر کے مطابق یہ دعا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مانگی تھی۔ اے اللہ! مجھے توفیق دیں کہ وہ نعمتیں جو آپ نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی ہیں؛ میں ان پر آپ کا شکر ادا کروں۔ میں ایسے نیک اعمال کروں جن سے آپ

راضی ہو جائیں اور آپ میری اولاد کو بھی نیک بنا دیں۔ اے اللہ! میں آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

قوم عاد کو توحید کی طرف دعوت:

﴿وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ..... (۲۱)﴾

توحید اسلام کے بنیادی عقائد میں سے پہلا عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان متفق علیہ رہا ہے۔ قوم عاد جو یمن کے علاقے میں آباد تھی، حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث کیا گیا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے بھی دیگر انبیاء کی طرح اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی۔ لیکن انہوں دعوت قبول کرنے سے انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کر کے انہیں ہلاک کر دیا۔

جنات کا اسلام قبول کرنا:

﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ..... (۲۹)﴾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل طائف کو تبلیغ کر کے واپس مکہ تشریف لاتے ہوئے مقام نخلہ پر فجر کی نماز کی ادائیگی میں تلاوت فرما رہے تھے۔ جنات کی ایک جماعت وہاں سے گزر رہی تھی وہ ایک دوسرے کو خاموش کروا کر قرآن کریم سننے کے لیے رک گئے۔ اسلام بھی قبول کر لیا اور اپنی قوم کے لیے داعی بنے۔ پھر وقتاً فوقتاً کئی وفود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور اسلام قبول کرتے رہے۔

امام الانبیاء کو صبر کی تلقین:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَ لَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۭ كَاَنَّهُمْ

﴿يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ---- ﴿۳۵﴾﴾

گزشتہ آیت میں تھا کہ آپ طائف سے واپس آرہے تھے جب جنوں کی ایک جماعت نے قرآن کریم سنا۔ اہل طائف نے آپ کو تکلیفیں پہنچائیں۔ اب یہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین کی جارہی ہے کہ آپ ان کی تکلیفوں پر صبر کریں جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا۔

سورۃ محمد

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی لیا گیا ہے۔ اس لیے اس سورۃ کا نام "محمد" رکھا گیا ہے۔

کفار اور مؤمنین کے نتائج:

﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۱﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ---- ﴿۲﴾﴾

کافروں نے دو کام کیے ہیں: پہلا: انہوں نے خود بھی کفر اختیار کیا۔ دوسرا: دیگر لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا۔ نتیجۃً اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع فرمادیے۔ جبکہ ان کے مقابلے میں اہل ایمان؛ ایمان لائے، نیک اعمال کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا اس کو دل وجان سے مانا۔ نتیجۃً اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کو معاف فرمادیا اور ان کے احوال اور دلوں کی بھی اصلاح فرمادی۔

جنگی قیدیوں کے متعلق احکامات:

﴿فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً..... (۴)﴾

اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ قیدیوں کے بارے دو اختیار ہیں؛ فدیہ لے کر آزاد کر دیں یا بغیر فدیہ لیے آزاد کر دیں۔ جب بدر کے موقع پر کفار کے ستر آدمی گرفتار ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی اکثریت کے مشورہ سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے ناراضی کی اظہار فرمایا تھا۔ جبکہ یہاں فدیہ لے کر چھوڑنے کا اختیار دیا جا رہا ہے۔

مذکورہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ اصل حکم یہ ہے کہ کفار کی طاقت کو کچل کر ختم کرنا ہے۔ چونکہ غزوہ بدر میں فدیہ لے کر چھوڑنے کا مطلب یہ بن رہا تھا کہ ان کی طاقت کو اچھے طریقے سے کچلے بغیر رہا کیا جا رہا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ناراضی کا اظہار فرمایا۔ بعد میں جب مسلمان اور اسلام طاقتور اور کفار کمزور ہو گئے تو پھر اس آیت والا حکم دے دیا گیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمان حاکم کو قیدیوں کے متعلق چار قسم کے اختیار حاصل ہیں:

1: جب لوگ قیدی ہو جائیں چاہے تو ان کو قتل کر دے۔

2: ان کو غلام بنا دے۔

3: فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دے، اور فدیہ میں پیسے بھی ہیں اور قیدیوں کا تبادلہ بھی ہے یا فدیہ میں کوئی بھی چیز رکھ لیں۔

4: فدیہ کے بغیر آزاد کریں اور کچھ بھی نہ لیں۔

اہل جنت کے لیے انعامات:

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ ..... ﴿۱۵﴾﴾

گزشتہ آیات میں جہاد و قتال کا بیان تھا۔ اب جنتیوں کے انعامات کو بیان کیا جارہاہے۔ دوسرے انعامات کے علاوہ اللہ تعالیٰ چار قسم کی نہریں بھی عطا فرمائیں گے: پانی کی نہر جو بالکل صاف ہو گی۔ دودھ کی نہر جس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہو گا۔ شراب کی نہر جو لذت والی ہو گی، کڑوی نہیں ہو گی، بدبو دار نہیں ہو گی۔ شہد کی نہر جو بالکل صاف ستھری ہو گی۔

مؤمنین اور منافقین کے درمیان فرق:

﴿وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ---- ﴿۲۰﴾﴾

اہل ایمان یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مخلص تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے ساتھ ان کے عشق کی انتہا تھی، تو یہ انتظار میں رہتے تھے کہ کوئی نئی سورت نازل ہو تاکہ ہمارا ایمان تازہ ہو اور جہاد کی اجازت بھی مل جائے۔ منافقین بھی زبانی طور پر یہی بات کہہ دیتے ہوں گے۔ جب کوئی سورۃ نازل ہوتی اور اس میں جہاد کا بھی ذکر ہوتا تو منافقین کی حالت (خوف کی وجہ سے) اس شخص کی طرح ہو جاتی جس پر موت کی غشی طاری ہو چکی ہو۔

کفار کے لیے وعید:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾﴾

اس وعید کا مصداق ہر وہ کافر ہے جو شریعت کے راستے سے روکتا ہے لیکن بطور خاص اس سے مراد بنو قریظہ اور یہود ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ کی بہت مدد کی تھی۔ ان کے اعمال تباہ وبرباد ہو جائیں گے یعنی آخرت میں انہیں کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں:

﴿وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ﴿٣٨﴾﴾

پہلے اللہ تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کا حکم دیا، اب اللہ تعالیٰ اپنی شانِ بے نیازی بیان فرمارہے ہیں کہ ہمیں تمہارے اموال کی ضرورت نہیں یعنی اس کا فائدہ تمہیں ہی ہونا ہے۔ بلکہ تم خود بھی اگر تبدیل ہو گئے تو تمہاری جگہ ہم اور لوگوں کو لائیں گے جو تمہاری طرح نہیں ہوں گے بلکہ وہ ہماری مکمل اطاعت کریں گے اور ہمارے حکموں کو مانیں گے۔

سورۃ الفتح

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ میں فتح مکہ کا ذکر ہے۔ پہلی آیت میں لفظ فتح موجود ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام "فتح" رکھا گیا ہے۔

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ﴿۱﴾﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کریں اور آپ نے خواب بھی دیکھا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ چنانچہ سن 6 ہجری کو آپ عمرہ کرنے کے لیے اپنی جماعت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ مشرکین کی رکاوٹ کی وجہ سے حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک کھلی فتح عطا فرمادی۔ جو سن 8 ہجری کو فتح مکہ کی صورت میں پوری ہوئی۔

عصمت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ..... ﴿۲﴾﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دیگر تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ یہاں "ذنب" سے مراد گناہ نہیں بلکہ اجتہادی لغزش اور بھول چوک ہے۔

فتح اور مغفرت میں جوڑ:

"ذنب" کا ایک معنی الزام ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکی اور مدنی زندگی میں جن لوگوں نے الزام لگائے تھے، اس کھلی اور شاندار فتح کی وجہ سے وہ آپ کے معتقد و موافق بن جائیں گے۔ اب وہ الزام کی بجائے آپ کی مدح کریں گے۔

بیعت رضوان:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ ..... ﴿۱۰﴾﴾

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جماعت کے ساتھ عمرہ کے لیے جا رہے تھے تو حدیبیہ کے مقام پر مشرکین کی طرف سے رکاوٹ ڈالی گئی۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا کہ مشرکین کو اطلاع کریں کہ ہم صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں اور کوئی مقصد نہیں۔ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں شہید کر دیے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں سے بیعت (رضوان) لی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لیے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

"ید" اللہ تعالیٰ کی صفت اور متشابہات میں سے ہے جس کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں۔ ہاں البتہ متأخرین حضرات درجہ ظن میں اس کا معنی قدرت کرتے ہیں۔

منافقین کے حیلے بہانے:

﴿سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا..... ﴿١١﴾﴾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ کے سفر پر جانے لگے تو حضرات صحابہ کرام تو پہلے ہی سے تیار تھے۔ لیکن منافقین کے دل میں یہ تھا کہ اگر ہم عمرہ کے لیے مکہ گئے تو قتل ہو جائیں گے، واپس نہیں آسکتے جبکہ زبان سے یہ کہتے ہیں کہ ہماری مجبوری تھی، کچھ مصروفیت تھی اس لیے ہم نہیں جاسکے۔ تو ان کی زبان پر کچھ اور ہے اور دل میں کچھ اور۔

شرکاء بیعتِ حدیبیہ سے رضا کا اعلان:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ

قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿١٨﴾

جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں شریک تھے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعتِ حدیبیہ کی جسے بیعتِ رضوان بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام شرکاء سے غزوہ بدر کے شرکاء کی طرح اپنی رضا کا اعلان فرمادیا ہے۔ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا سے مراد فتح خیبر ہے جو حدیبیہ سے واپسی کے بعد حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہت سارا مال غنیمت بھی عطا فرمایا جس سے معاشی خوش حالی حاصل ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ:

﴿وَ هُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ..... ﴿٢٤﴾﴾

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حدیبیہ سے مکہ گئے تھے ادھر سے مشرکین نے 50 آدمی بھیج کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ قتل کرنے کی ناکام کوشش کرنا چاہی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان افراد کو مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار کروادیا۔ ادھر مشرکین نے حضرت عثمان اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ میں روک لیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پچاس افراد کو قتل کرنے سے مسلمانوں کے ہاتھوں کو روک دیا۔ ادھر مشرکین کے دل میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا وہ بھی حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں کو شہید کرنے سے رک گئے اور صلح پر آمادہ ہوگئے۔

سکینت کا نازل ہونا:

﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ..... ﴿٢٦﴾﴾

جب صلح حدیبیہ کا معاہدہ لکھا جانے لگا تو مشرکین نے ضد اور تکبر کی وجہ سے کچھ ایسی چیزوں پر اصرار کیا جو صحابہ کرام کو ناگوار گزریں مثلاً" بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے بجائے" باسمك اللھم "اور "محمد رسول اللہ" کے بجائے "محمد بن عبداللہ" لکھا گیا۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں تحمل پیدا کیا اور انہیں تقویٰ پر ثابت قدم رکھا اسی کو سکینت سے تعبیر کیا ہے۔

خواب کا ذکر:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ..... ﴿٢٧﴾﴾

نبی کا خواب وحی ہوتا ہے۔ یہاں سے اس خواب کا ذکر ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سفر پر جانے سے پہلے دیکھا تھا کہ ہم عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر سن 6 ہجری کے بجائے 7 ہجری کو پوری ہوئی آپ نے اپنی جماعت کے ہمراہ امن وسکون کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی فرمائی۔

غلبہ برہانی اور غلبہ عملی:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٢٨﴾﴾

وہی ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس دین

کو تمام ادیان پر غالب کر دے اور اس کی گواہی کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔

غلبہ کی دو قسمیں ہیں: ایک ہے غلبہ برہانی اور ایک ہے غلبہ عملی۔ غلبہ برہانی یعنی دلیل کے ساتھ تمام ادیان پر دینِ محمد کا غالب ہونا؛ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہو چکا ہے اور غلبہ عملی؛ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں ہو چکا ہے اور پورے کرہ ارض پر غلبہ عملی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں ہو گا، ان شاء اللہ العزیز۔

محمد رسول اللہ:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔۔۔۔ ۝۲۹﴾

صلح نامہ میں مشرکین نے اپنی ضد اور تکبر کی وجہ سے "محمد رسول اللہ" لفظ رسول اللہ لکھوانے سے انکار کیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں "محمد رسول اللہ" کو نازل فرما کر قیامت تک کے لیے اس کو مستقل حصہ بنا دیا۔ محمد پیغمبر کی ذات کو کہتے ہیں۔ رسول پیغمبر کی بات کو کہتے ہیں۔ پیغمبر کی ذات بھی محفوظ ہے۔ پیغمبر کی بات بھی محفوظ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صفات:

﴿وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا۔۔۔۔ ۝۲۹﴾

جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں وہ کفار کے مقابلے میں سخت ہیں، آپس میں نرم ہیں، تم دیکھو گے کہ وہ رکوع کرتے ہیں، سجدے کرتے ہیں، اللہ کا فضل اور اللہ کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔ کثرتِ سجود کی وجہ سے ان کے چہرے پر نشان نظر آتے ہیں۔ ان کے اوصاف تورات وانجیل میں بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی مثال

ایسے ہے جیسے کھیتی ہو، جس نے پہلے تو اپنی کونپل نکالی ہو، پھر اس کو مضبوط کیا ہو، پھر تھوڑی سی موٹی ہوئی ہو، پھر اپنے تنے کے سہارے کھڑی ہوئی ہو کہ کسان اس کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اس لیے کرتے ہیں کہ اس سے کافروں کا دل جلے۔

سورۃ الحجرات

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ میں حجرات یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رہائشی حجروں کے پیچھے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دینے سے منع کیا گیاہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام حجرات رکھ دیا گیاہے۔

مجلس نبوی کے آداب:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١﴾﴾

سورۃ کی شروع والی آیات میں مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کو بیان کیا جارہاہے کہ جن معاملات کا فیصلہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کرنا ہو اور ان معاملات میں آپ نے مشورہ بھی طلب نہ کیا ہو تو ان میں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے آگے بڑھنا اور پھر اس میں بحث ومباحثہ کرنا خلافِ ادب ہے۔ جیسے قبیلہ تمیم کے وفد کے امیر بنانے کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے پہلے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے مابین بحث ہوئی تھی۔ اس وقت یہ ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں ایمان والوں کو حکم دیا گیاہے کہ اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کریں (یہ حکم

جس طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تھا اسی طرح آپ کی وفات کے بعد آج بھی مسجد نبوی کی حدود میں یہی حکم ہے) کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں۔

خبر کی تحقیق کرنے کا حکم:

﴿ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝ ﴾

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں عام طور پر ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو مصطلق کے پاس زکوٰۃ کی وصولی کے لیے حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو قبیلہ والے ان کے استقبال کے لیے بستی سے باہر آگئے۔ انہیں غلط فہمی ہوئی کہ شاید یہ لوگ لڑنا چاہتے ہیں کیونکہ اس قبیلہ کے لوگوں کے ساتھ پہلے ان کی عداوت تھی۔ یا پھر غلط فہمی کی وجہ یہ بنی کہ وہاں پر کسی شریر شخص نے انہیں یہ کہا کہ یہ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ جبکہ ایک روایت (جسے مفسر ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے) میں یہ بھی ہے کہ شیطان نے انسانی شکل میں آکر انہیں بتایا کہ وہ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ فحدثه الشیطان انھم یریدون قتله بہر حال کوئی وجہ بھی ہو، چاہے آپ کی غلط فہمی ہو، شریر شخص نے بتلایا ہو یا شیطان نے انسانی روپ دھار کر بتایا ہو۔

آپ رضی اللہ عنہ وہاں سے واپس لوٹے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سارا معاملہ بیان کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو یہ محبوبانہ تنبیہ فرمائی گئی کہ جب فاسق (شریر انسان یا شیطان) نے آپ کو غلط خبر دی تو آپ کو چاہیے تھا کہ آپ اس کی تحقیق کرتے۔

آیت میں فاسق سے مراد صحابیِ رسول حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ وہ شریر انسان یا شیطان ہے۔ اور صحابی کو ازروئے محبت یہ سمجھایا جارہاہے کہ ان معاملات میں تحقیق کیا کرو۔ یہ صحابی سے محبت کا معاملہ ہے کہ ان کی غلط فہمی کی اصلاح کی جارہی ہے۔ گویا اس آیت میں صحابی کی مدح بیان کی گئی ہے۔

اور اس آیت میں ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی فاسق ایسی خبر دے جس کی تحقیق (دینی یا دنیاوی اعتبار سے) ضروری ہو تو وہاں تحقیق کر لیا کرو۔ آیت میں کسی صحابی کو فاسق نہیں کہا جارہا۔

آدابِ معاشرت:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ..... ﴿۱۱﴾﴾

ہر وہ بات جس سے معاشرے میں لڑائی یا فتنہ ہو یا اس سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچے اس سے ان دو آیات میں منع کیا گیا ہے۔ مثلاً کوئی مرد کسی مرد کا مذاق نہ اڑائے۔ نہ ہی کوئی عورت کسی عورت کا مذاق اڑائے۔ ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیں۔ ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکاریں۔ بدگمانی نہ کریں۔ کسی کے عیب تلاش نہ کریں۔ کسی کی غیبت نہ کریں۔

عزت کا دارومدار تقویٰ پر ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى..... ﴿۱۳﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے مختلف قبائل، اقوام اور خاندان بنائے ہیں۔ ان کا مقصد صرف پہچان ہے۔ یہ مقصد نہیں کہ ایک دوسرے پر

بڑائی اور عزت جتائیں۔ عزت اور بڑائی کا دارومدار تقویٰ پر ہے۔

سورۃ ق

وجہ تسمیہ:

"ق" حروف مقطعات میں سے ہے جس کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اس سورۃ میں زیادہ تر عقیدہ آخرت کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔

بعث بعد الموت کا اثبات:

﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝۴﴾

ابتدائی آیات میں منکرین آخرت کے اعتراض کا جواب دیا جارہا ہے۔ ان کا اعتراض یہ تھا کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے جسم کے تمام حصوں کو مٹی کھاجائے گی ان کو دوبارہ جمع کیسے کیا جائے گا؟ انہیں جواب دیا گیا کہ زمین جن حصوں کو گھٹادے گی ان کا ہمارے پاس پورا علم ہے اور ہمارے پاس کتاب میں سب کچھ محفوظ ہے۔

منکرینِ انبیاء کا کچھ تذکرہ:

﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوْدُ ۝۱۲ وَ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ وَ اِخْوَانُ لُوْطٍ ۝۱۳﴾

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو تسلی دی ہے کہ یہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو اس سے پہلے بھی نوح علیہ السلام کو جھٹلایا گیا۔ کنویں والی قوم نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ قوم ثمود نے بھی حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ قوم عاد نے بھی

جھٹلایا۔ قومِ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور قومِ لوط نے بھی جھٹلایا۔

کراماً کاتبین:

﴿اِذْ یَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ﴿۱۷﴾﴾

قیامت کے دن ہر انسان کا اعمال نامہ بطور حجت اس کے سامنے پیش کیا جائے گا تاکہ وہ خود دیکھ لے کہ دنیا میں کیا کر کے آیا ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے مقرر فرمائے ہوئے ہیں ایک انسان کے دائیں کندھے پر اور ایک انسان کے بائیں کندھے پر موجود ہے وہ جو بھی کام کرتا ہے اسے لکھ لیتے ہیں۔

جہنم سے سوال اور اس کا جواب:

﴿یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ ﴿۳۰﴾﴾

اس وقت کو بھی یاد رکھو جب ہم جہنم سے کہیں گے کہ کیا تمہارا پیٹ بھر گیا ہے؟ تو وہ کہے گی: کیا کچھ اور بھی ہے؟ جہنم سے یہ سوال صرف تحدیداً اور زجر کے لیے ہو گا کہ جو لوگ پہلے سے جہنم میں ہوں گے تو اس سے ان پر خوف طاری ہو جائے گا۔

متقین کا انعام:

﴿وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ غَیْرَ بَعِیْدٍ ﴿۳۱﴾﴾

گزشتہ آیت میں جہنم اور اہل جہنم کا تذکرہ تھا۔ اب یہاں سے اہل جنت کا تذکرہ ہے کہ جنت کو متقین کے بالکل قریب کر دیا جائے گا اور یہ بالکل بھی دور نہیں ہو گی۔ یہ چیز ہر اس بندے کے لیے ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو اور اپنی حفاظت کرنے والا ہو۔

فریضہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَ مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾﴾

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ صرف لوگوں تک نصیحت کو پہنچادینا ہے لوگوں کو منوانا نہیں۔ بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فریضہ ادا فرمادیں۔ جس کے دل میں آخرت کے دن اور اللہ تعالیٰ کا خوف ہوگا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرلے گا۔

سورۃ الذٰریٰت

یہ سورۃ پارہ نمبر 26 کے آخر سے شروع ہورہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ کچھ پارہ نمبر 26 میں ہے، کچھ پارہ نمبر 27 میں۔

چار قسم کی مخلوق کی قَسم:

﴿وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۲﴾ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴿۳﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿۴﴾﴾

﴿وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا﴾ قسم ہے ان ہواؤں کی جو گرد وغبار کو اڑاتی ہیں۔

﴿فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا﴾ قسم ہے ان بادلوں کی جو بوجھ اٹھاتے ہیں۔

﴿فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا﴾ قسم ہے ان کشتیوں کی جو آسانی سے چلتی ہیں۔

﴿فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا﴾ قسم ہے ان فرشتوں کی جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے چیزیں تقسیم کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کی قسمیں کھائیں تو اس سے یا تو قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے یا پھر قسموں کے بعد والی چیز (قیامت ضرور آئے گی) پر قسموں کو دلیل بنانا مقصود ہوتا ہے۔

مؤمنین متقین کی صفت:

﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝۱۹﴾

مؤمنین کے اموال میں مانگنے والوں اور محروم لوگوں کا حق ہوتا ہے۔ بعض محتاج وہ ہیں جو مانگتے ہیں، بعض محتاج وہ ہیں جو مانگتے نہیں۔ تو مؤمنین متقین کی صفت یہ ہے کہ مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں؛ دونوں کو دیتے ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ نمبر:27

مختلف قوموں کے انجام:

﴿وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾﴾

یہاں سے کچھ آیات تک اللہ تعالیٰ نے مختصراً قوم فرعون، قوم عاد، قوم ثمود اور قوم نوح کی سرکشی اور ان کے انجام بد کا ذکر فرمایا ہے۔

تخلیقِ باری تعالیٰ کے نمونے:

﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے آسمان کو طاقت سے پیدا کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے بارش برساتے ہیں اور پھر بارش کے ذریعے لوگوں کے رزق میں وسعت پیدا فرمادیتے ہیں۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا ایک اور نمونہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑے جوڑے بنائے ہیں۔ کالا پیدا کیا تو سفید بھی پیدا کیا، میٹھا پیدا کیا تو کڑوا بھی بنایا، مرد کو بنایا تو عورت کو بھی بنایا، مسلمان کو پیدا کیا تو کافر کو بھی پیدا کیا۔ یہ اس کی قدرت کی نشانی ہے۔

سورۃ الطور

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی ابتداء میں الطور (کوہِ طور) کا ذکر ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "الطور" رکھا گیا ہے۔

پانچ قسمیں:

﴿وَالطُّوْرِ ۙ﴿۱﴾ وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ﴿۲﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ﴿۳﴾ وَّ الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ﴿۴﴾ وَ السَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ﴿۵﴾ وَ الْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ﴿۶﴾﴾

قسم ہے طور کی۔ قسم ہے کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہوئی ہے، مراد اس سے یا تو لوحِ محفوظ ہے یا اعمال نامہ ہے یا قرآن کریم ہے۔ قسم ہے بیتِ معمور کی، بیت معمور بیت اللہ کے بالکل محاذات میں ساتویں آسمان پر ملائکہ کا قبلہ ہے، ہر روز ستر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں پھر انہیں قیامت تک موقع نہیں ملتا۔ قسم ہے بلند چھت کی، مراد اس سے آسمان ہے۔ قسم ہے اس دریا کی جو پانی سے بھرا ہوا ہے۔ مذکورہ پانچ قسمیں اپنے بعد آنے والی چیز (تمہارے پروردگار کے عذاب نے آکر رہنا ہے، اس عذاب کو کوئی روک نہیں سکتا) پر گواہ ہیں۔

مجرمین کا انجام:

﴿اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْۤا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ...... ﴿۱۶﴾﴾

دنیا میں آدمی کو تکلیف آتی ہے اور وہ گڑگڑاتا ہے تو تکلیف دینے والے کو ترس آجائے تو وہ کبھی چھوڑ بھی دیتا ہے۔ لیکن آخرت کا معاملہ یوں نہیں ہے، فرمایا: اس جہنم میں داخل ہو جاؤ، اب تم برداشت کرو یا تم برداشت نہ کرو تمہارے لیے برابر ہے، اب تمہارے اعمال کا بدلہ مل کے رہے گا۔

متقین کا انعام:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ ۙ﴿۱۷﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَ وَقٰهُمْ

رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿١٨﴾

گزشتہ آیت میں مجرمین کا ذکر تھا، یہاں متقین کا ذکر ہے کہ متقین باغات میں ہوں گے، اللہ کی نعمتوں میں ہوں گے، خوش ہوں گے ان انعامات میں جو خدا نے انہیں دیے ہوں گے۔ ان کا رب ان کو جہنم کے عذاب سے بچا لے گا۔ حکم ہو گا کہ مزے سے کھاؤ اور پیو، یہ تمہارے اعمال کے بدلے میں تمہیں دیا جا رہا ہے۔ جنتی لوگ نشستوں پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوں گے اور یہ نشستیں ترتیب سے بچھی ہوں گی۔ بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ہم ان کا نکاح فرمائیں گے۔ دعا کریں اللہ ہم سب کو عطا فرمائے۔ (آمین)

الیکشن نہیں سلیکشن:

﴿أَمْ عِندَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿٣٧﴾﴾

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ طائف والے کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی بنانا تھا تو ہم میں سے کسی دولت والے بڑے آدمی کو بناتے! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے ان کے پاس ہیں کہ جس کو چاہیں نبی بنائیں اور جس کو چاہیں نبی نہ بنائیں؟ نبوت الیکشن سے نہیں بلکہ سلیکشن سے ملتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ نبوت کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تو دنیوی مال و متاع اور رزق بھی اپنے اختیار میں رکھا ہے، تو نبوت جیسا بڑا رتبہ کیسے ان کی خواہش کے تابع ہو سکتا ہے؟

فرائض خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٤٨﴾

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿٤٩﴾

یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو فرائض بیان کیے: اپنے پروردگار کے حکم پر صبر کریں اور تین اوقات میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں۔ آپ صبر کریں کیونکہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں، مخالفین آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ اور یہ جو آپ کو پریشانی ہے کہ یہ لوگ بات نہیں مانتے تو آپ خود کو مشغول کر لیں تین اوقات میں خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں: نمبر ایک کسی مجلس سے اٹھتے ہوئے یا تہجد کے لیے اٹھتے ہوئے۔ نمبر دو رات کے وقت یعنی نماز مغرب اور عشاء۔ نمبر تین ستاروں کے ڈوبنے کے وقت یعنی فجر کے وقت۔

سورۃ النجم

وجہ تسمیہ:

اس سورت کا آغاز ہی لفظ نجم سے ہے اس لیے سورت کا نام بھی "النجم" ہے۔

ستارے کی قسم کھانے میں حکمت:

﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿١﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿٢﴾﴾

ستارے کی قسم کھانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح عرب ستارے کی مدد سے راستہ تلاش کرتے تھے اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت ہیں۔ ستارے کا جو راستہ مقرر ہے وہ اسی پر چلتا ہے بالکل اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ راستہ بھولے ہیں اور نہ ہی بھٹکے ہیں۔ ستارہ تھوڑے وقت کے بعد غائب ہو جاتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دنیا میں

تھوڑے وقت کے لیے تشریف لائے ہیں۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فائدہ حاصل کرنے والوں کو جلدی کرنی چاہیے۔

قرآن وحدیث کی حجیت:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کچھ بھی نہیں بولتے بلکہ یہ خالص وحی ہے جو ان کے پاس آئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کوئی بات فرماتے ہیں تو وحی سے فرماتے ہیں۔ اگر مراد معانی اور الفاظ دونوں ہوں تو اس کا نام قرآن ہے۔ اگر مراد یہ ہو کہ معنی بتادیا جائے اور الفاظ نہ بتائے جائیں تو اس کا نام حدیث ہے اور اس کو سنت بھی کہہ دیتے ہیں۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا جبرائیل کو دیکھنا:

﴿عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝٥ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۝٦ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝٧﴾

مشرکین اعتراض کرتے تھے کہ جبرائیل امین علیہ السلام؛ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انسانی شکل میں وحی لے کر آتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پتا چلتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے؟ یہاں انہیں جواب دیا جارہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل کو اصلی شکل میں دو مرتبہ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمائش کی تھی کہ اصلی شکل میں آئیں۔ دوسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے موقع پر دیکھا تھا۔

مشرکین کی تردید:

﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝١٩ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝٢٠﴾

مشرکین نے تین بت لات، عزیٰ اور منات اپنے اپنے خدا بنا رکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو لات، منات اور عزیٰ تم نے خدا بنا رکھے ہیں کیا ان میں کبھی تم نے غور کیا ہے؟ یہ تو صرف چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے خود رکھے ہیں۔ کافر لوگ اپنے خیالات و خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔

مشرکین کے غلط عقیدے کی تردید:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿٢٧﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ..... ﴿٢٨﴾﴾

مشرکین اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں بناتے اور ثابت کرتے تھے۔ یہاں ان کے اس عقیدے کی تردید کی جارہی ہے کہ ان کے پاس اپنے اس عقیدے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا:

﴿اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿٣٣﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿٣٤﴾﴾

ان آیات کا پس منظر یہ ہے ایک شخص نے قرآن مجید کی آیات سنیں اور اس کا دل ایمان کی طرف مائل ہو گیا تو اس کو اس کے دوست نے کہا کہ تو اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر نیا دین کیوں اختیار کر رہا ہے؟ یوں اس کو کچھ عار دلائی۔ اس نے کہا کہ میں تو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہوں کہ کہیں آخرت میں میری پکڑ نہ ہو جائے! دوست نے کہا کہ اگر تم مجھے کچھ پیسے دے دو تو میں ذمہ داری لیتا ہوں کہ آخرت کی پکڑ سے تمہیں بچا لوں گا۔ یہاں ان کی اس بات کی تردید کی جارہی ہے کہ کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ اسے جہنم کے عذاب سے بچا لے؟ اگلی

آیت میں ہے "کہ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا"۔

آیت سجدہ:

﴿فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿٦٢﴾﴾

آیت سجدہ عربی میں پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ سورۃ النجم پہلی سورۃ ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی۔ مجمع میں علی الاعلان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت یہ آیت تلاوت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں نے سجدہ کیا۔

سورۃ القمر

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں لفظ قمر (چاند) کے پھٹ جانے کا ذکر ہوا ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام سورۃ "القمر" رکھا گیا ہے۔

صداقتِ نبوت؛ چاند کا دو ٹکڑے ہونا:

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿١﴾﴾

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں تھے اور رات کا وقت تھا۔ مشرکینِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی نبوت پر معجزہ طلب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر معجزہ اور نشانی دکھا دوں تو تم کلمہ پڑھ لو گے؟ کہا پڑھ لیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا، اللہ کے حکم سے چاند دو ٹکڑے ہوا۔ ایک ٹکڑا مشرق اور ایک مغرب کی جانب چلا گیا۔ مشرکین نے اسے جادو کہہ کر نہ مانا اور

بدستور اپنی ضد اور کفر پر قائم رہے۔

قوم نوح پر طوفان:

﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ۝٩ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ۝١٠﴾

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی قوم والے بسا اوقات ان کے گلے کو دباتے، نوح علیہ السلام بے ہوش ہو جاتے لیکن پھر بھی اللہ سے دعا مانگتے کہ اللہ! ان کو ہدایت دے دیں، ان کو پتا نہیں کہ میں ان کا کتنا خیر خواہ ہوں۔ ساڑھے نو سو سال اس تکلیف میں گزارے اور بالآخر اللہ سے مدد مانگی کہ اے اللہ! میری مدد فرما۔ اللہ تعالیٰ نے طوفان کے ذریعہ قوم کو تباہ فرمادیا۔

قرآن کریم آسان ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝١٧﴾

آسان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی ایک حیثیت واعظ اور ناصح ہونے کی ہے۔ قرآن کریم کی دوسری حیثیت شارع (عقائد واحکامات) ہونے کی ہے۔ پہلی حیثیت کے اعتبار سے آسان ہے۔ عقائد واحکامات کی حیثیت آسان نہیں ہے، اس اعتبار سے محنت کرنی پڑتی ہے، پوری زندگیاں کھپانی پڑتی ہیں اور پھر بھی آدمی سمجھتا ہے کہ شاید مجھ سے کہیں غلطی نہ ہوگئی ہو۔

پہلی قوموں کے واقعات:

﴿كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ۝١٨﴾

یہاں سے لے کر اگلے رکوع کے بعد تک اللہ تعالیٰ نے پہلی امتوں میں سے تین کے واقعات کو بیان فرمایا ہے۔ قوم عاد، جنہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی۔ قوم ثمود جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی نافرمانی کی، قوم لوط جنہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت کو نہ مانا، قوم فرعون جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی۔ ان واقعات کو بیان کرنے کا مقصد بعد والوں کے لیے درسِ عبرت ہے۔

مجرمین اور متقین کا انجام:

﴿اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝﴾

یہاں سے لے کر سورۃ کے آخر تک اللہ تعالیٰ نے مجرمین اور متقین کے انجام کو بیان فرمایا ہے۔ مجرمین بڑی گمراہی اور بے عقلی میں پڑے ہوئے ہیں۔ قیامت کے دن ان کے منہ کو آگ میں گھسیٹا جائے گا۔ ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ﴾ متقین کو آخرت میں اللہ تعالیٰ انعامات کے طور پر باغات اور نہریں عطا فرمائیں گے۔

سورۃ الرحمٰن

وجہ تسمیہ:

اس سورت کا آغاز "الرحمن" سے ہے۔ اس کا نام بھی یہی رکھ دیا ہے۔

لفظ رحمٰن سے سورت کے آغاز کی وجہ:

﴿اَلرَّحْمٰنُ ۝﴾

مشرکینِ مکہ رحمٰن کے نام سے واقف تو تھے لیکن ان میں یہ اسمِ گرامی زیادہ

معروف نہیں تھا۔ بطورِ ضد بھی وہ کہا کرتے تھے: "مَا الرَّحْمٰنُ؟" کہ رحمٰن کیا ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے رحمٰن کے نام سے پوری سورت نازل فرمائی اور اس کا آغاز بھی لفظ رحمٰن سے کیا ہے۔

قرآن سب کو سیکھنا چاہیے:

﴿عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲﴾

رحمٰن نے قرآن سکھایا ہے۔ جو سکھایا ہے اس کا ذکر تو ہے اور جس کو سکھایا ہے اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی براہ راست جس شخصیت کو تعلیم دی گئی وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ سب کو معلوم ہے۔ پھر آپ کے واسطے سے آپ کی امت کو تعلیم دی گئی۔ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ قرآن کریم کی تعلیم ہر کسی کو دینی ہے اس لیے اس کا مفعول بہ ذکر نہیں فرمایا۔

جن اور انس کو خطاب:

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۳﴾

اللہ تعالیٰ کی پوری کائنات میں مختلف قسم کی بے شمار نعمتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے صراحتاً انسانوں اور جنوں کو خطاب کرکے یہ نعمتیں یاد دلائی ہیں۔ ایک بار نہیں بلکہ بار بار اس آیت " اب بتاؤ تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟" کو دہرایا ہے۔

زمین کی ہر چیز فنا ہو جائے گی:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝۲۶ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ

الْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾

ہر چیز جو زمین پر ہے وہ ختم ہو جائے گی اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات رہ جائے گی۔ وَجۡهُ رَبِّكَ سے مراد اللہ کی ذات ہے۔ زمین و آسمان سب ختم ہو جائیں گے لیکن چونکہ پہلے تذکرہ زمین کا تھا اس لیے فرمایا کہ زمین کی ہر چیز فنا ہو جائے گی۔

فنا کی دو قسمیں ہیں: امکانی اور عملی۔ ذات باری تعالیٰ میں نہ فنائے عملی ہے نہ ہی فنائے امکانی۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے میری کتاب **"شرح عقیدہ طحاویہ"** کا مطالعہ فرمائیں۔

جن وانس کی بے بسی:

﴿يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ اِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ اَنۡ تَنۡفُذُوۡا مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ فَانۡفُذُوۡا ؕ لَا تَنۡفُذُوۡنَ اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ ﴿٣٣﴾﴾

اے جن اور انس! اگر تم آسمان اور زمین کی حدود سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ، لیکن یہ نکلنا بغیر طاقت کے نہیں ہے اور طاقت تمہارے پاس ہے نہیں تو تم کیسے نکلو گے؟ مطلب یہ ہے کہ جن وانس اللہ تعالیٰ کی پوچھ گچھ اور عذاب سے اگر کہیں بھاگنا چاہیں بھی تو نہیں بھاگ سکتے ہیں۔

انعامات خداوندی:

﴿وَلِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿٤٦﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے اس آیت اور اس کے بعد سورۃ کے آخر تک اہل ایمان جنوں اور انسانوں کے لیے جو بے شمار نعمتیں پیدا فرمائی ہیں ان کا ذکر ہو رہا ہے۔ جنت اور جنت کے انعامات، باغات اور چشموں کا ذکر کیا، جنت کی حوروں کا ذکر کیا پھر ان

حوروں کے اوصاف بیان فرمائے تاکہ مؤمنین کی توجہ ان نعمتوں کی طرف ہو جائے اور دنیا کی گندی چیزوں سے بچ جائیں اور آخرت کی پاک صاف نعمتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان نعمتوں کے لیے کوشش کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

سورۃ الواقعہ

وجہ تسمیہ:

"واقعہ" اس کی پہلی آیت میں یہ لفظ موجود ہے۔ اسی سے سورۃ کا نام بھی رکھ دیا ہے۔

قیامت کی ہولناکی کا بیان:

﴿اِذَا وَقَعَتِ الۡوَاقِعَةُ ۙ﴿۱﴾ لَيۡسَ لِوَقۡعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۘ﴿۲﴾﴾

جب قیامت آئے گی اور قیامت کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، یہ سچی بات ہے۔ کفار کو جھکا کے رکھ دے گی۔ دنیا میں کافر قیامت کا انکار کرتے رہے جب قیامت کا واقعہ رونما ہو گا تو اس وقت کفار بھی اسے نہیں جھٹلا سکیں گے۔

انسانوں کی تین جماعتیں:

﴿وَّكُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَةً ؕ﴿۷﴾﴾

قیامت کے دن تمام انسان اپنے انجام کے اعتبار سے تین جماعتوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ پہلی جماعت اللہ تعالیٰ کے ان مقرب بندوں کی ہو گی جو ایمان اور اعمال صالحہ کے اعتبار سے عالی مقام پر ہوں گے۔ دوسری جماعت ان خوش نصیب عام

ایمان والوں کی ہوگی جنہیں نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ تیسری جماعت ان کفار کی ہوگی جنہیں نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ پھر آگے مذکورہ تینوں جماعتوں کو پیش آنے والے حالات کو بیان کیا گیا ہے۔

اہل جنت کے لیے انعامات:

﴿أُولَٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝١١ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝١٢﴾

اہل جنت کو جنت میں نعمتیں؛ باغات، بیٹھنے کے لیے آمنے سامنے اونچی اونچی نشستیں جن پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے، شراب و غلمان، پھل اور پرندوں کا گوشت وغیرہ عطا کی جائیں گی۔

اہل جہنم کے عذاب کا ذکر:

﴿وَأَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ أَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۝٤١ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ۝٤٢﴾

اصحاب الشمال [بائیں ہاتھ والوں] یعنی اہل جہنم کو آخرت میں مختلف قسم کے عذابوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ گرم لُو، کھولتا ہوا پانی اور دھواں وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کی چار عظیم نعمتیں:

﴿أَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝٥٨ ءَأَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ أَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝٥٩﴾

- تخلیق انسانی: یہ بتاؤ! کہ تم جو نطفہ ٹپکاتے ہو کیا تم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہیں؟
- کھیتی اگانا: یہ بتاؤ! کہ جو کھیتی تم بوتے ہو کیا اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟

- پانی کی فراہمی: یہ بتاؤ! جو پانی تم پیتے ہو کیا تم اس کو بادلوں سے اتارتے ہو یا ہم اتارتے ہیں؟
- آگ کی نعمت: اچھا یہ بتاؤ! یہ جو آگ تم جلاتے ہو اس کا درخت تم اگاتے ہو یا ہم اگا رہے ہیں؟

صداقتِ قرآن:

﴿ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٧﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿٧٩﴾ ﴾

ان آیات میں مشرکین کے اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ قرآن کریم لوحِ محفوظ میں درج ہے اور بغیر کسی کمی بیشی کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام دیا گیا ہے۔ بغیر وضو کے قرآن کریم کو چھونا جائز نہیں۔

منکرین بعث بعد الموت کی تردید:

﴿فَلَوْ لَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿٨٣﴾ وَ اَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ ﴾

مشرکین مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے منکر تھے گویا ان دعوی تھا کہ ان کی زندگی اور حیات ان کے قبضے میں ہے۔ یہاں ان کی تردید کی جارہی ہے کہ اگر کوئی شخص قریب الموت ہو اور تم اس کی روح نکلتے ہوئے دیکھ رہے ہو اور تم چاہتے بھی ہو کہ اس کی روح نہ نکلے مگر تمہیں اس وقت احساس ہو جاتا ہے کہ اس کی روح کو کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ تو پھر تم بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت نہیں بچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں آخرت میں دوبارہ اٹھائیں گے۔

سورۃ الحدید

وجہ تسمیہ:

"حدید" لوہے کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورۃ میں لوہے کا ذکر ہوا ہے اس لیے اس سورۃ کا نام "حدید" رکھا ہے۔

اول اور آخر کا مطلب:

﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۳﴾

اللہ تعالیٰ اول حقیقی اور آخر حقیقی ہے۔ اول حقیقی کا معنی کہ جس کی کوئی ابتدا نہیں یعنی اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی۔ آخر حقیقی کا معنی کہ جس کی کوئی انتہا نہیں یعنی جب ہر چیز فنا ہو جائے گی وہ اس وقت بھی موجود رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ظاہر بھی ہیں اور باطن بھی ہیں۔ ظاہر اس اعتبار سے کہ اس کے وجود و قدرت کی نشانیاں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں۔ باطن اس اعتبار سے کہ دنیا میں وہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔

انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب:

﴿وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ..... ۝۱۰﴾

تم اللہ کے راستے میں مال خرچ کیوں نہیں کرتے؟ حالانکہ زمین وآسمان کا وارث تو اللہ تعالیٰ ہے۔ یہاں بتانا یہ مقصود ہے کہ مال جو تمہیں دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے، تمہیں تھوڑے وقت کے لیے دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے انسان کو رکنا نہیں چاہیے بلکہ بڑھ چڑھ کر خرچ کرنا چاہیے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان فرقِ مراتب:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾﴾

وہ صحابہ کرام جو سابقین ہیں یعنی وہ فتح مکہ سے قبل مسلمان ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد وانفاق کیا ان صحابہ کرام سے درجہ اور ثواب میں بڑے ہیں جنہوں نے یہ کام فتح مکہ کے بعد کیے۔ البتہ جنتی ہونے میں اور صحابی ہونے میں سب برابر ہیں۔

مؤمنین اور منافقین کا ذکر:

﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ----- ﴿۱۲﴾﴾

پھر مؤمنین کا ذکر فرمایا کہ جب وہ پل صراط کی طرف جائیں گے تو ان کا نور ان کے سامنے بھی ہو گا اور دائیں جانب بھی ہو گا۔ اور مؤمن اور منافق دونوں پل صراط کی طرف آئیں گے تو وہاں منافقین کا نور ختم ہو جائے گا۔ اس وقت یہ لوگ پریشان ہوں گے اور مؤمنین کو پکار کر کہیں گے ہمیں بھی تھوڑا سا نور دے دو ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے مڑ جاؤ اور نور تلاش کرو! لیکن ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہو گا جس کے اندر کی طرف رحمت ہو گی اور باہر کی طرف عذاب ہو گا۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ..... ﴿۲۵﴾﴾

انبیاء ورسل علیہم السلام کو معجزات، کتب اور ترازو دے کر بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں اعتدال پر قائم رہیں۔

رہبانیت کی ابتدا:

﴿وَ رَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا----- ﴿۲۷﴾﴾

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد عیسائیوں کا ایک طبقہ دنیا سے الگ تھلگ رہنے لگا۔ نہ وہ شادی کرتا اور نہ ہی دنیا کی لذتوں کو استعمال کرتا اور اپنے دین کو بچانے کے لیے شہروں سے دور رہنا شروع کر دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا انہیں حکم نہیں دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے پھر اس رہبانیت کی بھی رعایت نہیں کی۔

یاد رہے کہ اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین پر صحیح معنوں میں عمل کرنے والا بنائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ نمبر:28

سورۃ المجادلہ

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں لفظ مجادلہ ذکر ہوا ہے۔ اسی سے سورۃ کا نام بھی "مجادلہ" رکھ دیا ہے۔ اس سورۃ میں بنیادی طور پر چار چیزوں کو بیان کیا گیا ہے۔ ظہار اور اس کے احکام، منافقین اور یہودیوں کی سرگوشی کے احکامات، مجلس کے آداب اور منافقین کی حقیقت۔

شان نزول:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ..... ﴿۱﴾﴾

حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے ظہار کر لیا تھا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں۔ اس وقت تک ظہار کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس اس کے متعلق ابھی تک کوئی حکم نہیں آیا، شاید تم اپنے شوہر پر حرام ہو چکی ہو۔ حضرت خولہ بار بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ رہی تھیں کہ میرے شوہر نے طلاق کا لفظ نہیں کہا اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہی تھیں، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

مسئلہ ظہار، کفارہ کا حکم:

﴿وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا..... ﴿۳﴾﴾

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کرلے تو جب کفارہ ادا نہ کرلے اس وقت تک بیوی کے پاس نہیں جاسکتا۔ یہاں کفارے کی صورتیں بیان کی ہیں:
غلام آزاد کرے۔ اگر غلام آزاد کرنے کی قدرت نہ ہو تو دو ماہ مسلسل روزے رکھے۔ اگر کسی شرعی عذر (بڑھاپے یا بیماری) کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا پیٹ بھر کر کھانا کھلائے۔

یہود کی سرگوشی:

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ..... (۷)﴾

یہودیوں کی عادت تھی کہ جب مسلمانوں کو آتا دیکھتے تو آپس میں سرگوشی کرتے تھے۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ مسلمان پریشان ہوں کہ شاید ہمارے خلاف سازش ہو رہی ہے۔ ان کی دیکھا دیکھی منافقین بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ اس سے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی۔ یہود و منافقین کو سرگوشی سے منع کیا گیا وہ پھر بھی باز نہ آئے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی سرگوشیوں اور سازشوں کی سب خبر ہے، یہ اپنی خیر منائیں۔

مجلس کے آداب:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا..... (۱۱)﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صفہ چبوترے میں تشریف فرما تھے۔ کچھ بدری اکابر صحابہ کرام تشریف لائے، جگہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ کھڑے رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سمٹ جاؤ پھر بھی ان کی جگہ نہ بنی تو آپ نے کچھ حضرات کو مجلس سے اٹھنے کا فرمایا۔ منافقین نے طنز کرتے ہوئے کہا کہ مجلس سے اٹھایا جارہا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جب کہا جائے سمٹ کر بیٹھو تو سمٹ جاؤ۔ مجلس صدر کو یہ بھی اختیار ہے کہ کسی کو مجلس سے اٹھ جانے کا حکم بھی دے سکتا ہے۔

احکامات:

- اور جب یہ کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کشادہ کرو تو کشادگی پیدا کیا کرو۔
- اور جب دو بندے بیٹھے ہوں اور سرگوشی کر رہے ہوں تو تیسرے آدمی کو آکر نہیں بیٹھنا چاہیے جب تک کہ اجازت نہ ہو۔
- جب کچھ لوگ بیٹھے ہوں تو یہ بھی ٹھیک نہیں ہے کہ کسی کو اٹھاؤ اور خود بیٹھ جاؤ!
- اور جب کوئی بڑا کہہ دے کہ اٹھ جاؤ! تو فوراً اٹھ جایا کرو۔

ملاقات سے پہلے صدقہ دینا:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً..... ﴿١٢﴾﴾

کچھ حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے تنہائی کا وقت مانگتے پھر اس سے خوب فائدہ اٹھاتے اور کافی وقت تک بات چیت کرتے رہتے۔ کچھ منافقین بھی اس طرح کرنے لگ گئے۔ اس آیت میں حکم دیا گیا کہ جس نے بھی حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں وقت لینا ہو تو وہ پہلے صدقہ کر کے آئے۔ جب لوگ محتاط ہو گئے تو اگلی آیت میں پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا۔

حزب اللہ کی کامیابی:

﴿لَا تَجِدُ قَوۡمًا يُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ يُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ وَلَوۡ كَانُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَهُمۡ..... ﴿۲۲﴾﴾

یہاں حزب اللہ یعنی اہل ایمان کا حال بیان کیا ہے کہ ایسے کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ ان لوگوں سے پیار کریں جو اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے مخالف ہوں۔ حتی کہ بعض صحابہ جب اپنے باپ یا بیٹے سے اسلام کے خلاف کوئی بات سنتے تو ان سے انتقام لیتے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ نے قبولِ اسلام سے قبل جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی نازیبا بات کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں تھپڑ رسید کیا۔

اللہ تعالیٰ نے حزب اللہ کو دو انعامات عطا فرمائے: دنیا میں اللہ تعالیٰ نور ایمان سے ان کی مدد فرمائیں گے۔ آخرت میں جنت اور اس کی نعمتیں عطا فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ بھی عطا فرما دیا ہے۔

سورۃ الحشر

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی دوسری آیت میں یہ لفظ "حشر" موجود ہے۔ اسی سے اس کا نام رکھ دیا ہے۔

بنو نضیر کا واقعہ:

﴿هُوَ الَّذِيۡۤ اَخۡرَجَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مِنۡ دِيَارِهِمۡ لِاَوَّلِ

الۡحَشۡرِ ----﴿۲﴾

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو یہود سے امن وامان کا معاہدہ فرمایا کہ آپس میں لڑائی نہیں کریں گے۔ اگر کسی نے مدینہ پر حملہ کیا تو مل کر دفاع کریں گے۔ انہوں نے اسے قبول کر لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہود کے ایک قبیلہ بنو نضیر کے پاس شرائط معاہدہ لکھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ انہوں نے سازش کی کہ اوپر سے بڑی چٹان گرا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملہ سے باخبر کیا تو آپ وہاں سے فوراً واپس تشریف لے آئے اور پیغام بھیجا کہ ہمارا معاہدہ ختم ہے۔ پھر ان کے لیے مدت مقرر کی کہ اس مدت تک مدینہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔

یہود؛ منافقین کے کہنے پر اس مدت کے بعد بھی مدینہ منورہ میں رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مل کر ان کے قلعے کا محاصرہ کیا۔ بالآخر بنو نضیر نے ہتھیار ڈال دیے اور سوائے ہتھیاروں کے باقی سازوسامان لے کر وہاں سے چلے گئے۔ یہ ان کی پہلی جلاوطنی تھی۔ دوسری مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں انہیں جزیرہ عرب سے ہی جلا وطن کر دیا گیا۔ یہ دنیوی سزا تھی۔ اخروی سزا جہنم کی صورت میں ہو گی۔

مال فئی کے مصارف:

﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوۡلِهٖ مِنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰی فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوۡلِ وَ لِذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ.... ﴿۷﴾

گزشتہ آیت میں بنو نضیر کا واقعہ تھا کہ وہ اپنی زمینیں چھوڑ کر چلے گئے تھے یہ مال فئی تھا کیوں کہ یہ بغیر جنگ کے مسلمانوں کو حاصل ہوا تھا۔ اب یہاں سے مال فئی

کے مصارف بیان فرمارہے ہیں۔ اور وہ پانچ ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، قرابتدار، یتیم، مسکین اور مسافر۔ اللہ تعالیٰ کا نام صرف تبرک کے لیے ہے۔

صحابہ کرام کا ایثار:

﴿وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ ...... ﴿۹﴾﴾

یہاں انصار مدینہ کی کیفیت وحالت کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اوپر مہاجرین صحابہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ خصوصاً حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر کچھ مہمانوں کو کھانا کھلانے کے لیے اپنے ہاں لے گئے۔ کھانا کم تھا تو انہوں نے بہانے سے چراغ بجھا دیا۔ مہمانوں نے خوب سیر ہو کھانا تناول فرمایا۔

بنو قینقاع کی شکست:

﴿كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾﴾

یہاں یہود کے ایک اور قبیلے بنو قینقاع کا ذکر کیا۔ انہوں نے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ امن کیا تھا، پھر خود ہی جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست ہوئی اور مدینہ منورہ سے جلاوطن کیے گئے۔

منافقین شیطان کی طرح ہیں:

﴿كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ

مِّنۡكَ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۶﴾

شیطان لوگوں کو کفر پر اکساتا ہے جب لوگ کفر اختیار کر لیتے ہیں تو کہتا ہے کہ میں بری ہوں۔ جیسے بدر کے موقع پر ہوا۔ آخرت میں بھی یہی کرے گا۔ اسی طرح منافقین بھی یہود بنو نضیر سے کہہ رہے تھے کہ تم ڈٹے رہو مدینہ سے نہ نکلو، ہم تمہاری مدد کریں گے۔ جب وقت آیا تو منافقین نے شیطان والا موقف اپنالیا۔

اسمائے حسنیٰ:

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِىۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ۚ اَلۡمَلِكُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ الۡمُؤۡمِنُ الۡمُهَيۡمِنُ الۡعَزِيۡزُ الۡجَبَّارُ الۡمُتَكَبِّرُ۔۔۔۔ ﴿۲۳﴾﴾

سورۃ کا اختتام اللہ تعالیٰ کے اچھے ناموں کے ساتھ کیا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی تعداد ننانوے بتائی ہے۔

سورۃ الممتحنہ

وجہ تسمیہ:

"ممتحنہ" کا معنی ہے امتحان لینے والی۔ اس سورۃ میں ان عورتوں کا امتحان لینے کا حکم دیا گیا ہے جو مکہ مکرمہ سے ہجرت سے کر کے مدینہ منورہ آئیں۔ اس لیے اس کا نام ممتحنہ رکھ دیا۔

دشمنِ خدا سے دوستی جائز نہیں:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّىۡ وَعَدُوَّكُمۡ اَوۡلِيَآءَ۔۔۔۔۔ ﴿۱﴾﴾

ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ حدیبیہ کے بعد جب کفار کی طرف سے صلح حدیبیہ کی عہد شکنی کی گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کو اطلاع کروادی کہ اب وہ معاہدہ باقی نہیں رہا۔ مدینہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر حملہ کی تیاری شروع فرمادی۔ مکہ کی ایک عورت سارہ نامی، مالی مدد کے لیے آئی ہوئی تھی۔ اس کے ذریعے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل وعیال کی خاطر؛ جو مکہ میں تھے؛ قریش پر احسان کرنے کے لیے خط بھیجا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب مکہ پر حملہ آور ہوں گے۔ اس کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں کہ اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان کو دوستی کے پیغام بھیجنے لگو! حالانکہ ان لوگوں نے تمہارے دینِ حق کو جھٹلایا ہے۔ ان لوگوں نے اللہ کے نبی کو اور تمہیں مکہ سے صرف اس وجہ سے نکالا تھا کہ تم اللہ رب العزت پر ایمان لاتے ہو!

کفار سے ترک موالات پر تائید:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ..... ﴿۴﴾﴾

سورۃ کے شروع میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اور اپنے دشموں پر احسان کر کے انہیں دلی دوست مت بناؤ۔ اب یہاں سے اس کی تائید کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے اسوہ کو بیان کیا جارہا ہے کہ ان کا سارا خاندان والد سمیت شرک کی دلدل میں ڈوبا ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ صرف ان سے براءت کا اعلان کیا بلکہ عداوت کا بھی اعلان کر دیا کہ جب تک کہ تم ایک اللہ تعالیٰ کو نہ مان لو، میری تمہاری دشمنی ہے۔

مکہ سے آنے والی خواتین کا حکم:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ..... ﴿۱۰﴾﴾

صلح حدیبیہ کی شرائط میں ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا گیا وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ جبکہ مکہ سے کوئی کافر مسلمان ہو کر مدینہ آجائے تو اسے واپس کیا جائے گا۔ کچھ مرد مکہ سے مدینہ آئے، شرط کے مطابق انہیں واپس کر دیا گیا۔ اسی طرح کچھ خواتین بھی مکہ سے مسلمان ہو کر مدینہ تشریف لے آئیں تو مکہ والوں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ خواتین اس واپسی کی شرط سے مستثنیٰ ہیں۔ لہٰذا انہیں واپس نہیں کیا جائے گا کیونکہ اب وہ اپنے سابقہ کافر شوہر کے لیے حلال نہیں رہیں۔ اس آیت میں ایسی آنے والی خواتین کی جانچ پڑتال کا حکم دیا گیا ہے کہ انہیں پرکھ لیا جائے کہ واقعی وہ مسلمان ہو کر آئی ہیں یا کوئی اور مقصد ہے۔ پھر ان کے نکاح اور مہر کے متعلق احکامات بیان کیے گئے ہیں۔

اہلِ ایمان خواتین کی بیعت کا حکم:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا..... ﴿۱۲﴾﴾

گزشتہ آیات میں ان خواتین کا بیان تھا جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئی تھیں۔ اب یہاں سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر مہاجرات آپ سے بیعت کرنا چاہیں تو آپ انہیں بیعت فرمالیں۔ حکمِ بیعت مہاجرات کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھ چیزوں پر ان سے بیعت لینے کا حکم تھا:

◎ ﴿اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا﴾ شرک نہیں کریں گی۔

◎ ﴿وَّلَا يَسْرِقْنَ﴾ چوری نہیں کریں گی۔

◎ ﴿وَلَا يَزْنِيْنَ﴾ زنا نہیں کریں گی۔

◎ ﴿وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ﴾ اولاد کو ناحق قتل نہیں کریں گی۔

◎ ﴿وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ﴾ بہتان نہیں باندھیں گی۔

◎ ﴿وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ﴾ اور ہر نیک بات آپ کی مانیں گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کریں، بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والے ہیں۔

سورۃ الصف

وجہ تسمیہ:

"صف" کا معنی ہے قطار باندھنا۔ اس سورۃ میں مؤمنین کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ جہاد میں صف باندھتے ہیں۔ اسی لیے اس کا نام الصف رکھا ہے۔

شانِ نزول:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ہمیں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا عمل محبوب ہے تو ہم اس پر اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔ اس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو بلا کر یہ سورۃ سنائی۔ اس میں تعلیم دی گئی ہے کہ کوئی ایسی بات کرنا جس میں کوئی بڑا دعویٰ ہو تو یہ

مؤمن کی شان کے لائق نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جس کا دعویٰ کیا ہے اسے پورا نہ کر سکے۔ اس لیے جب بھی اس طرح کی کوئی بات کرنی ہو تو ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ دینا چاہیے۔ پھر اگلی آیت میں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو میدان جہاد میں نکل کر سیسہ پلائی دیوار کی طرح ڈٹ کر لڑتے ہیں۔

بشارتِ عیسیٰ علیہ السلام:

﴿وَ اِذۡ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىۃِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ ؕ ..... ﴿۶﴾﴾

گزشتہ آیت میں ذکر تھا کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا فرما دیا تھا۔ اب یہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا ذکر ہو رہا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے تین باتیں فرمائیں: نمبر ایک اپنی رسالت کا ذکر فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ نمبر دو تورات کی تصدیق فرمائی۔ نمبر تین بعد میں آنے والے پیغمبر (حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی بشارت بھی دی۔ جن کا نام "احمد" ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو کھلی نشانیاں دکھائیں تو بنی اسرائیل کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

دین اسلام باقی اور غالب رہے گا:

﴿یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَ لَوۡ کَرِہَ

الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۸﴾

کفار اپنے منہ سے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کریں گے اگرچہ کافروں کو یہ بات جتنی بھی بری لگے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار اپنے منہ سے اس دین کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ان کے زبانی دعوے ہیں کہ ہم دین کو مٹا دیں گے لیکن یہ دین ان کے دعووں سے مٹ نہیں سکتا۔

﴿هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ۔۔۔۔ ﴿۹﴾﴾

دین اسلام غالب رہے گا۔ لیکن اس سے مراد غلبہ برہانی ہے کہ جس نے بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر دلائل وبراہین سے بات کی تو وہ مغلوب ہوا۔

دین کے مددگار بنو!

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡۤا اَنۡصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ لِلۡحَوَارِیّٖنَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ۔۔۔۔ ﴿۱۴﴾﴾

پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد و نصرت فرمائی۔

فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بنو جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہے جو اللہ کے واسطے میری مدد کرے؟ حواریوں نے کہا کہ ہم مدد کریں گے۔ پھر یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور ایک نے کفر کیا۔ اللہ نے ایمان والوں کی مدد کی ان کے دشمنوں کے خلاف اور بالآخر ایمان والے غالب آ

گئے۔

سورۃ الجمعہ

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کے آخر میں جمعۃ المبارک کے احکامات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے اس کا نام "الجمعہ" رکھ دیا گیا ہے۔

خاتم الانبیاء کی بعثت کے مقاصد:

﴿هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیۡهِمۡ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ.....۝۲﴾

یہاں اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار بنیادی مقاصد بیان فرمائے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً کیے تھے:

اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں۔ اہل ایمان کا تزکیہ نفوس فرماتے ہیں۔ یعنی اخلاق رذیلہ، عُجب، کبر، حسد، بغض اور گندے عقائد سے پاک کرتے ہیں۔ قرآن مجید کا معنی سمجھاتے ہیں اور سنت کی تعلیم دیتے ہیں۔

پیغمبر کی بعثت عامہ:

﴿وَّ اٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ ؕ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ۝۳﴾

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اُمیوں کی طرف بھی بھیجے گئے اور ان لوگوں کی طرف بھی بھیجے گئے، ﴿لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ﴾ جو ابھی ان کے ساتھ نہیں ملے۔

اللہ غالب حکمت والا ہے۔﴿وَّ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ﴾اس کا مصداق امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔

یہودیوں کی مذمت:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا.....۝۵﴾

یہودی کہتے تھے کہ ہم تورات کو مانتے ہیں۔ تورات میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات مذکور تھیں، یہود انہیں پڑھ بھی چکے تھے لیکن جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو یہودی آپ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے اور تورات کی مخالفت کی۔ ان کی مثال اس گدھے جیسی ہے جس پر کتابیں لادی ہوئی ہوں۔

اہل ایمان کے لیے ہدایات:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ.....۝۹﴾

جب جمعہ کی پہلی اذان ہو جائے تو سوائے جمعہ کی تیاری کے خرید و فروخت اور دیگر دنیوی امور انجام دینا جائز نہیں۔

اوران آیات میں اہل ایمان کو ہدایات دی گئی ہیں کہ دنیوی مصروفیات کی وجہ سے دین پر عمل کرنے میں رکاوٹ نہیں آنی چاہیے۔ ایک مرتبہ کچھ صحابہ کرام نماز جمعہ پڑھنے کے بعد تجارتی قافلہ کے آنے کی اطلاع پاکر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ جمعہ ارشاد فرمانے کے دوران بغرض تجارت رزق کی خاطر چلے گئے تھے۔

اس وقت ان آیات کا نزول ہوا جس میں اہل ایمان کو ہدایات دی گئی ہیں کہ اس طرح خطبہ جمعہ کو چھوڑ کر جانا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والے ہیں۔

شروع میں نماز جمعہ پہلے پڑھی جاتی تھی اور خطبہ بعد میں ہوتا تھا، اس واقعے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے دینا شروع فرما دیا تھا۔

سورۃ المنافقون

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ میں منافقین کے نفاق کا بیان ہے اس لیے اس کا نام بھی "منافقون" رکھ دیا۔

شہادت خداوندی:

﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ----﴾ (۱)

منافقین کا طریقہ یہ تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو کہتے کہ ہم دل سے گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شہادت دی کہ یہ منافقین جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہ زبان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کا اقرار کرتے ہیں اور دل سے انکار کرتے ہیں۔

شان نزول:

﴿يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (۸)

عرب کا ایک قبیلہ بنو المصطلق مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے تیاری میں

مصروف تھا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو لے کر خود تشریف لے گئے۔ انہیں شکست کا سامنا ہوا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چشمہ کے قریب پڑاؤ ڈالا، پانی کے معاملے میں ایک مہاجر اور انصاری صحابی کے مابین تکرار ہوئی اور معاملہ بڑھ کر جھگڑے تک جا پہنچا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا۔ ان کی آپس میں معافی تلافی ہو گئی۔

واپسی پر عبد اللہ بن ابی نے کہا کہ مہاجرین کو اتنا سر پر نہ چڑھاؤ کہ وہ ہاتھ اٹھانے لگ جائیں اور کہا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے (منافقین) ذلت والوں (مہاجرین) کو نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو عبد اللہ بن ابی نے انکار کر دیا۔ مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے یہ سورۃ نازل ہوئی جس میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تصدیق ہوئی اور منافقین کے نفاق کو بھی کھول کر بیان کیا گیا۔ عبد اللہ بن ابی کو جواب دیا گیا کہ اصل میں عزت اللہ تعالی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے لیے ہے لیکن منافقین کو تو اس کا علم ہی نہیں ہے۔

سورۃ التغابن

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی آیت نمبر 9 میں ﴿ یَوْمُ التَّغَابُنِ ﴾ کا ذکر ہوا ہے، اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "تغابُن" رکھا گیا ہے۔

تخلیقاتِ باری تعالیٰ کا تقاضا:

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲﴾﴾

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے انسانوں کو پیدا کیا۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ سب انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے۔ ایسا نہ ہوسکا کیونکہ بعض کافر ہوگئے اور بعض مؤمن ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کے اعمال سے باخبر ہے۔

ہار جیت کے دن کفار کی حسرت:

﴿يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ..... ﴿۹﴾﴾

تغابن قیامت کے دن کو کہتے ہیں اس کا معنی ہے ہار جیت کا دن۔ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جنت میں داخل فرمادیں گے تو اس وقت کفار اس بات پر حسرت کریں گے کہ کاش ہم بھی دنیا میں اہل جنت کی طرح اعمال کرتے تو ہم بھی ان کے ساتھ جنت میں ہوتے۔

تکالیف آنے کی وجوہات:

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ----- ﴿۱۱﴾﴾

دنیا میں جو بھی تکلیف آتی ہے وہ اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی، اللہ کے حکم سے آتی ہے۔ اکثر و بیشتر مصیبت گناہ کی وجہ سے آتی ہے۔ کبھی بندے کے گناہ کے کفارے کی وجہ سے تکلیف آتی ہے۔ اور کبھی بغیر کسی گناہ کے رفعِ درجات کے لیے تکلیف آتی ہے۔

- انسان اگر تکلیف کے آنے سے پہلے گناہ سے بچتا تھا اور تکلیف کے بعد بھی بچتا ہے تو یہ تکلیف رفع درجات کے لیے ہے۔

- اگر پہلے گناہوں سے نہیں بچتا تھا لیکن تکلیف کے بعد بچنا شروع ہو گیا ہے تو یہ تکلیف کفارہ سیئات کے لیے ہے۔
- اگر پہلے بھی گناہ کرتا تھا اور تکلیف کے بعد بھی گناہ کرتا ہے تو یہ تکلیف اس کے حق میں عذاب ہے۔

ازواج واولاد کے متعلق خاص ہدایات:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ وَإِن تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (١٤)﴾

ایمان والوں کو فرمایا کہ تمہاری بعض بیویاں اور تمہاری بعض اولاد تمہارے لیے دشمن ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح دشمن سے تکلیف پہنچتی ہے اسی طرح ان سے بھی پہنچتی ہے "فَاحْذَرُوهُمْ" کہ ان کے معاملہ میں ذرا احتیاط سے کام لو، اور جہاں تکلیف کا اندیشہ ہو وہاں ذرا احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ اگر باہمی جھگڑا ہو جائے، اولاد یا بیوی نافرمانی کرے اور تم معاملہ کو سلجھانا چاہو اور ان کو بھی کچھ احساس ہو تو تین باتوں کا خیال کرو:

- "وَإِن تَعْفُوا" زبان سے معاف کرو۔
- "وَتَصْفَحُوا" اور دل سے بات نکال دو۔
- " وَتَغْفِرُوا " آئندہ اس کا کبھی تذکرہ بھی نہ کرو۔

بس یہ کام تم بھی کرو کیوں کہ "فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ " اللہ تعالیٰ بھی معاف فرماتے ہیں۔ جس مقام پر دو صفتیں اکٹھی آجائیں تو عموماً پہلی صفت دعوی ہوتی ہے اور دوسری اس کی دلیل ہوتی ہے تو " غَفُورٌ " یہ دعوی ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف

فرماتے ہیں اور "رَحِیمٌ "اس کی دلیل ہے کہ اس لیے معاف نہیں کرتے کہ تم مستحق مغفرت ہو بلکہ اس لیے معاف کرتے ہیں کہ وہ رحیم ہے۔ تو ہمیں یہ بات سمجھائی کہ اہل وعیال کو معاف کرو اس لیے نہیں کہ وہ معافی کے مستحق ہیں کبھی جرم ایسا ہوتا ہے کہ معاف کرنے کے لیے دل آمادہ بھی نہیں ہوتا لیکن پھر بھی تم ان پر شفقت اور رحمت کا معاملہ کرو۔

سورۃ الطلاق

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ میں طلاق کے احکامات بیان فرمائے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کا نام "طلاق "رکھا گیا ہے۔

اس سورۃ میں شوہر اور بیوی کو تقویٰ اختیار کرنے کی بھی ترغیب دی گئی ہے۔

طلاق دینے کا طریقہ:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ.....۝۱﴾

جب مرد اور عورت کا نکاح کے ذریعے رشتہ قائم ہو جائے تو حتی الامکان طلاق نہیں دینی چاہیے۔ ہاں اگر میاں بیوی کے درمیان معاملات میں کشیدگی پیدا ہو گئی ہو جس کی وجہ سے طلاق دینے کی نوبت آجائے تو یہاں طلاق دینے کا طریقہ سمجھایا جا رہا ہے کہ: نمبر ایک، ایک طلاقِ رجعی دی جائے۔ نمبر دو ایسے طہر میں طلاق دی

جائے جس میں شوہر نے بیوی سے جماع نہ کیا ہو۔ طلاق رجعی دینے کا فائدہ یہ ہو گا کہ اگر میاں بیوی کے درمیان وہ غلط فہمی یا وہ غصہ جس کی وجہ سے طلاق دی اگر دور ہو جائے تو دوبارہ رجوع کے ذریعے اپنے نکاح کا رشتہ قائم کر سکیں گے۔ جماع کے بغیر والے طہر میں طلاق دینے کا فائدہ یہ ہو گا کہ عورت کی عدت لمبی نہیں ہو گی۔ طلاق رجعی کی عدت کے دوران عورت اپنے شوہر کے گھر میں رہ کر عدت گزارے گی۔ اس مدت کا نفقہ شوہر کے ذمے ہو گا۔

تقویٰ پر ملنے والے پانچ انعامات:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝﴾

اس سورت میں اللہ رب العزت نے تقویٰ پر پانچ انعامات کا ذکر فرمایا ہے:

[1]: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے مصائب سے نکلنے کا راستہ بنا دیتے ہیں۔

[2]: ﴿وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ اللہ اس کو بے گمان روزی عطا فرما دیتے ہیں۔

[3]: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾ اللہ اس کے لیے تمام امور میں آسانیاں پیدا فرما دیتے ہیں۔

[4]: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ﴾ اور جو تقویٰ اختیار کرے اللہ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔

[5]: ”وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا“ اللہ اس کو اجر عظیم عطا فرما دیتے ہیں۔

آئسہ اور حاملہ کی عدت:

﴿وَ الّٰٓـِٔیْ یَىٕسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓـِٔیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ.....﴿۴﴾﴾

یہاں مختلف عورتوں کی عدت کو بیان کیا جارہا ہے۔ آئسہ وہ عورتیں ہیں جن کو ماہواری نہیں آتی؛ عمر کم ہونے کی وجہ سے یا عمر بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے؛ طلاق کے بعد ان کی عدت تین ماہ ہے۔ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے یعنی بچے کی ولادت ہوتے ہی عدت پوری ہو جائے گی۔

سات آسمان اور سات زمینیں:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ-----﴿۱۲﴾﴾

اللہ رب العزت کی ذات وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور انہی کی طرح سات زمینیں بھی پیدا فرمائیں۔

﴿مِثْلَهُنَّ﴾ مِثل کی دو قسمیں ہیں؛ مثل بالکم اور مثل بالکیف۔ ایک چیز مقدار میں دوسری کی طرح ہو تو یہ مثل بالکم ہے اور اگر ایک چیز کیفیت میں دوسری کی طرح ہو تو یہ مثل بالکیفیت ہے۔ یہاں ﴿مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ میں جو مثل ہے تو اس سے مراد مثل فی الکم ہے، کیفیت نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ آسمان بھی سات ہیں تو ان کی مثل زمینیں بھی سات ہیں۔

سورۃ التحریم

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ میں اس واقعہ کا ذکر ہے جس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر شہد کو حرام قرار دیا تھا۔ اسی وجہ سے اس کا نام تحریم رکھا گیا ہے۔

شان نزول:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱﴾

حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد ترتیب وار ازواج مطہرات کے گھر تشریف لے جاتے۔ حسب معمول آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، انہوں نے آپ کو شہد پیش کیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لی گئے تو انہوں نے کہا کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے کہا کہ بو محسوس ہو رہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھالی کہ میں شہد نہیں پیوں گا۔

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور از راہ شفقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ نے اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے حلال چیز (شہد) کو حرام قرار کیوں قرار دیا؟ قسم توڑ کر کفارہ ادا کریں۔ آگے آیات میں پوری تفصیل موجود ہے۔

اپنی اور گھر والوں کی فکر کیجیے!

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝٦﴾

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے، اس آگ پر ایسے فرشتے مامور ہیں جو تند خو اور سخت مزاج ہیں، اللہ جو حکم انہیں دے اس میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ! خود کو جہنم کی آگ سے بچائیں یہ تو سمجھ میں آتا ہے لیکن اہل وعیال کو کیسے بچائیں؟ فرمایا کہ خود گناہوں سے بچو اور ان کو بھی گناہوں سے بچاؤ، خود نیک اعمال کرو اور ان کو بھی نیک اعمال پہ لاؤ تو یہ بھی آگ سے بچ جائیں گے۔

اہل ایمان کو خالص توبہ کرنے کا حکم:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا..... ۝٨﴾

اے ایمان والو! خالص توبہ کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے خالص توبہ یہ ہے کہ جو گناہ کیا ہے اس پر آدمی کو ندامت ہو جائے، جو فرض چھوڑ دیا تھا اس کی قضا کر لے، کسی کا مال لیا تھا تو اس کو واپس کر دے، کسی سے زیادتی کی تھی تو اس سے معافی مانگ لے، آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کر لے اور جس طرح نفس کو گناہ کرتے دیکھا تھا اسی طرح نفس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے بھی دیکھے۔ خالص توبہ کرنے پر گناہوں کی معافی کا وعدہ ہے اور ایسے باغات ملیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی

ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی خالص توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

دو کافر عورتوں کی مثال:

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ..... (۱۰)﴾

حضرت نوح علیہ السلام نبی ہیں اور بیوی کافرہ ہے، نام واغلہ ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نبی ہیں اور بیوی کافرہ ہے، اس کا نام والہہ ہے۔ دونوں کفر پر تھیں اور پیغمبر کا ساتھ نہیں دیا تو دونوں جہنم میں گئیں۔

دو مؤمن عورتوں کی مثال:

﴿وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ..... (۱۱)﴾

فرعون کی بیوی آسیہ کافر کی بیوی ہیں لیکن نبی کا ساتھ دیا تو جنت میں گئیں۔
حضرت مریم علیہا السلام حضرت عمران جو کہ مسجد اقصیٰ کے امام تھے ان کی بیٹی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ ہیں، یہ بھی جنتی ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ نمبر:29

سورۃ الملک

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ ملک ہے۔اس لیے اس سورۃ کا نام "ملک" رکھا گیا ہے۔

سورۃ الملک کی فضیلت یہ ہے کہ یہ عذابِ قبر سے نجات دلانے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِىۡ بِيَدِهِ الۡمُلۡكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرُ ۙ‏ ۝١﴾

سورۃ کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی چار اہم صفات کا ذکر ہے: اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا، اللہ تعالیٰ کا مالک اور سب سے بالاتر ہونا، آسمان وزمین پر اللہ تعالیٰ کی حکومت کا ہونا اور اللہ تعالیٰ کا ہر چیز پر قادر ہونا۔

موت وحیات کی پیدائش کا مقصد:

﴿الَّذِىۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَيٰوةَ لِيَبۡلُوَكُمۡ اَيُّكُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ۙ ۝٢﴾

موت وحیات کو پیدا کرنے کا بنیادی مقصد انسان کی آزمائش ہے کہ دنیا میں کون اچھے اعمال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن اعمال کو گنا نہیں جائے گا بلکہ وزن کیا جائے گا۔ موت کا پہلے ذکر فرمایا حیات کا بعد میں اس میں اشارہ ہے کہ انسان کی دنیوی زندگی بالکل مختصر

ہے اور موت کا واقع ہونا یقینی اور بالکل قریب ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ گناہوں سے بچیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا والے کام کریں۔

ترک تقلید کے نقصانات:

﴿وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۝۱۰﴾

تقلید نہ کرنے کی وجہ سے بندے کو تین نقصانات ہوں گے:

- دنیا میں نقصان یہ ہوتا ہے کہ اسے شریعت نہیں ملتی جس کی وجہ سے گمراہ رہتا ہے۔
- قبر میں نقصان یہ ہوتا ہے کہ اسے لوہے کے ہتھوڑوں سے کنپٹیوں پر مارا جاتا ہے۔ (الحدیث)
- آخرت میں نقصان یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ کہیں گے کہ کاش ہم کسی کی بات سن لیتے یا خود ہی عقل سے کام لے لیتے تو آج جہنم میں داخل نہ ہوتے۔ الغرض یہ وہاں اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے، اہل جہنم کے لیے پھٹکار ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تقلید کے بغیر انسان کبھی بھی شریعت پر عمل نہیں کر سکتا۔ عمل کرنا تو دور کی بات ہے تقلید کے بغیر انسان کو عمل مل ہی نہیں سکتا۔ اس لیے مسائل اجتہادیہ میں غیر مجتہد کے لیے مجتہد کی تقلید کرنا ضروری ہے۔

کفار کی حماقت:

﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَ مَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ یُّجِیْرُ الْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۲۸﴾

کفار مکہ ؛ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے یہ کہا کرتے تھے کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فوت ہو جائیں گے تو دین اسلام ختم ہو جائے گا۔ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا انتظار کرتے تھے۔ یہاں انہیں بتایا جارہا ہے کہ یہ تمہاری حماقت ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اللہ تعالیٰ وفات دے یا ان پر رحم فرماکر فتح عطا فرمائے، تمہیں دونوں صورتوں میں کوئی نفع نہیں ہو گا بلکہ تمہیں تو ہر حال میں عذاب کا سامنا کرنا ہی پڑے گا۔

سورۃ القلم

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ میں قلم کا ذکر ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "قلم" رکھ دیا گیا ہے۔

مشرکین کی تردید:

﴿نٓ وَ الْقَلَمِ وَ مَا يَسْطُرُوْنَ ۝١ مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝٢﴾

مشرکین مکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ قلم کی قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ اے میرے پیغمبر! آپ مجنون نہیں ہیں۔ پھر آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان فرمائی کہ آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں۔

موقع پر باطل کی وضاحت ضروری ہے:

﴿وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝١٠ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۝١١﴾

یہ عام کفار کے بارے میں بھی ہے اور بطورِ خاص ولید بن مغیرہ کے بارے

میں ہے۔ یہاں اس کی نو اخلاقی برائیاں بیان کی گئی ہیں:

﴿حَلَّافٍ﴾ یہ شخص جھوٹی قسمیں کھاتا ہے، ﴿مَّهِيْنٍ﴾ یہ شخص ذلیل اور کمینہ ہے، ﴿هَمَّازٍ﴾ طعنہ بہت دینے والا ہے، ﴿مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ﴾ چغل خور ہے، ﴿مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ﴾ خیر سے روکتا ہے، ﴿مُعْتَدٍ﴾ حد سے تجاوز کرتا ہے، ﴿اَثِيْمٍ﴾ گناہ گار ہے، ﴿عُتُلٍّ﴾ مزاج کا سخت ہے اور پھر ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ﴾ بدنام بھی ہے، ولد الزنا اور حرام کی اولاد ہے۔ ﴿اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِيْنَ﴾ سرکشی کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس کے پاس بہت مال ہے اور اولاد ہے۔

باغ والوں کا واقعہ:

﴿اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿١٧﴾﴾

کفار کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وافر مقدار میں مال عطا فرمایا ہے۔ یہاں باغ والوں کا واقعہ بیان کر کے کفار کو تنبیہ کی گئی ہے کہ کسی کو مال و دولت کا ملنا اس کی عند اللہ محبوبیت کی دلیل نہیں بلکہ بعض دفعہ مال کا ملنا آزمائش کے لیے ہوتا ہے۔ جس طرح باغ والوں کو اللہ تعالیٰ نے خوب نوازا تھا لیکن یہی مال ان کی آزمائش کا ذریعہ بن گیا۔ جب وہ نافرمانی اور ناشکری پر اترے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے باغ کو نیست و نابود فرما دیا۔

حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت:

﴿وَ اِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ

﴿يَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴾

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کافروں کو جب نصیحت کی جارہی ہوتی ہے تو یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے گھور کر دیکھتے ہیں جیسے اپنی آنکھوں سے پھسلا دیں گے، راہِ حق سے ہٹادیں گے۔ مزید یہ کہ مکہ میں ایک شخص تھا اس کی نظر بد لگتی تھی اہل مکہ نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علی وسلم) کو نظر لگاؤ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی اس سے حفاظت فرمائی۔ اگر کسی کو نظر بد لگ جائے تو یہ آیت پڑھ کر دم کر دیا جائے، ان شاء اللہ نظر کا اثر ختم ہو جائے گا۔

سورۃ الحاقہ

وجہ تسمیہ:

حاقہ قیامت کو کہتے ہیں۔ چونکہ پہلی آیت میں قیامت کا بیان کیا ہے اس لیے اس کا نام بھی "حاقہ " رکھ دیا گیا ہے۔

قیامت برحق ہے:

﴿اَلْحَآقَّةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْحَآقَّةُ ۚ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ؕ﴿۳﴾﴾

سورۃ کے شروع میں بیان کیا جارہا ہے کہ قیامت آکر رہے گی اس کے وقوع کو ماننا ضروری ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام یعنی قوم ثمود، قوم عاد، قوم فرعون اور قوم نوح کی تباہی کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی۔

اہل جنت واہل جہنم کا تذکرہ:

﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ

﴿۱۹﴾

یہاں اہل جنت اور اہل جہنم کو پیش آنے والے حالات کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ اہل جنت کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ہو گا اور جنت کی بے شمار نعمتیں ملیں گی۔ اہل جہنم کو نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں ملے گا اور ان کے لیے طرح طرح کے عذاب ہوں گے۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے:

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ﴿۴۰﴾﴾

یہاں اللہ تعالیٰ قسمیں کھا کر فرمارہے ہیں کہ یہ کلام (قرآن کریم) کسی شاعر اور کاہن کا کلام نہیں بلکہ یہ کلام تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے ہے۔ اس سے مشرکین کی تردید بھی ہوگئی جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن اور شاعر کہا کرتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ یہ کلام کسی کاہن سے سن کر لے آتے ہیں۔

امام الانبیاء کی نبوت کی حقانیت:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ﴿۴۵﴾﴾

یہاں ایک اصول بیان فرمایا جارہا ہے کہ (نعوذ باللہ) اگر کوئی شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف کسی ایسی بات کو منسوب کرے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو دنیا میں ذلیل ورسوا کر دیتے ہیں۔ اگر بفرض محال نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوائے نبوت غلط ہوتا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کریم کی طرف سے برحق نبی ہیں۔

سورۃ المعارج

وجہ تسمیہ:

معارج کے معانی چڑھنے کے راستہ کے ہیں۔ یہ تیسری آیت میں موجود ہے۔اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام معارج رکھا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے عذاب نہیں مانگنا چاہیے:

﴿سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍۙ(۱) لِّلْكٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَهٗ دَافِعٌۙ(۲) مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِؕ(۳)﴾

ان آیات میں نضر بن حارث کی حماقت کو بیان کیا جارہا ہے۔اس نے قرآن کریم کو جھٹلایا اور استہزاء کرنے کے لیے کہا کہ اگر یہ قرآن کریم اور دین اسلام جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)لائے ہیں برحق اور سچے ہوں تو اللہ تعالیٰ ہم پر آسمان سے عذاب نازل کردے۔ اس کا مقصد استہزاء کرنا تھا۔ اسے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل کر دیا تو پھر اس عذاب کو روکنے والا کوئی نہیں ہو گا۔

قیامت کی ہولناکی:

﴿یَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِۙ(۸) وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِۙ(۹)﴾

قیامت کے دن آسمان سیاہ ہوں گے اور پہاڑ روئی کی طرح بکھر جائیں گے۔ دوست ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوتے بھی ایک دوسرے کے کچھ بھی کام نہیں آئیں گے۔اس وقت مجرمین چاہیں گے کہ کسی بھی طرح مال وفدیہ دے کر ہم چھوٹ

جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "كَلَّا" ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

اہل جنت کے صفات:

﴿اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ﴿٢٢﴾ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿٢٣﴾﴾

گزشتہ آیات میں قیامت کی ہولناکی کا بیان تھا۔ یہاں اہل جنت کی صفات کو بیان کرکے آخر میں فرمایا کہ یہ لوگ باغات میں عزت کے ساتھ رہیں گے۔

سورۃ النوح

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر موجود ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام حضرت نوح علیہ السلام کے نام پر رکھ دیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت اور قوم کو دعوت:

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ..... ﴿١﴾﴾

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو 950 پچاس سال تک مسلسل اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دیتے رہے۔ لیکن چند ایک افراد کے علاوہ باقی قوم حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان نہ لائی۔ چار بتوں وُد، سُواع، یغوث اور یعوق کی پوجا کرتی رہی۔ بالآخر حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار ان کفار میں سے کسی کو بھی روئے زمین پر باقی نہ رکھ۔ دعا قبول ہوئی اور عذاب آیا جس سے تمام کفار غرق ہوگئے۔

سورۃ الجن

وجہ تسمیہ:

کچھ جنات نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے قرآن سنا تھا۔ اس سورۃ میں ان کا ذکر ہے اس لیے اس سورۃ کا نام بھی جن رکھ دیا گیا ہے۔

جنات کے قرآن کریم سننے کا واقعہ:

﴿قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝۱﴾

جنات وشیاطین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل آسمان کی طرف جا کر وہاں سے کچھ باتیں سن آتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوگئی تو جنات کو اوپر جاتے وقت شہاب ثاقب پڑتے۔ انہوں نے اپنی کچھ جماعتیں تشکیل دیں تاکہ معلوم کریں کہ ایسا کیوں ہورہا ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لاتے ہوئے مقام نخلہ پر فجر کی نماز میں تلاوت فرمارہے تھے تو جنوں کی ایک جماعت وہاں سے گزری۔ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے قرآن کریم سن کر ایمان لے آئے۔ پھر اپنی قوم میں جاکر تبلیغ کی تو جنات کے کئی وفود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لاکر اسلام لائے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صرف انسانوں کے نبی نہیں بلکہ جنات اور تمام مخلوق کے بھی نبی ہیں۔

علم غیب اللہ تعالیٰ کی ذات کا خاصہ ہے:

﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝۲۶﴾

علم غیب اللہ تعالیٰ کی ایک خاص صفت ہے جس میں کوئی اور شریک نہیں۔

البتہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں میں سے جسے غیب کی خبروں کے لیے پسند کرتا ہے تو اسے بھی غیب کی خبروں پر مطلع کر دیتا ہے۔

سورۃ المزمل

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں موجود لفظ ﴿الْمُزَّمِّلُ﴾ کی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "مزمل" رکھا گی ہے۔

نبی پاک کو مزمل کہنے کی وجہ:

﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝١﴾

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی اتری اور آپ کے کاندھوں پر نبوت کی عظیم ذمہ داری ڈالی جارہی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سردی لگنے لگی۔ آپ اپنی اہلیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا مجھے چادر لپیٹ دو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا اے چادر میں لپٹنے والے!

تہجد کی فرضیت:

﴿قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٢ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝٣﴾

شروع شروع میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب پر تہجد کی نماز فرض قرار دی گئی تھی کہ رات کے تہائی حصے میں نماز تہجد ادا کریں۔ تہجد پڑھنے کے بہت فوائد ہیں: رات کے وقت بالکل سناٹا ہوتا ہے، مخلوق کو اپنے خالق سے راز و نیاز کا صحیح موقع مل جاتا ہے۔ رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ دعا کو قبول فرمالیتے ہیں۔

تہجد کی فرضیت منسوخ ہے:

﴿اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآىٕفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ----﴿۲۰﴾﴾

تقریباً ایک سال بعد اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسانی کے لیے تہجد کی فرضیت کو منسوخ قرار دے دیا۔ اس آیت کے آخر میں چار چیزوں کا حکم دیا گیا: نماز کی پابندی کرنا، زکوۃ ادا کرنا، صدقہ دینا اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا۔

سورۃ المدثر

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں موجود لفظ (الْمُدَّثِّرُ) کی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "مدثر" رکھا گی ہے۔

فرائض خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۲﴾ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿۳﴾ وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿۴﴾﴾

اللہ تعالیٰ نے محبت کا اظہار کرکے فرمایا اے چادر میں لپٹنے والے! اٹھیے اور لوگوں کو ڈرائیے۔ اپنے پروردگا کی تکبیر کہیے۔ اپنے کپڑوں کو پاک رکھیے۔ گندگی سے کنارہ کیجیے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دو مشہور صفتیں نذیر اور بشیر ہیں، یہاں صرف نذیر کا ذکر کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بالکل ابتدائی زمانہ تھا مسلمان تعداد میں کم تھے جبکہ کفار بہت زیادہ تھے اس لیے صرف صفت نذیر کا ذکر کیا۔ یہاں گندگی سے مراد بتوں کی گندگی ہے کہ ان سے اپنے آپ کو بچائیے۔

کفار کی آزمائش:

﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾ وَ مَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا..... ﴿٣١﴾﴾

جہنم کے نگران فرشتوں کی تعداد انیس بتائی۔ اس تعداد کے بتانے میں کفار کا امتحان ہے کہ وہ اس کو مانتے ہیں یا اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ بجائے ماننے کے ان میں سے ایک نے کہا سترہ سے تو میں نمٹ لوں گا باقی دو کو تم سنبھال لینا۔ انہیں جواب دیا گیا یہ فرشتے ہیں جن کا تم مقابلہ نہیں کر سکو گے۔

جہنم میں جانے کی وجہ:

﴿مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿٤٣﴾﴾

جب اہل جنت، جنت میں چلے جائیں گے تو مجرمین اہل جہنم سے پوچھیں گے کہ تمھیں کس چیز نے جہنم میں داخل کر دیا ہے؟ تو وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، مسکین کو جس کا حق واجب تھا کھانا نہیں کھلاتے تھے، بے ہودہ مجلس میں دین کو باطل کرنے لیے جایا کرتے تھے اور قیامت کو جھٹلاتے تھے۔

سورۃ القیامہ

وجہ تسمیہ:

سورۃ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی قسم کھائی ہے۔ اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام "قیامہ" رکھ دیا گیا ہے۔

بعث بعد الموت:

﴿لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ؕ﴿۲﴾﴾

یہاں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں قیامت اور نفس لوامہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ ہم انسان کو دوبارہ لازمی زندہ کریں گے۔ انسان کا یہ سمجھ لینا کہ ہم اس کی ہڈیوں کو زندہ نہیں کر سکیں گے یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ ہڈیوں کو جمع کرنا تو آسان ہے بنسبت انگلیوں کے پوروں کو جمع کرنے کے۔ ہم تو پوروں کو جمع کرنے پر بھی قادر ہیں۔ نفس لوامہ انسان کی طبیعت میں ایک ایسے مادہ کو کہتے ہیں جو انسان کو برائی پر ملامت کرتا رہتا ہے۔

حفاظتِ قرآن:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۚ﴿۱۷﴾﴾

قرآن کریم کے الفاظ و معانی محفوظ ہیں اور محفوظ رہیں گے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ جلدی جلدی پڑھنے لگ جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ میرے نبی! قرآن کو یاد کرنے کے لیے جلدی جلدی اپنی زبان مبارک کو نہ ہلایا کریں۔ اس کو پڑھوانا اور یاد کروانا ہماری ذمہ داری ہے۔

دیدار خداوندی:

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ﴿۲۳﴾﴾

ان آیات میں اہل جنت کا تذکرہ فرمایا کہ قیامت کے دن ان کے چہرے تروتازہ ہوں گے اور وہ اپنے رب کا دیدار بھی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دیدار

کرنے والوں میں شامل فرمادیں۔

انسانی تخلیق کے مراحل:

﴿اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿٣٧﴾﴾

یہاں اللہ تعالیٰ انسانی تخلیق کے مراحل بیان فرمارہے ہیں۔ انسان کو ان پر غور کرنا چاہیے اور اپنی اوقات کو نہیں بھولنا چاہیے۔ انسان کی ایک ناپاک قطرے سے تخلیق ہوئی ہے تو پھر اکڑ کس بات کی؟

سورۃ الدہر

وجہ تسمیہ:

دہر زمانے کو کہتے ہیں۔ پہلی آیت میں یہ لفظ موجود ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "دہر" رکھ دیا گیا ہے۔

انسانی تخلیق کا مقصد:

﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ﴿١﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ..... ﴿٢﴾﴾

انسان کی حیثیت اتنی ہے کہ ایک وقت میں وہ قابل ذکر ہی نہیں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہی اسے قابل ذکر بنایا یعنی پیدا کیا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے سننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں دیں اور راستہ دکھایا۔ انسان کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ ہم اسے آزمانا چاہتے ہیں کہ ہمارا شکر گزار بنتا ہے یا ناشکری کرتا ہے۔ پھر آگے اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لیے جنت کی نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔

قرآن کریم نصیحت ہے:

﴿اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾﴾

قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے نصیحت بنایا ہے۔ لیکن اس سے فائدہ اور ہدایت ان کو ملے گی جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کوشش کرے، محنت کرے اور ارادہ کرے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دیتے ہیں۔ ایک بندہ ارادہ بھی نہیں کرتا تو ایسا شخص قرآن کریم سے استفادہ نہیں کر سکتا۔

سورۃ المرسلات

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں لفظ﴿الْمُرْسَلٰتِ﴾موجود ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام بھی "مرسلات" ہے۔

ہواؤں اور فرشتوں کی قسمیں:

﴿وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴿۳﴾﴾

یہاں اللہ رب تعالیٰ نے پانچ قسمیں کھائی ہیں:

﴿وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا﴾ قسم ہے ان ہواؤں کی جو مسلسل چلائی جاتی ہیں۔

﴿فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا﴾ قسم ہے ان ہواؤں کی جو آندھیوں کی طرح چلتی ہیں۔

﴿وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا﴾ قسم ہے ان ہواؤں کی جو بادلوں کو اڑا کر منتشر کر دیتی ہیں۔

﴿فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا﴾ قسم ہے ان فرشتوں کی جو وحی لا کر حق اور باطل کو الگ کر دیتے

ہیں۔

﴿ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴾ قسم ہے ان فرشتوں کی جو وحی کے ذریعے ذکر یعنی نصیحت لاتے ہیں۔

قرآنی اسلوب کے مطابق جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کی قسمیں کھاتے ہیں تو یہ دلیل ہوتی ہیں بعد میں مذکور چیز پر اور یہاں وہ قیامت کے دن کا وقوع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے تو وہ ضرور واقع ہو گی۔

متقین کے انعامات:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝۴۱﴾

سورۃ کے شروع میں وقوع قیامت کا ذکر تھا۔ پھر درمیان میں اہل جہنم کے انجام کا ذکر تھا کہ ان کی جہنم کی آگ کے بڑے بڑے شعلے ہوں گے جس طرح محل ہوتے ہیں۔ اب یہاں سے ان کے مقابلے میں متقین کا انجام اور ان کے لیے جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے۔ متقین کے لیے سائے، چشمے اور میوے ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا دنیا میں جو اعمال کیے تھے یہ ان کا بدلہ ہے اب مزے سے کھاؤ اور پیو۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ نمبر:30

سورۃ النبا

وجہ تسمیہ:

نبأ خبر کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ دوسری آیت میں موجود ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام "نبأ" ہے۔

منکرین قیامت کا ذکر:

﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۚ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۙ﴿۲﴾﴾

یہاں منکرین قیامت کی باتوں کا تذکرہ ہورہا ہے۔ "نباء عظیم "سے مراد قیامت ہے۔ کفار بطور مذاق قیامت کے متعلق فضول قسم کے سوالات کرتے تھے اس سے ان کا مقصد آخرت کو ماننا نہیں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آنے والی آیات میں کائنات میں پھیلی ہوئی بے شمار نعمتوں کا ذکر کیا جن نعمتوں کو یہ کفار بھی تسلیم کرتے تھے گویا اللہ تعالیٰ کی قدرت کو مانتے تھے لیکن قیامت کو نہیں مانتے تھے۔ یہاں انہیں سمجھایا جارہا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ دیگر نعمتوں کو بنانے پر قادر ہے اسی طرح مرنے کے بعد انسانوں کو دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے۔

متقین کا انجام:

﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ۙ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ۙ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ۙ﴿۳۳﴾﴾

گزشتہ آیات میں منکرین قیامت اور آخرت کے حالات اور عذاب کا ذکر

تھا۔ اب یہاں ان کے مقابلے میں ماننے والے متقین کے لیے جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے۔ متقین کے لیے اس دن جیت ہو گی، باغات، انگور اور ہم عمر نو خیز بیویاں ہوں گی۔

آخرت کی منظر کشی:

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ صَفًّا ۙۗ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾

یہاں سے قیامت کے دن کی منظر کشی کی جارہی ہے کہ آخرت میں کوئی انسان یا فرشتہ کسی کی سفارش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے بات نہیں کر سکے گا ہاں جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے وہ بھی صرف درست بات کرے گا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جانوروں کو بھی میدان میں جمع کر کے ظالم جانور سے مظلوم جانور کا بدلہ دلوا کر انہیں مٹی کر دیں گے۔ اس وقت کفار عذاب کا منظر دیکھ کر تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی مٹی ہو جائیں۔

سورۃ النازعات

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں موجود لفظ ﴿ النّٰزِعٰتِ ﴾ کی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "نازعات" ہے۔

فرشتوں کی قسمیں:

یہاں اللہ رب تعالیٰ نے پانچ قسمیں کھائی ہیں:

﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا﴾ قسم ہے ان فرشتوں کی جو کافروں کی روح کو کھینچ کر نکالتے ہیں۔

﴿وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا﴾ قسم ہے ان فرشتوں کی جو مسلمانوں کی روح اتنی آسانی سے نکالتے ہیں کہ جیسے گرہ کھول دی گئی ہو۔

﴿وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا﴾ قسم ہے ان ملائکہ کی جو تیرتے ہیں۔

﴿فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا﴾ جو حکم ملتا ہے اس کو لے کر دوڑتے ہیں۔

﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ پھر جو حکم خدا ان کو دیتے ہیں ان کے لیے تدبیر اختیار کرتے ہیں۔

یہ قسمیں کھا کر اللہ تعالیٰ بتانا چاہتے ہیں کہ انہی فرشتوں کے ذریعے ہم صور پھنکوا کر انسانوں کو دوبارہ زندہ کر دیں گے۔ ہمارے لیے یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے۔

قدرت خداوندی کی نشانیاں:

﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰهَا ﴿٢٧﴾﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی عظیم نشانیاں آسمان، زمین، رات، دن اور پہاڑوں کا ذکر فرما کر آخرت کی منظر کشی کی ہے۔

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿٤٢﴾﴾ کفار بار بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے تھے کہ کب آئے گی؟ یہاں انہیں جواب دیا کہ قیامت کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ ﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿٤٦﴾﴾ کفار جب آخرت میں پہنچ جائیں گے تو انہیں

عالم دنیا یا عالم برزخ کا زمانہ ایک شام یا ایک صبح جتنا معلوم ہو گا۔

سورۃ عبس

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں موجود لفظ ﴿ عَبَسَ ﴾ سے اس سورۃ کا نام "عبس" ہے۔

شان نزول:

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ۝۱ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ۝۲ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓی ۝۳﴾

ایک مرتبہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے بڑے بڑے سرداروں کو تبلیغ کرنے میں مصروف تھے۔ گفتگو کے دوران حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی کوئی آیت سمجھنا چاہی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ نہ دی۔ انہوں نے اصرار کیا، بار بار کہا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا یوں بار بار کہنا ناگوار گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے توجہ ہٹالی اور مشرکینِ مکہ کی طرف متوجہ رہے۔ جب مجلس سے اٹھ کر آپ تشریف لے گئے تو اٹھتے ہی آثارِ وحی نمودار ہوئے اور یہ سورت مبارکہ آپ پر نازل ہوئی۔ اس واقعہ سے ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے کہ جو سچا، مخلص، طالب اور اپنا ہو اس کو وقت دینا اور اس کی طلب کو پورا کرنا؛ یہ اس کا حق ہے۔

ناشکرے انسان کو تنبیہ:

﴿قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝۱۷﴾

انسان کا ستیاناس ہو وہ کتنا ناشکرا ہے! گزشتہ آیات میں قرآن کریم کی پیروی کے واجب ہونے کا بیان تھا اب یہاں سے (کافر) انسان جو قرآن کریم اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا منکر اور ناشکرا ہے اس کی تخلیق کو بیان کر کے اسے تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تو اپنی تخلیق میں غور کر اللہ تعالیٰ نے تجھے کس چیز سے پیدا کیا؟ اس کو ایک قطرہ پانی سے بنایا ساتھ اس کے اعضا کو مناسب انداز میں رکھا۔ پھر اس کے لیے پیدائش کا راستہ آسان بنا دیا۔ پھر اسے موت دی اور قبر میں پہنچا دیا۔

قیامت کی منظر کشی:

﴿فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿٣٣﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿٣٤﴾﴾

گزشتہ آیات میں کائنات میں انسانوں کے فائدے کے لیے بے شمار نعمتوں کا ذکر تھا۔ اب یہاں سے آخرت کی منظر کشی کی جا رہی ہے کہ جب کان پھاڑنے والی آواز (صور) آجائے گی۔ اس سے مراد فیصلے کا دن ہے اور وہ دن اتنا سخت ہو گا کہ کوئی کسی کا نہیں ہو گا حتیٰ کہ آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا، ماں باپ سے، بیوی بچوں سے بھاگے گا۔ ایک ایک نیکی مانگتے پھریں گے لیکن کوئی کسی کو ایک نیکی دینے کے لیے تیار نہ ہو گا۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ موت سے پہلے سچی توبہ کر کے اپنے رب کو راضی کر لیں اور آخرت کے لیے نیکیاں جمع کر لیں تا کہ وہاں کسی سے مانگنی نہ پڑیں۔

سورۃ التکویر

وجہ تسمیہ:

جب قیامت قائم ہو گی تو سورج کو لپیٹ دیا جائے گا اس کے لیے پہلی آیت

میں لفظ "كُوِّرَتْ" استعمال ہوا ہے اس کی مناسبت سے اس کا نام "تکویر" ہے۔

قیامت کے حالات وواقعات:

﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝١ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ۝٢﴾

سورۃ کے شروع سے لے کر آیت نمبر 14 تک قیامت کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ سورج کو لپیٹ کر بے نور کر دیا جائے گا۔ ستارے ٹوٹ جائیں گے۔ پہاڑ چلا دیئے جائیں گے۔ ایسا ہولناک منظر ہو گا کہ دس ماہ کی گابھن اونٹنی کی بھی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔ عرب کے ہاں ایسی اونٹنی بہت قیمتی ہوتی تھی، لیکن اس وقت یہ بے کار چھوڑ دی جائے گی۔ سارے جانور خوف کے مارے اکٹھے ہو جائیں گے۔ زندہ در گور کی ہوئی بچی کو لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ تجھے کس جرم میں مٹی میں دبایا گیا تھا۔ اس سے مقصود مجرمین کو سزا دینا ہو گا۔

پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ذکر فرمایا جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لایا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا کہ انہیں جو غیب کی باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتائی جاتی ہیں وہ کاہنوں کی طرح اس کے بتانے میں نہ تو بخل سے کام لیتے ہیں اور نہ ان کے بتانے پر پیسے لیتے ہیں۔ قرآن کریم تو ہے ہی لوگوں کے لیے نصیحت لیکن اس سے فائدہ وہ اٹھاتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔

سورۃ الانفطار

وجہ تسمیہ:

جب قیامت قائم ہو گی تو آسمان پھٹ جائے گا اس کے لیے پہلی آیت میں

لفظ "انْفَطَرَتْ" استعمال ہوا ہے اس کی مناسبت سے اس کا نام "انفطار" ہے۔

﴿إِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝﴾

اس سورۃ کے شروع میں بھی اللہ تعالیٰ نے آخرت کی منظر کشی کی ہے کہ جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب سیارے بکھر جائیں گے۔ اور جب سمندر بہا دیے جائیں گے۔ اور جب قبریں کھول دی جائیں گی۔ تب ہر شخص کو اس کا سب اگلا پچھلا معلوم ہو جائے گا۔

اور دنیا میں جو اعمال کرنا چاہیے تھے لیکن نہ کر سکا، ان کا بھی علم ہو جائے گا۔

کراماً کاتبین کی ذمہ داری:

﴿كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے کراماً کاتبین کا ذکر فرمایا۔ ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ انسان دنیا میں جو بھی اعمال کرے برے یا اچھے وہ انہیں اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیں تا کہ قیامت کے دن ہر انسان اپنے نامہ اعمال کو خود دیکھ اور پڑھ لے۔ پھر اس کے متعلق فیصلہ جنت یا جہنم کا فیصلہ کیا جائے۔ اس سے ہمیں یہ سبق مل رہا ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے اپنے اقوال، افعال اور اعمال کو تول تول کر کرنا چاہیے کیوں کہ ہمارا ہر قول و فعل لکھا اور محفوظ کیا جا رہا ہے۔

سورۃ المطففین

وجہ تسمیہ:

پہلی آیت میں یہ لفظ موجود ہے، مطلب ہے ماپ تول میں کمی کرنے والے۔

اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "مطففین" ہے۔

حقوق العباد کی اہمیت:

﴿وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ ۝١ الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ ۝٢﴾

سورۃ کی ابتدائی آیات میں ان لوگوں کے لیے ہلاکت کی سخت وعید سنائی گئی ہے جو دوسرے سے اپنا حق لیتے وقت پورا پورا وصول کرتے ہیں مگر انہیں ان کا حق دیتے وقت کمی بیشی کر کے دیتے ہیں۔ کل قیامت کے دن؛ جہاں سب لوگ کھڑے ہوں گے؛ یہ اپنے پروردگار کو کیا منہ دکھائیں گے؟ اس سے ہمیں یہ سبق مل رہا ہے کہ حقوق العباد کی اچھے طریقے سے ادائیگی کرنی چاہیے اور آخرت کے لیے اچھی تیاری کرنی چاہیے۔

سجین اور علیین:

﴿كَلَّاۤ اِنَّ كِتٰبَ الۡفُجَّارِ لَفِىۡ سِجِّيۡنٍ ۝٧﴾

یہاں کئی آیات میں کفار وفجار اور ابرار و نیک لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ کفار وفجار کی جب روح نکلتی ہے تو اس کا ٹھکانہ سجین یعنی نیچے کا قید خانہ ہے۔ جب ابرار لوگوں کی روح نکلتی ہے تو اس کا ٹھکانہ علیین یعنی اوپر کے بالا خانے ہیں۔ اسی طرح کفار کا نامہ اعمال ان کی روحوں کی طرح سجین میں ہوتا ہے جبکہ ابرار کا نامہ اعمال ان کی روحوں کی طرح علیین میں ہوتا ہے۔ پھر آگے ابرار لوگوں کے لیے جنت کی نعمتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔

سورۃ الانشقاق

وجہ تسمیہ:

جب قیامت قائم ہو گی تو آسمان پھٹ جائے گا اس کے لیے پہلی آیت میں لفظ "انْشَقَّتْ" استعمال ہوا ہے اسی مناسبت سے اس کا نام "انشقاق" ہے۔

اس سورۃ کے شروع میں بھی دیگر سورتوں کی طرح قیامت کے حالات وواقعات بیان کیے گئے ہیں۔

﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿١﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ﴿٢﴾ وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿٣﴾ وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ ﴿٤﴾﴾

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گا اور اس پر یہی لازم ہے۔ اور جب زمین کو ہموار کر دیا جائے گا۔ اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ اسے نکال باہر کرے گی اور خالی ہو جائے گی۔

اس وقت ہر انسان کو اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔

فریقین کے حالات:

﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ﴿٧﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴿٨﴾ وَّ يَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿٩﴾﴾

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فریقین کے حالات کو بیان فرمایا کہ مؤمن کا حساب کتاب کا معاملہ آسان ہو گا اور اسے نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا تو وہ خوش خوش اپنے گھر والوں کی طرف لوٹے گا۔ جبکہ وہ لوگ جنہیں ان کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ

میں پیچھے سے دیا جائے گا وہ اس وقت ناکامی کو دیکھ کر پھر موت کو پکاریں گے۔

﴿فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۙ۝۲۴ اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ اَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ۝۲۵﴾

اب آیات میں دونوں کا نتیجہ بیان فرمایا کہ کفار کے لیے دردناک عذاب ہوگا اور ایمان والوں کے لیے ایسا ثواب ہوگا جو ختم ہونے والا نہیں ہوگا۔

سورۃ البروج

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کے آغاز میں ہے ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ﴾ قسم ہے برجوں والے آسمان کی۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ "البروج" رکھا گیا ہے۔

خندق والوں کا واقعہ:

﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ ۙ۝۱ وَالۡيَوۡمِ الۡمَوۡعُوۡدِ ۙ۝۲ وَشَاهِدٍ وَّمَشۡهُوۡدٍ ؕ۝۳ قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ۙ۝۴﴾

سورۃ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھا کر اصحاب اخدود کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یوم الموعود سے مراد قیامت کا دن ہے۔ ایک تفسیر کے مطابق شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے اور مشہود سے مراد عرفہ کا دن ہے۔ ایک تفسیر میں شاہد سے مراد انسان ہے اور مشہود سے مراد قیامت ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مار ہے ان خندق کھودنے والوں پر۔ اس میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت

مبارکہ سے 70 سال پہلے پیش آیا تھا۔ ایک کافر بادشاہ تھا جو ایک مسلمان لڑکے کو مارنا چاہتا تھا لیکن وہ لڑکا ان کے لیے آزمائش بنا ہوا تھا۔ پھر اس لڑکے نے خود ہی بادشاہ کو تدبیر بتائی کہ میری موت کس طرح واقع ہو سکتی ہے۔ بادشاہ نے ویسے ہی کیا تو کافی سارے اور لوگ ایمان لے آئے۔ بادشاہ کو غصہ آیا، اس نے کہا جو دینِ حق قبول کر چکے ہیں ان کو خندقوں میں آگ دہکا کر جلا دو۔ پھر آگے اہل ایمان کی کامیابی کو بیان کیا کہ وہ باغات میں ہوں گے۔

سورۃ الطارق

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "طارق" رکھا ہے۔

﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝١ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝٢ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝٣﴾

قسم ہے آسمان کی اور طارق کی۔ طارق کا معنی ہے جو رات کو آئے۔ فرمایا کہ آپ کو پتا ہے کہ طارق کیا ہے؟ وہ ستارہ ہے جو بالکل روشن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھا کر بتایا کہ انسان پر ایک نگران فرشتہ مقرر ہے جو اس کے اعمال کو لکھتا رہتا ہے یا اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔

بعث بعد الموت کا اثبات:

﴿فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝٥﴾

یہاں انسان کی تخلیق کو بیان کر کے منکرین بعث بعد الموت کو سمجھایا جارہا ہے؛ جنہیں شک تھا کہ انسان دوبارہ کیسے بنے گا؟ ہڈیوں میں جان کیسے آئے گی؟ گوشت کیسے چڑھے گا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم نے دیکھا ہے کہ پانی کے نطفے سے اللہ تعالیٰ انسان کو بناتا ہے تو بنے ہوئے انسان کو دوبارہ بنانا کیا مشکل ہے۔

سورۃ الاعلیٰ

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "اعلیٰ" رکھا ہے۔

﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ﴿١﴾ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى ﴿٢﴾﴾

اپنے اونچی شان والے رب کے نام کی تسبیح بیان کیجیے۔ جس نے پیدا کیا پھر متناسب اعضاء والا بنایا۔ مخلوقات میں انسانوں کو خاص طور پر چاہیے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے نام کی تسبیح بیان کریں۔

آگے قرآن کریم کی حقانیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا کہ ہم آپ کو پڑھائیں گے اور آپ بھولیں گے نہیں؛ لہذا جلدی نہ کریں۔ ہاں جس چیز کو منسوخ کرنا ہو گا اسے اللہ تعالیٰ بھلادیں گے۔ جس شخص نے اپنا تزکیہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کیا تو ایسا شخص کامیاب ہے۔

سورۃ الغاشیہ

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "غاشیہ "رکھا ہے۔

غاشیہ کا معنی ہے چھا جانا، مراد اس سے قیامت ہے۔ اس سورۃ کے شروع میں قیامت کا تذکرہ کیا۔ پھر مجرمین کا کہ ان کے چہرے اترے ہوئے ہوں گے اور انہیں جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں داخل کیا جائے گا۔ پھر متقین اہل جنت کا تذکرہ کیا کہ وہ جنت کے انعامات سے مستفید ہوں گے۔ جنت میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے۔ اونچی نشستیں، پیالے قالین اور تکیے ہوں گے۔ پھر مشرکین کو سمجھانے کے لیے چار چیزوں کا تذکرہ کیا: اونٹ، آسمان، زمین اور پہاڑ۔ ان میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے۔ پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ ذکر کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف تبلیغ ہے کسی کو زبردستی منوانا نہیں ہے۔

سورۃ الفجر

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿وَالۡفَجۡرِ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "فجر "رکھا ہے۔

﴿وَالۡفَجۡرِ ۝١ وَلَيَالٍ عَشۡرٍ ۝٢﴾

اس سورۃ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھائی ہیں ذوالحجہ کی فجر کی، دس راتوں کی؛ اس سے مراد ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں ہیں، جفت اور طاق کی؛ جفت سے مراد 10 ذوالحجہ کا دن اور طاق سے مراد 9 ذوالحجہ کا دن ہے۔ ان قسموں کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں سے اچھائی کا معاملہ فرمائیں گے اور برے لوگوں سے برائی

کا معاملہ فرمائیں گے۔

پھر سابقہ اقوام ارم، ثمود، قوم فرعون اور ان کی تباہی کا ذکر کیا ہے۔ سورۃ کے آخر میں مجرمین اور متقین کے انجام کو بیان فرمایا ہے کہ مجرمین قیامت کے عذاب کا نظارہ کرنے کے بعد کہیں گے کہ اے کاش ہم نے اس زندگی کے لیے آگے کچھ بھیج دیا ہوتا۔ نفس مطمئنہ سے کہا جائے گا کہ اپنے پروردگار کی طرف آجاتو اللہ تعالیٰ سے راضی وہ تجھ سے راضی اور ان سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جائیں۔

سورۃ البلد

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "بلد" رکھا گیا ہے۔

﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝١ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝٢﴾

اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ کی قسم کھا کر فرمایا اے میرے پیغمبر! آپ اس شہر میں مقیم ہیں۔ مکہ مکرمہ پہلے بھی مکرم تھا مگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور اقامت کی وجہ سے اس کے شرف میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔ دنیا میں ہر انسان کو مشقت کا سامنا ہو گا، راحت کا اصل مکان آخرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور بدی، دونوں راستے دکھا دیے ہیں، اب اس کی مرضی جس راستے کو چاہے اختیار کرلے۔ آخر میں فریقین (دائیں اور بائیں ہاتھ والوں) کے انجام کو بیان فرمایا ہے۔

سورۃ الشمس

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿ الشَّمْسِ ﴾ کا لفظ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "شمس" رکھا گیا ہے۔

﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝۲﴾

اللہ رب العزت نے گیارہ قسمیں کھا کر یہ مضمون سمجھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ذات میں گناہ کا تقاضا بھی رکھا ہے اور گناہ کو کنٹرول کرنے کی طاقت بھی اس کے مزاج میں رکھی ہے۔ وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کی اصلاح کر لی اور وہ شخص برباد ہو گیا جس نے اپنے نفس کو تباہ کر دیا یعنی اس کی اصلاح نہ کر سکا۔ پھر آخر میں قوم ثمود کی سرکشی اور ان کے انجام کو ذکر کیا ہے۔

سورۃ اللیل

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "لیل" رکھا ہے۔

﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝۱ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝۲﴾

سورۃ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھا کر نیکی اور بدی کے نتیجے کو بیان

کیا کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال دیا، تقویٰ اختیار کیا اور سب سے اچھی بات کو دل سے مانا تو اللہ تعالیٰ اس کو کامیابی عطا فرما دیں گے اور جس شخص نے بخل کیا اور سب اچھی بات کو جھٹلا دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو ناکام فرما دیں گے۔ سورۃ کے آخر میں فرمایا کہ وہ شخص جو اللہ تعالی سے بہت زیادہ ڈرتا ہے، اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرتا ہے اور اس سے مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہے، ایسا شخص جہنم سے بہت دور رہے گا۔ یہ آیات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

سورۃ الضحیٰ

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿وَالضُّحٰی﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "لیل" رکھا ہے۔

﴿وَالضُّحٰی ۝۱ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۝۲﴾

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے عشق کی انتہا فرما دی۔ ابو لہب کی بیوی ام جمیل نے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یوں جواب دیا کہ قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی، اور رات کی جب اس کا اندھیرا چھا جائے کہ میں خدا نے نہ تمہیں چھوڑا ہے اور نہ ہی میں ناراض ہوں۔

آگے مزید اپنے محبوب کو یقین دلانے کے لیے فرمایا کہ کیا ہم نے تمہیں یتیم نہیں پایا تھا پھر تمہیں ٹھکانا دیا، راستہ سے ناواقف پایا تو راستہ دکھایا اور تمہیں نادار پایا تو غنی کر دیا۔ پھر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ یتیم پر سختی نہ فرمانا، سائل کو ڈانٹ ڈپٹ نہ کرنا اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے رہنا۔

سورۃ الانشراح

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿نَشۡرَحۡ﴾ کا لفظ ہے اس کا معنی کھولنا ہے چونکہ اس سورۃ میں شق صدر یعنی نبی پاک صلی للہ علیہ وسلم کے سینے مبارک کو کھولا گیا تھا اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "انشراح" رکھا ہے۔

﴿اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ﴿۱﴾ وَ وَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ۙ﴿۲﴾﴾

اس سورۃ میں شق صدر کے واقعہ کا تذکرہ کیا اور فرمایا کہ ہم اپنے محبوب کا ذکر بلند کر دیں گے۔ یہاں ایک اصول بیان فرمایا کہ پہلے تنگی آتی ہے پھر تنگی کے بعد آسانی آتی ہے۔ آخر میں فرمایا کہ جب مصروفیات ختم ہو جائیں تو اپنے رب کی اتنی عبادت کریں کہ آپ تھک جائیں۔ اس سے مراد نفلی عبادات ہیں۔ تو دین کا کام کرنے والوں کو چاہیے کہ فرائض اور دینی کاموں سے فارغ ہونے کے بعد ذکر واذکار اور نوافل کا بھی اہتمام فرمائیں، اس سے اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے۔

سورۃ التین

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿وَ التِّیۡنِ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "تین" رکھا ہے۔

﴿وَ التِّیۡنِ وَ الزَّیۡتُوۡنِ ۙ﴿۱﴾ وَ طُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ وَ ہٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ ۙ﴿۳﴾﴾

شروع میں اللہ تعالیٰ نے چار قسمیں کھا کر انسان کی تخلیق بیان فرمائی کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا فرمایا۔ پھر انسان بڑھاپے کو پہنچ جاتا ہے تو اس کی خوبصورتی اور طاقت دونوں ختم ہو جاتی ہیں۔ جوانی میں وہ جو اعمال کرتا تھا اب بڑھاپے میں نہیں کر سکتا لیکن اللہ تعالیٰ اسے ان اعمال کا اجر دیتے رہتے ہیں۔ پھر آخر میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ اعلیٰ کا ذکر ہے۔

سورۃ العلق

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی دوسری آیت میں ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝٢﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "علق" رکھا ہے۔

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝١ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝٢﴾

قرآن کریم کی سب سے پہلی وحی جو غار حراء میں نازل ہوئی وہ اس سورۃ کی پہلی پانچ آیات ہیں۔ اس کی باقی آیتیں بعد میں نازل ہوئی تھیں۔

آگے ابوجہل کی سرکشی اور بدبختی کا ذکر ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حرم میں نماز پڑھنے سے منع کیا۔ حالانکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت یافتہ تھے اور تقویٰ کا حکم دیتے تھے۔ ابوجہل کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ ان حرکات سے باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے محبت کے انداز میں فرمایا میرے محبوب سجدہ کیجئے اور میرے قریب ہو جائیے۔ معلوم ہوا کہ سجدہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔

سورۃ القدر

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿الْقَدْرِ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "قدر" رکھا ہے۔

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝﴾

اس سورۃ میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسی رات عطا فرمائی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر اور افضل ہے۔ وہ لیلۃ القدر کی رات ہے جس میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر قرآن کریم نازل ہوا۔ یہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے۔

سورۃ البینہ

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "بیّنہ" رکھا ہے۔

﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝﴾

اس سورۃ میں بتایا کہ مشرک ناکام ہوں گے۔ یہود و نصاری نبی پاک صلی اللہ

علیہ وسلم کی نبوت کے روشن دلائل دیکھنے کے بعد بھی آپ پر ایمان نہ لائے تو یہ ناکام ہوں گے۔ یہ بات سمجھائی ہے کہ جو نیک کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوتے ہیں۔ بطور خاص صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ نے انعام دیا ہے کہ " رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ " اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گئے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بہت بڑا انعام اور فضیلت ہے۔

سورۃ الزلزال

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿ زِلْزَالَهَا ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "زلزال" رکھا ہے۔

﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿١﴾ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ﴿٢﴾﴾

اس سورۃ میں قیامت کی ہولناکیوں کو بیان کیا۔ جب قیامت آئے گی تو زمین اپنے خزانے باہر نکال دے گی۔ دنیا میں جس نے مال کی خاطر گناہ کیے تھے وہ اس مال کو دیکھ کر کہے گا یہ ہے وہ مال جس کی وجہ سے میں نے گناہ کیے تھے! اس مال کو کوئی لینے والا نہیں ہو گا تو اس وقت کو یاد کرو۔ آخرت کی تیاری کرو۔

دنیا میں کی ہوئی چھوٹی سے چھوٹی نیکی پر اللہ تعالیٰ اچھا بدلہ دیں گے اور چھوٹی سی چھوٹی برائی پر اللہ تعالیٰ سزا دیں گے۔ قیامت کے دن پورا حساب کتاب لیا جائے گا۔ اللہ کریم ہم سب کو اپنے فضل سے جنت میں جگہ عطا فرمائیں۔

سورۃ العادیات

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿وَ الْعٰدِیٰتِ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "عادیات" رکھا ہے۔

﴿وَ الْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۝۱ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۝۲﴾

اللہ تعالیٰ نے دوڑنے والے گھوڑوں کی قسمیں کھا کر یہ بات سمجھائی کہ گھوڑا اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اپنے مالک کی حفاظت کرتا ہے، اس کی بات مانتا ہے۔ لیکن انسان کو دیکھیے کہ وہ اپنے مالک کا کھاتا ہے لیکن اس کی بات نہیں مانتا اور شکر کے بجائے ناشکری کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا رزق کھانے کے بعد اللہ کی اطاعت اور شکر کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔

سورۃ القارعہ

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿اَلْقَارِعَةُ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "قارعہ" رکھا ہے۔

﴿اَلْقَارِعَةُ ۝۱ مَا الْقَارِعَةُ ۝۲ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳﴾

اس سورۃ میں قیامت کا ذکر کیا اور یہ بات سمجھائی کہ جن کے اعمال نیک ہوں گے قیامت کے دن ان کا اعمال نامہ وزنی ہو گا۔ اور جن کے اعمال برے ہوں گے

گناہ بہت زیادہ کیے ہوں گے ان کا اعمال نامہ بہت ہلکا ہو گا۔ قیامت کے دن اعمال کو گنا نہیں بلکہ تولا جائے گا کہ اعمال میں وزن، خشوع و خضوع اور اخلاص کتنا تھا۔ تو نیک اعمال کو اخلاص کے ساتھ کرنا چاہیے۔

سورۃ التکاثر

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿ التَّكَاثُرُ ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "تکاثر" رکھا ہے۔

﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝﴾

اس سورۃ میں انسان کو سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں وہ تمہیں غفلت میں نہ ڈال دیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اور قیامت کے دن ایک ایک نعمت کا تم سے حساب ہو گا۔

سورۃ العصر

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿ وَ الْعَصْرِ ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "عصر" رکھا ہے۔

﴿وَ الْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝﴾

اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر یہ بات سمجھائی ہے کہ کامیاب وہ ہو گا جس کے عقائد درست ہوں گے۔ اعمال سنت کے مطابق ہوں گے۔ پھر فرمایا وہ کامیاب ہے جو صحیح عقیدے اور نیک عمل کی دعوت دے۔ اگر دعوت دینے میں کوئی مشکل آجائے تو اس کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے۔

سورۃ الھمزہ

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿ هُمَزَةٍ ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "ھمزہ" رکھا ہے۔

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝١﴾

اس میں اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ مال گن گن کر رکھنا، بخل کرنا، چغل خوری کرنا، لوگوں کے عیب نکالنا، مذاق اڑانا اور دوسروں کو طعنہ دینا یہ انسان کو برباد کر دیتا ہے۔ لہذا مذکورہ تمام برے اعمال سے گریز کرنا چاہیے۔

سورۃ الفیل

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿ الْفِيلِ ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "فیل" رکھا ہے۔

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيلِ ۝١﴾

اس میں وہ واقعہ بیان کیا جب ابرہہ کعبہ کو گرانے کے لیے لشکر لے کر آیا تھا تو چھوٹی چھوٹی کنکریاں مارنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے پرندے ابابیل بھیجے۔ اس کے لشکر کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ اس سے عبرت حاصل کریں اللہ تعالیٰ کے دین کو مٹانے کی بات نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کریں۔

سورۃ القریش

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿قُرَيْشٍ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "فیل" رکھا ہے۔

﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۝۱﴾

اس سورۃ میں یہ سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں رزق اور تمہیں امن بھی دیتے ہیں اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیے۔ اصل چیز تو عبادت ہے اور عبادت کا ماحول بنتا ہے اچھی معیشت اور امن سے۔ لہذا ایسے حالات پیدا کریں جن سے امن بھی ہو اور معیشت بھی اچھی ہو تا کہ سب لوگ اطمینان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہیں۔

سورۃ الماعون

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی آخری آیت میں ﴿الْمَاعُوْنَ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "ماعون" رکھا ہے۔

﴿اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يُكَذِّبُ بِالدِّيۡنِ ؕ‏﴾

اس میں یہ بات سمجھائی ہے کہ بخل اور کنجوسی نہ کریں، نماز میں غفلت نہ کریں کیونکہ غفلت کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ نماز کی پابندی کریں۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں جو عام استعمال اور کھانے پینے کی ہوتی ہیں، انہیں دینے لینے میں کنجوسی نہ کیا کریں۔

سورۃ الکوثر

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿الۡكَوۡثَرَ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "کوثر" رکھا ہے۔

﴿اِنَّاۤ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ ؕ‏﴾

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو بیان کیا کہ آپ کو کوثر عطا کی گئی ہے۔ آپ نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے۔ آپ کے مخالف ہی ختم ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام قیامت تک اور قیامت کے بعد بھی رہے گا۔

سورۃ الکفرون

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "کافرون" رکھا ہے۔

﴿قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝١ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝٢﴾

یہ سورۃ توحید اور شرک، ایمان اور کفر اور حق اور باطل کے درمیان حد فاصل ہے۔ جب مشرکین نے صلح کرنے کی کوشش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوٹوک فیصلہ فرمایا کہ تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

سورۃ النصر

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "نصر" رکھا ہے۔

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝١﴾

اس سورۃ میں فتح مکہ اور لوگوں کے اسلام میں فوج در فوج داخل ہونے کا ذکر ہے۔ آخرت کی تیاری کی ترغیب دی ہے کہ اے پیغمبر! صلی اللہ علیہ وسلم، فتوحات کا وقت آ گیا ہے اور لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے ہیں۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا مقصد پورا ہونے کو ہے۔

سورۃ اللہب

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "لھب" رکھا ہے۔

﴿تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ؕ﴾

اس سورۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ابو لہب اور اس کی بیوی کے برے انجام کو بیان کیا ہے کہ وہ کس طرح برباد ہوئے اور آخرت میں بھی وہ ہمیشہ کے لیے جہنم کے اندر رہیں گے۔ مال اور اولاد ان کے کام نہ آسکے۔

سورۃ الاخلاص

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ میں عقائد میں سے بنیادی عقیدہ، عقیدہ توحید کو بیان کیا گیا ہے، جو شخص اس عقیدہ میں مخلص ہے وہی موحد ہے، اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام سورۃ "الاخلاص" رکھا گیا ہے۔

﴿قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ﴾

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے توحید کو بیان فرمایا ہے۔ سورۃ کافرون میں شرک کا رد اور سورۃ اخلاص میں توحید کا بیان ہے۔ یہ دو سورتیں بہت محبوب ہیں۔ فجر کی سنتوں میں پہلی رکعت میں سورۃ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

سورۃ الفلق، سورۃ الناس

وجہ تسمیہ:

سورۃ الفلق کی پہلی آیت میں ﴿الۡفَلَقِ﴾ ہے اس کی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "فلق" رکھا گیا ہے۔

اسی طرح سورۃ الناس کی بھی پہلی آیت میں ﴿النَّاسِ﴾ کا لفظ ہے اس کی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "الناس" رکھا گیا ہے۔

آخری دو سورتوں میں یہ بات سمجھائی ہے کہ انسان کو چاہیے کہ انسانوں اور جنات کے شرور سے پناہ مانگے۔ اگر جادو سے بچنا چاہے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آئے۔ وسوسوں سے بچنا چاہے تو بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آئے۔ ہر حال میں انسان کو چاہیے کہ شرور و فتن سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آئے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ سے قرآن کریم کو شروع کیا اور سورۃ الناس پر ختم کیا۔ سورہ فاتحہ میں دو چیزیں مانگنے کی بات کی کہ اللہ تعالیٰ سے انہیں مانگیں:

- مدد و نصرت مانگیں
- صراط مستقیم مانگیں

مدد مل گئی تو دنیا میں غالب آجائیں گے اور طراط مستقیم پر آگئے تو آخرت بن جائے گی۔ اور معوذتین میں دو چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے:

- ♦ دنیاوی معاملات میں مخلوقات کے شرور سے پناہ مانگیں
- ♦ دینی معاملات میں وسوسہ ڈالنے والوں کے شرور سے بچیں

دنیاوی معاملات میں وسوسہ ڈالنے والوں کے شر سے بچ گئے تو دنیا اچھی رہے گی۔ دینی معاملات میں وسوسہ ڈالنے والوں کے شر سے بچ گئے تو آخرت سنور جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرور و فتن سے ہمیں محفوظ رکھے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خاتمہ:

الحمد للہ، خلاصہ قرآن کریم؛ اللہ کریم کی مدد سے مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول ومنظور فرمائیں، قبولیتِ عامہ عطا فرمائیں، پڑھنے پڑھانے، سننے سنانے والوں کے لیے نافع بنائیں، ہم سب کے ایمان کی حفاظت فرمائیں اور ہماری نسلوں سے دین کا کام عافیت کے ساتھ لیتے رہیں۔ اللہ کریم قرآن مجید کو ہماری زبانوں اور آنکھوں کا نور، دلوں کی ٹھنڈک اور قبر کی بہار بنائیں۔ اللہ کریم مرکز اھل السنۃ والجماعۃ سرگودھا پاکستان کے فیض کو تاقیامت دنیا بھر میں پھیلائیں۔

آمین یارب العلمین،

بجاہ النبی الکریم علیہ وآلہ الصلوۃ والتسلیم وبرحمتك یاارحم الرحمین۔

اللھم لك الحمد کما ینبغی لجلال وجھك وعظیم سلطانك